مکمل ناول
اے جنوں دشت ہے گر منزل ہے
آسیہ مرزا

کولڈ ڈرنک کے ہلکے ہلکے سپ لیتے ہوئے اسے یک دم احساس ہوا کہ وہ کسی کی نگاہوں کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ اس نے احتیاط سے نظریں یہاں' وہاں دوڑائیں تا کہ گھورنے والے کو خود بھی گھور کر اسے کم از کم نگاہوں ہی نگاہوں میں شرمندہ کر سکے مگر دائیں طرف بہت سے خوش رنگ لڑکوں' لڑکیوں کے گروپ کے پار' بڑی عمر کے دو تین آدمیوں کے ہمراہ کھڑا وہ اسے دل آویز نظروں سے نہیں بلکہ خون آشام نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنے حلق میں کوک جیسی سیال شے بھی یک لخت اٹکتی محسوس ہونے لگی۔

اس کا رواں رواں کپکپا اٹھا۔

یہ تو وہی تھا۔

بالکل وہی۔ اسے پہچاننے میں ذرا بھی غلطی نہ ہو رہی تھی۔ اسے لگا وہ اسے متوجہ دیکھ کر اس کی جانب بڑھ رہا ہے۔ ایک قدم بڑھا ہی تھا کہ ایک اڈھیر عمر شخص نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے کسی بات پر متوجہ کیا۔ وہ ہونٹ بھینچ کر ذرا سی دیر چہرے کا رخ موڑ کر ادھر متوجہ ہوا اور وہی موقع غنیمت جان کر اس نے تھرتھراتے ہاتھ سے کولڈ ڈرنک کی بوتل کرسی پر پھینکی اور

کرسیوں اور میزوں کے درمیان سے بھاگنے کے انداز میں چلنے لگی۔ اس کا رخ داخلی دروازے کی طرف تھا۔ ہال کا داخلی دروازہ گوکہ بہت دور نہیں تھا مگر اسے لگ رہا تھا وہ ایک طویل فاصلے پر ہے۔ وہ عورتوں' مردوں کے ہجوم کو چیرتی کھٹ کھٹ سینڈلیں بجاتی بھاگی چلی جا رہی تھی۔

''شیزا! بات تو سنو۔'' دریہ نے پیچھے سے پکارا تھا مگر وہ سنی ان سنی کر گئی۔ اس کی سماعتوں پر خوف کی آہٹیں بکھری ہوئی تھیں۔ اعصاب ٹوٹ رہے تھے مگر قدموں میں گویا پہیئے لگ گئے تھے وہ ہال کے بڑے سے گلاس ڈور سے باہر نکل کر بھاگی۔

اسے اچانک احساس سا ہوا کوئی اسکے پیچھے لپکا تھا اور لپکنے والا جس دھمک سے چل رہا تھا اس سے پتا چل رہا تھا کہ وہ عورت نہیں' مرد تھا۔ اس کا دل سینے میں سکڑا اور پھسلتا جا رہا تھا' تنفس تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔ پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگا۔

''خدایا' رحم..... رحم کر۔'' مارے خوف کے اسے کوئی قرآنی آیت بھی یاد نہیں آ رہی تھی۔

لان کے باغیچے میں جا بجا میں بتیاں جھلملا رہی تھیں ایک طرف پارکنگ الاٹ تھا' جہاں گاڑیوں کا ہجوم تھا۔ ایک سے ایک نئے ماڈل کی کاریں' کھڑی تھیں۔ کچھ بائیک بھی تھیں۔ لان میں بھی کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ درختوں کی شاخوں پر چھوٹے چھوٹے قمقمے جل اور بجھ کر اندھیرے کا سینہ چیر رہے تھے۔

وہ لان کی نرم ملائم گھاس پر تیزی سے بھاگنے لگی۔

چونکہ یہاں اسے دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس کا رخ پارکنگ لاٹ کی طرف تھا۔ جس کے پیچھے میں سڑک وہ وہیں سے جلد از جلد رکشہ لینا چاہتی تھی۔ ایک کرسی سے ٹکرائی' انگوٹھا اس ٹھوکر سے بری طرح مجروح ہو گیا مگر اس تکلیف کے احساس سے زیادہ وہ خوف تھا جو اس کے سارے وجود پر چھایا ہوا تھا۔

بالکل اچانک کسی نے پیچھے سے اس کی کلائی دبوچ لی خوف سے اور ایک چیخ اس کے لبوں سے آزاد ہو جاتی مگر کلائی پکڑنے والے نے سرعت سے اس کا رخ جھٹکے سے اپنی طرف کر لیا تھا اور وہ چیخ سینے میں کہیں دب گئی۔

بس پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ اپنے سامنے کھڑے اجنبی شخص کو دیکھنے لگی۔ بلیک تھری پیس سوٹ میں وہ اچھا خاصا خوش شکل خوش اطوار تھا۔

''سوری..... سوری فار دیٹ۔'' وہ یک دم اس کا ہاتھ چھوڑ کر کچھ خفیف سا ہو گیا۔ پھر

نرم سی نظروں سے اس کے چہرے پر پھیلی وحشت کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''میڈم! آپ جس طرح بھاگی ہیں مجھے پریشانی لاحق ہو گئی تھی کہ نہ جانے کیا مسئلہ آپ کو درپیش ہے۔ چونکہ آپ تنہا ہیں میرا مطلب ہے تنہا لڑکی ہیں کوئی مرد بھی آپ کے ہمراہ نہیں ہے اور جانے آپ کسی خوف کے تحت ہال سے بھاگی ہیں۔ میں صرف ہمدردی کے سبب آپ کے پیچھے چلا آیا۔''

''تھ تھ... تھینک یو....'' وہ بس یہی کہہ سکی' پھر سامنے ہال کے دروازے پر نگاہ ڈالی' گوکہ دروازہ بہت دور رہ گیا تھا مگر اسے لگ رہا تھا وہ کھڑا اسے دیکھ رہا ہے اور وہاں سے نکل کر بس دو قدم میں اسے آ کر دبوچ لے گا۔

''پلیز۔'' اس نے اس کی طرف ٹشو بڑھا دیا۔ وہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی اور بجائے ٹشو کے اپنے دوپٹے کے کونے سے چہرہ پونچھنے لگی۔ اور جب پونچھ کر کاٹن کے دوپٹے کا کنارا دیکھا تو اور شرمندہ ہو گئی۔ اچھا خاصا گیلا ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی چشمہ چہرے سے پھوٹ نکلا ہو۔

''میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں؟''

''ج ج......جی۔'' وہ ٹپٹا کر اس کا چہرہ تکنے لگی۔

''پلیز آپ یہاں بیٹھیے۔ کیا مسئلہ ہے آپ کو؟ دیکھیے دیکھیے پہلے میری بات سنیے۔''
اس نے جلدی سے ہاتھ اٹھا کر اسے بولنے سے روک دیا۔ ''کوئی پرابلم تو ہے آپ کے ساتھ' میرا خیال ہے کسی کے خوف سے آپ بھاگ رہی ہیں اور اگر یہی بات ہے تو پھر آپ کا تنہا جانا قطعاً خطرناک ہو سکتا ہے۔ پلیز آپ مجھ پر بھروسا کیجیے۔''

''آ..... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ مم میں گھر جا رہی ہوں۔'' وہ چہرہ جھکا کر بولی اور جلدی سے پلٹ گئی۔ مگر وہ تیر کی تیزی سے اس کے سامنے آ گیا۔

''مجھے غلط آدمی مت سمجھیے۔ چلیے پھر اندر آ جائیے اور کسی سے بھی پوچھ لیجیے۔ میں کیسا آدمی ہوں اندر ایک جہاں ہے جو میری شرافت کی گواہی دے گا۔ آئیے۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا تو اس نے مارے خوف کے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ دوبارہ اندر جانے کا سوچ کر ہی اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑتی محسوس ہوئی۔

''ٹھیک ہے' آپ سچے ہیں۔ شریف ہیں مگر مجھے اس سے کیا۔ میرا کیا تعلق ہے آپ سے کہ میں آپ سے اپنے پرابلم شیئر کروں۔ پلیز آپ اپنی راہ لیجیے۔'' وہ سرد مہری سے کہہ کر

پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھ گئی۔

''آپ کا تنہا جانا کسی بھی طور مناسب نہیں ہے' جس کے خوف سے بھاگی ہیں وہ آپ کو تنہا دیکھ کر آپ کا پیچھا کرسکتا ہے اور.....''

چلتے چلتے اس کے قدم ٹھٹکے جیسے پیر میں پتھر کی ٹھوکر لگی ہو۔ پھر سڑک کے اندھیرے کی طرف دیکھنے لگی۔

کہہ تو یہ ٹھیک ہی رہا تھا۔ وہ وہاں اندھیری ویران سڑک کے پاس کھڑی کب تک رکشہ کا انتظار کرے گی اور اس اثنا میں وہ اس طرف آ گیا تو؟ ہوسکتا ہے وہ یہیں کہیں لان میں کسی درخت کے پیچھے چھپا ہوٗا اس شخص کے جاتے ہی نکل آئے اور اسے.....

اس کے ہاتھ پیروں میں سنسناہٹ ہونے لگی۔

''آ..... آپ کیا مدد کرسکتے ہیں میری؟'' وہ سُست قدموں سے چلنے لگی۔ حقیقت یہ تھی کہ اس کی موجودگی میں تھوڑی ڈھارس بندھی تھی۔ خوف میں قدرے کمی آ گئی تھی جیسے موت کا گھومتا ہوا سرد گولا کچھ دیر اس کے سر کے اوپر سے ہٹ گیا ہو۔ خوف کا آہنی شکنجہ ڈھیلا ہو گیا ہو۔

''آپ کے پاس اپنی گاڑی ہے؟'' وہ پوچھنے لگا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تو چلئے' پہلی مدد تو یہی کروں گا کہ آپ کو آپ کے گھر با حفاظت پہنچا دوں گا۔'' وہ مربیانہ انداز میں بولا اور اس کے ہمراہ چلنے لگا۔

''مگر میں آپ پر کیسے اعتماد کرسکتی ہوں۔'' وہ اپنے خوف اور اندیشے کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکی۔ وہ دھیرے سے مسکرایا۔

''جس طرح رکشہ والے پر اعتبار کریں گی۔'' پھر مسکراہٹ ہونٹوں کے گوشوں سے سمیٹتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔ ''میرا خیال ہے آپ کسی کے ڈر سے بھاگی ہیں اور وہ [illegible] ہے وہ یقیناً آپ کے پیچھے آئے گا اور اس طرح آپ کا رکشے میں جانا مناسب نہیں ہے۔ آپ مجھ پر بھروسا کیجئے' مجبوری ہی سمجھ کر۔''

''وہ کیسے مجبوری کا سودا کرے۔ بھلا اس پر کیسے یقین کرسکتی تھی۔ ہوسکتا ہے وہ اچھا آدمی نہ ہو' اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہ رہا ہو۔ کوئی ٹھگ ہو' مگر اس کی ساری دلیلیں ڈھے گئیں جب اس نے زور زور سے آدمیوں کی آواز سن کر رخ موڑ کر پیچھے دیکھا اور دل ایک بار پھر اتھل پتھل ہو گیا۔ وہ ہال کے داخلی دروازے سے باہر آ رہا تھا۔ ہونٹ بھینچے ہوئے تیز تیز قدموں سے.....

اس نے گھبرا کر بے اختیار اس شخص کا ہاتھ تھام لیا۔

''چلیں پلیز۔ آپ مجھے ڈراپ کردیں گھر تک۔'' اس کا انداز متوحش سا ہو گیا۔ وہ حیران بلکہ پریشان ہو کر جلدی جلدی قدم اٹھاتا اپنی گاڑی کی طرف آیا۔ اور لاک کھول کر اس کی طرف کا دروازہ کھولنے اس طرف آیا تو وہ خود دروازہ کھول کر اندر بیٹھ کر دروازہ بند کرچکی تھی اور چھپنے کے انداز میں دبک کر بیٹھ گئی۔

''پلیز جلدی کریں اور تیز چلائیے گا۔''

''گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے ایک نظر اس پر ڈالی مگر اس کی حالت کے پیش نظر کسی قسم کا سوال کرنا مناسب نہ سمجھا اور گاڑی رش انداز میں مین روڈ پر لا کر بھگانے لگا۔

وہ سر اٹھا کر شیشے کے باہر دیکھنے لگی' مبادا وہ اس کے پیچھے تو نہیں آ رہا مگر دور دور تک کوئی گاڑی نظر نہ آئی۔

راستہ بے حد خاموشی سے کٹا تھا۔ وہ راستہ بتاتی گئی۔

گھر کے دروازے پر نگاہ پڑتے ہی اس کی جان میں جان آئی۔ ایک گہری سانس اس کے لبوں سے نکل گئی۔ وہ سرعت سے نیچے اتری اور گیٹ پر جا کر زور زور سے بیل بجانے لگی۔ ساتھ ساتھ دروازہ پیٹنے لگی۔ وہ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے اسے دیکھتا رہ گیا پھر خود بھی زور زور سے ہارن بجانے لگا تاکہ دروازہ جلدی کھل جائے۔ وہ چونکی اور کھسیا کر دہلیز کی سیڑھی اتر کر فرنٹ ڈور کے پاس آئی اور قدرے جھینپ کر بولی۔

''سوری' خیال ہی نہیں رہا کہ.....''

''کہ میں بھی ہوں۔'' وہ اس جملہ کو نوٹ کرتے ہوئے ہنس دیا اور ایک سانس بھر کر اسٹیئرنگ پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

''مجھے ولید کہتے ہیں' اور بالکل ٹھیک کہتے ہیں' یعنی میں ولید ہی ہوں۔ آپ کا نام پوچھ سکتا ہوں۔''

''شیزا۔'' وہ مختصراً بولی پھر دروازہ کھلنے کی آواز پر سیدھی ہو کر ممنونیت سے بولی۔

''بہت بہت شکریہ آپ کا' میں آپ کا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔''

''زندگی بھر تو خیر کوئی یاد نہیں رکھتا۔ تاہم آپ کو اجازت ہے آپ بھول جائیے گا۔ یوں بھی میں نے احسان نہیں کیا۔ اخلاقی فرض نبھایا ہے یہ میرا کارڈ ہے اس میں میرا موبائل نمبر بھی ہے۔ اگر آپ اپنی پرابلم مجھ سے شیئر کرنا چاہیں تو میں حاضر ہوں۔ اللہ حافظ۔'' اور دوسرے پل

گاڑی زن سے آگے بڑھ گئی اور مین روڈ کے سیلاب میں گم ہو گئی۔

وہ ایک گہری سانس بھر کر پلٹی۔ امی منہ کھولے حیرت سے کھڑی تھیں۔

''آئیے اندر آئیے۔'' وہ امی سے کہتی ہوئی اندر چلی آئی۔ پھر پیروں سے سینڈل اتارے' دوپٹہ اتار کر تخت پر پھینکا اور فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر منہ سے لگالی۔ ایک سانس میں کئی گھونٹ پی کر تخت پر ڈھے سی گئی۔ جیسے اب پیروں میں جان نہ رہی ہو۔ پھر دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر یک دم رو پڑی۔

''شیزا! کیا ہوا؟'' امی تعجب سے بولیں۔

''امی! بہت کچھ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ ہاشم خان نظر آیا تھا۔''

''کیا.....آ.....'' امی اچھل پڑیں۔

''ہال میں میری اچانک نظر پڑ گئی۔ وہ مجھے ہی دیکھ رہا تھا' پھر میری طرف بڑھا تو میں ہال سے نکل بھاگی۔ اور اس اجنبی شخص سے مدد لے کر پہنچی ہوں امی آخر میرا قصور کیا ہے؟ کب تک میں یونہی خوف کی دلدل میں دھنسی رہوں گی۔''

''خدا غارت کرے ظالموں کو...... یہاں بھی آگئے۔'' امی نے اسے خود سے لپٹا لیا۔ وہ ہچکیوں سے روئے جا رہی تھی۔

''بس کر میری بچی۔ شکر کرو کہ اللہ نے بچا لیا۔

''مگر...... مگر کب تک۔ میں یوں بھاگتی رہوں گی ان لوگوں سے۔ وہ میری بات کا یقین کیوں نہیں کر لیتے۔ میں علینہ کے معاملے میں بالکل بے قصور ہوں۔ انہیں آخر یقین کیوں نہیں آجاتا۔''

''عزت کے ساتھ ایک سال نکل گیا میں سمجھی چلو اب سکھ کے ساتھ زندگی گزر جائے گی۔ کیا خبر تھی وہ ظالم یہاں بھی پہنچ جائیں گے۔ جانے قسمت میں کیا لکھا ہے۔'' امی کی تھکی تھکی بوجھل سانس فضا کو اور بھی بوجھل کر گئی۔ وہ اسے تھپکتے ہوئے بند دروازے کو تکنے لگیں۔ کب تک یہ بند دروازہ یونہی تحفظ دے سکے گا۔ یہ چہار دیواریں ان دو کمزور عورتوں کا سہارا بن سکیں گی۔

چھت کب تک باہر کی دھوپ کو روکے رکھے گی۔

تہجد کی نماز کے بعد رو رو کر وہ اپنے رب کے حضور اپنے فرض سے جلد از جلد سبکدوش ہو جانیکی دعائیں مانگتی رہتی تھیں۔ اب یہی واحد حل نظر آتا تھا انہیں کہ کسی طرح شیزا کو کسی اچھے آدمی سے بیاہ دیں۔ اور وہ تو چاہتی تھیں کوئی ایسا آدمی ہو جو شیزا کو ملک سے باہر ہی لے

جائے۔۔بیاہ کر۔ کہ فتنہ ہی ختم ہو۔

کب تک ان کی بچی ''دوستی'' کے جرم کی سزا کاٹتی رہے گی۔ ناکردہ قصور کی پاداش میں یوں چھپتی پھرے گی۔ آج انہوں نے ہی زبردستی اسے بھیجا تھا کہ کب تک گھر میں بند پڑی رہو گی۔ وہ خود کو چادر میں ڈھانپے صبح آفس کے لئے نکلتی' شام کو سیدھی گھر آتی اور پھر منہ ڈھانپے پڑی رہتی۔

دریہ نے اپنے بھانجے کے عقیقے کی دعوت دی تھی اور آنے پر بے حد اصرار کر گئی تھی ان کا دل پسیج گیا تھا۔ انہوں نے اپنے تمام خوف کو بھلا کر اسے ضد کر کے بھیجا تھا مگر وہی ہوا جس کا شیزا کے دل میں دھڑکا تھا۔ خدا غارت کرے ان ظالموں کو۔ ان سے اپنے گھر کی عورت نہ سنبھالی گئی' جرم میری بچی کے کھاتے میں آگیا۔

☆☆☆☆

صبح وہ یونہی کسلمندی سے پڑی رہی۔ امی نے بھی جان کر نہ پوچھا کہ وہ آفس نہیں جائے گی۔ ابھی بھی رات کے واقعے کا خوف تازہ تھا کہ دریہ کا فون آگیا۔ اس نے آفس سے ہی کیا تھا اور کل یوں اچانک چلے جانے پر باز پرس کرنے لگی۔

اس نے طبیعت بگڑ جانے کا بہانہ کر دیا۔

''یار' تمہیں تو ابھی بہت سے لوگوں سے ملوانے کا ارادہ تھا میرا۔ آپی کے سسرال والوں میں کچھ لوگ بڑے ہی زبردست ہیں۔ تم ان سے مل کر بہت انجوائے کرتیں۔'' وہ افسوس کر رہی تھی۔

''بہت بڑے پیمانے پر تقریب تھی۔ تمہارا بھانجا خاصا لاڈلا ہو گا اپنے ددھیال میں۔'' وہ پوچھنے لگی تو دریہ پر جوش ہو کر بولی۔

''آف کورس۔ آپی کے دو جیٹھ کی بیٹیاں ہی ہیں۔ آپی کے یہاں ہی بیٹا ہوا ہے نا تو بہت لاڈلا ہے اور ماشاءاللہ پیسہ بھی بہت ہے۔ پیسہ تو ہوتا ہے اکثر لوگوں کے پاس مگر دل بھی بڑا ہونا چاہئے۔ میری آپی بے حد لکی ہیں اس معاملے میں بلکہ ہر معاملے میں۔ دعا کرو شیزا اپنی بھی ایسی ہی قسمت ہو۔'' یہ کہہ کر وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑی' اس کے لبوں پر بھی بے ساختہ مسکراہٹ آگئی' تاہم اس نے اس موضوع کو طویل نہ کیا۔ دراصل دریہ سے وہ گفتگو ہی طویل نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پتا نہیں کیوں دوستی کے معاملے میں وہ محتاط ہو گئی تھی۔

فون رکھ کر اس نے اپنا بیگ کھولا اور اس میں سر درد کی گولی نکالنے لگی کہ نگاہیں وزیٹنگ

کارڈ پر گئیں اسے کل کا وہ مہربان یاد آ گیا۔اس نے انگلیوں میں دبایا کارڈ باہر نکالا اور اس پر نگاہیں جمادیں۔

''ولید خان نیازی۔''

سفید کارڈ پر سنہری حرفوں میں چمکتا ہوا یہ نام اس کے ذہن کی سطح پر بھی چمکنے لگا۔اور اس کے ساتھ ہی کل کا سارا منظر نگاہوں تلے گھوم گیا۔

اگر یہ شخص فرشتہ بن کر نہ آتا تو؟اس کے آگے کا سوچ کر اس کے اندر وہی مانوس خوف جھرجھرانے لگا۔اس نے پاؤں سمیت لئے اور بیڈ کی پشت سے ٹیک لگالی۔

عجیب حوصلہ شکن احساس اندر سے اٹھنے لگا۔

آخر وہ کب تک اس خوف کی دلدل میں دھنسی رہے گی۔اس طرح چھپ کر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے بیٹھے رہنے سے وہ بلی کی شاطر نظروں سے بچ تو نہیں جائے گی۔کوئی بیرونی امداد کی طرح اسے حوصلہ دینے نہیں آئیگا۔طشتری میں سجا کر اسے ہمت اور اس کے مسائل کا حل پیش تو نہیں کرے گا۔یہ حوصلہ اسے اپنے اندر سے ہی کھینچ کر نکالنا ہوگا۔اپنے مسئلے کا حل خود اسے ہی ڈھونڈنا ہوگا۔

اسے خود سے زیادہ امی کی فکر لاحق ہوگئی تھی جو اس کے گھر سے جاتے ہی خوف کی ویران سنسان فضا میں سانس لیتی رہتیں تھیں۔جب تک وہ گھر نہ لوٹ آتی ان کی جان اسی میں اٹکی رہتی۔

وہ اب توڑ چاہتی تھی اس اذیت ناک خوف کا۔ایسے میں اسے اس کارڈ پر چمکتا ہوا نام ہی اپنی راہ کا ٹمٹماتا ستارا محسوس ہونے لگا۔جو اس دبیز اندھیرے کو شاید کاٹنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔اسے لگا اس سوچ کے ساتھ ہی اس کے اندر کسی نے نئی روح پھونک دی ہو۔اسے وہ مہربان لہجہ یاد آ گیا وہ مخلصانہ آفر''اگر آپ اپنی پرابلم شیئر کرنا چاہیں تو میں حاضر ہوں۔''

ایک گہری سانس اس کے لبوں سے آزاد ہوگئی۔رات کے کھانے کے دوران اس نے امی کے سامنے اپنے ذہن میں آنے والی اس نئی سوچ کو رکھا اور ارادہ ظاہر کیا تو امی کتنی دیر چپ چاپ بس نوالے سے کھیلتی رہیں۔پھر اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

''ایک اجنبی شخص'چند لمحوں کا آشنا'کیونکر ہمارے لئے مخلص ہو سکتا ہے۔تاہم تم بہتر سوچ سکتی ہو میں تو یوں بھی آج کل حد سے زیادہ وہمی ہوگئی ہوں'ذرا سی آہٹ اور کپڑوں کی سرسراہٹ سے بھی خوف کھانے لگی ہوں۔''

کاش میرا اس دنیا میں وجود ہی نہ ہوتا تو امی یوں پریشان تو نہ ہوتیں'انہوں نے کون سے سکھ دیکھے تے کہ اب میں پیدا ہو کر ان کیلئے مزید پریشانیاں ہی بڑھا رہی ہوں۔

وہ محض امی کا دل رکھنے کے لئے کھانے لگی پھر پانی کا گلاس اٹھا کر اٹھ گئی اور کولر سے ٹھنڈا پانی بھرتے ہوئے اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کا تہیہ کر بیٹھی۔

دوسرے روز اس نے آفس میں لنچ ٹائم کے دوران وہی وزیٹنگ کارڈ نکالا اور نمبر پش کرنے لی۔مگر ناکامی کی صورت میں موبائل ملانے لگی اور وہیں رابطہ ہوگیا۔بھاری دلکش مردانہ آواز ریسیور میں گونجی تو اسے ایک پل اپنی سبک ہتھیلیوں سے پسینہ چھوٹتا محسوس ہونے لگا۔

''ہیلو۔''

''ہیلو'ولید اسپیکنگ۔''اس کی خاموشی پر وہ پکار رہا تھا اور اسے لگ رہا تھا جیسے اس کے دل پر ایسا سناٹا پھیلتا جا رہا ہو جیسے میدان جنگ کے بعد ہارے ہوئے لشکر پر ہوتا ہوگا۔ایک اجنبی شخص سے کسی طرح مدد لینے کا پہلا تجربہ تھا جو بڑا اذیت ناک تھا۔

ہلکی سی سانس اس کے لبوں سے خارج ہوگئی'وہ دھیرے سے بولی۔

''آپ ولید صاحب بول رہے ہیں۔''

''جی....آپ؟''دوسری طرف استفسار کیا گیا۔وہ سنبھل گی۔

''مجھے شیزا کہتے ہیں۔میں وہی لڑکی ہوں جسے آپ نے پرسوں رات جیم خانہ کلب سے لفٹ دی تھی اور .....''

''اوہ.....شیزا.....آپ.....ویری سرپرائز۔''اس کی آواز میں خوشگواری اور حیرت کی ملی جلی آمیزش تھی پھر پرجوش انداز میں بولا۔

''کیسی ہیں آپ؟میں تو سمجھ رہا تھا آپ نے بھلا دیا ہوگا مجھے۔''

''نہیں'میں آپ کا وہ احسان کیسے بھول سکتی ہوں۔''

''میری طرف سے تو اجازت تھی کہ یہ احسان فوراً بھلا دیجئے گا۔''وہ شرارت سے ہنسا۔''ہاں مگر احسان کے ساتھ مجھے بھی یاد رکھا۔الٹا میں احسان مند ہوا۔اینی وے۔کہیے کیسے مزاج ہیں اور میری یاد کیسے آ گئی آپ کو؟''

''میں اصل میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔''یہ کہتے ہوئے اس کی زبان ذرا سی لڑکھڑا گئی پھر سنبھل کر بولی۔''کیا آپ مجھے تھوڑا سا وقت دیں گے میں آپ کی.....''

''احسان مند رہوں گی۔''وہ ہلکی ہنسی کے ساتھ اس کا جملہ کاٹ کر بولا تو وہ جھینپ کر

صرف ماؤتھ پیس کو دیکھ کر رہ گئی۔

''مس تیز! اوّل تو یہ کہ مجھے ایسی پر تکلف گفتگو ہضم نہیں ہوتی۔ میں سیدھا سادہ آزاد آدمی ہوں۔ گفتگو میں اخلاقیات کو ضرور اہمیت دیتا ہوں مگر غیر ضروری تکلف کو قطعی ناپسند کرتا ہوں۔ آپ مجھے اپنا دوست سمجھئے اور آپ کہیئے تو میں اپنا سارا وقت ہی آپ کو دے سکتا ہوں کہیے' کب اور کتنا چاہئے؟''

وہ خفیف سی ہو کر دیر تک تو کچھ بول ہی نہ پائی۔ دراصل وہ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار ہی نہیں تھی کہ وہ کس طرح کی گفتگو کرے گا۔ اسے کیا کہے گا اور خود اسے کیا کہنا ہے اس سے۔ پھر اس کی طرف سے بھی مکمل خاموشی پا کر بولی۔

''آپ اگر فارغ ہو کر مجھے آفس کے باہر سے پک کر لیں تو ......'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بولنے لگی جیسے کوئی بچہ کسی استاد کے سامنے اٹک اٹک کر سبق پڑھ رہا ہو۔

''میں پارکنگ ایریا آپ کی منتظر رہوں گی۔''

''بس اتنی سی بات۔ میں تو سمجھ رہا تھا آپ کہیں گی ابھی اور اسی وقت سر کے بل دوڑتے ہوئے آیئے۔'' وہ ہلکے سے ہنسا۔ اینی وے ایڈریس بتایئے اپنے آفس کا۔''

وہ اسے ایڈریس اور وقت بتانے لگی۔ پھر رابطہ منقطع ہوا تو وہ کتنی دیر تک ریسیور پکڑے اپنے اس فیصلے کے بارے میں سوچتی رہی کہ اس نے کچھ غلط تو نہیں کر دیا۔

''ہیلو ہیلو میرا خیال ہے واپس آ جایئے۔'' دریہ نے اس کے آگے میز پر انگلیاں بجائیں تو وہ یوں چونکی جیسے یک دم گہری نیند سے بیدار ہو گئی ہو۔ سامنے دریہ کھڑی تھی اور شکر تھا کہ وہ اس کے چہرے کے تاثرات جانچنے کی بجائے اس کے لنچ بکس کا معائنہ کر رہی تھی۔

''ابھی تک لنچ شروع نہیں کیا تم نے۔ یہ آنٹی کو قیمہ کچھ زیادہ ہی پسند ہے یا تمہیں کل بھی غالباً تم قیمہ ہی لے کر آئی تھیں۔''

وہ ریسیور کریڈل پر رکھ کر بے مقصد مسکرانے لگی۔ شاید چہرے کے تاثرات کو نارمل کرنے کی کوشش تھی پھر فون دور ہٹا کر بیگ اٹھا کر اس سے چھوٹا تولیہ نکالتے ہوئے بولی۔

''یہ کل کا ہی قیمہ ہے امی کو منع کر دیا تھا کہ کچھ مت پکایئے گا۔ فریج سے یہی نکال کر گرم کر لائی کھاؤ گی اگر باسی کھانے میں عار نہ ہو تو۔''

''اگر کل والا ہی ہے تو ضرور کھاؤں گی۔ بڑے ہی مزے کا تھا۔ اچھا ٹھہرو' میں اپنا ٹفن بھی لے آؤں۔'' وہ تیزی سے اپنے ٹیبل کی طرف بڑھ گئی اور جبکہ ٹفن کھول کر نچلے حصے سے

روٹیاں نکالنے لگی۔ اس کا ذہن پھر ولید خان کی طرف چلا گیا اور نگاہیں بے ارادہ سامنے بڑی سی پرانی طرز کی وال کلاک کی موٹی موٹی سیاہ سوئیوں پر جم گئیں۔

پورے تین گھنٹوں بعد ولید خان اپنی گاڑی میں اسی سڑک پر اس کا منتظر ہو گا۔

پتا نہیں وہ ایک اجنبی شخص پر بھروسا کر کے اچھا کر رہی تھی یا نہیں۔ امی بھی تو مطمئن نہیں تھیں انہوں نے اسے کہا تو کچھ نہیں نہ ہی اس کے فیصلے کو غلط کہا۔ اسے روکا بھی نہیں' مگر ان کے چہرے پر اضطراب نے ان کی بے آرامی کا پتا دے دیا تھا۔

وہ سخت مضطرب ہو گئی۔ کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا فون کے بعد دل و دماغ پر ایک نادیدہ بوجھ سا آ پڑا تھا۔

ہم تو سمجھے تھے ایک زخم ہے بھر جائے گا
کیا خبر تھی رگ جاں میں اتر جائے گا

اس کے لاشعور میں دو متضاد سوچیں آپس میں ٹکرا رہی تھیں۔ ایک یہ کہ اس اجنبی شخص پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر لے۔ دوسرے ابھی محتاط رہے اور یوں آنکھیں بند کر کے اعتماد نہ کرے۔ ضروری تو نہیں وہ ایسا ہی ہو جیسا نظر آ رہا ہو۔ یوں بھی بہت سے وہم آدمی کی اپنی سوچ کا فتور بھی تو ہوتے ہیں۔ کیا خبر وہ اچھا ہو مخلص ہو اور وہ یونہی خوف کے ہاتھوں ایک مخلص کو کھو دے۔ اور ہو سکتا ہے وہ برا ہو اور وہ اعتماد کر کے اپنے لئے کوئی نئی مصیبت کھڑی کر لے۔

''یا اللہ! تو ہی مدد کر۔'' سوچوں کے اس تانے بانے بنتے بنتے وہ نڈھال ہو گئی۔

پورا آفس بھائیں بھائیں کرنے لگا تھا۔ چپراسی اس کے پاس دو مرتبہ آیا تھا کہ وہ بھی اب آفس سے جائے تو وہ آفس بند کرے۔ مجبوراً اسے اپنا بیگ اٹھا کر آفس سے نکلنا پڑا۔

چہرے پر اچھی طرح چادر لپیٹ کر وہ یوں سیڑھیاں اترنے لگی جیسے زبردستی پیر گھسیٹنے پڑ رہے ہوں۔ آخری سیڑھی پر قدم رکھ کر پارکنگ لاٹ پر اس نے نگاہیں دوڑائیں' اکا دکا گاڑیاں تھیں۔ پھر وہ سڑک پر آئی تو جیسے اس کا دل سینے میں زور سے پھیلا سکڑا اور خون تیزی سے رگوں میں دوڑنے لگا۔ اور یہ دوڑتا ہوا خون اس کے رخساروں پر بھی سمٹ آیا۔ وہ دھیرے دھیرے قدموں سے اس کی گاڑی کے پاس آئی' وہ گاڑی کی فرنٹ ہیڈ سے ٹیک لگائے پیشانی پر گلاسز چڑھائے دونوں ہاتھ بغلوں میں دیئے ہوئے بھاگتی' دوڑتی گاڑیوں کا کھیل دیکھ رہا تھا۔ ہلکی سی آہٹ پر مڑا پھر گلاسز پیشانی سے اتار کر مسکرایا۔

''سوری آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی دراصل وہ..... میں۔''

"نہیں، کوئی اتنی زیادہ بھی نہیں، یہی کوئی پندرہ بیس منٹ ہی انتظار کرنا پڑا۔" اس نے ہلکی ٹھنڈی سانس بھری۔ وہ شرمندہ سی ہوگئی تاہم اس کے بولنے سے پہلے وہ جلدی سے بول اٹھا۔

"نو، سوری وری۔ اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں۔"

"جی۔" اس کی پلکیں لرز کر اٹھی رہ گئیں۔ شاید وہ اس طرح کے کاموں پر ٹھٹکی تھی۔ مگر وہ اسکی طرف دیکھے بغیر "آیئے بیٹھئے" کہہ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر اس اس کے لئے فرنٹ ڈور کھولنے لگا مگر وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ وہ صرف کندھے اچکا کر رہ گیا البتہ اس کی خوبصورت لبوں کی تراش میں مدھم سی مسکراہٹ جھلکی تھی جو شاید شیزا نہ دیکھ پائی تھی۔

گاڑی دھیمی رفتار میں چلتے ہوئے ایک موڑ کاٹ کر لمبی شفاف سڑک پر دوڑنے لگی۔ اچانک وہ ذرا سا رخ موڑ کر بولا۔

"خدانخواستہ میں آپ کو اغوا کر کے تو نہیں لیے جا رہا جو تو آپ یوں سکڑ سمٹ کر بیٹھی ہیں۔ انتہائی گم صم۔"

وہ خفیف سی ہوگئی اور جلدی سے ذرا سا پیچھے ہو کر سیٹ سے لگ کر بیٹھ گئی۔ اس کی اس فرمانبرداری پر اس نے بڑی سرعت سے امڈتے قہقہے کو روکا تھا۔ سیاہ چادر کے نقاب میں اس کی خوش نما پیشانی اور ہراساں سی آنکھیں ہی دکھائی دے رہی تھیں۔

"کہاں جایا جائے؟ ستاروں کے پرے یا دھنک کے اس پار؟" وہ شرارت آمیز انداز میں بولا تو وہ پہلی بار مسکرائی۔

"میرا خیال ہے کسی بھی پارک میں۔"

"نہیں۔" وہ تیزی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "پارک کچھ نامناسب سا معلوم ہوگا۔ آئی تھنک کسی بار، میرا مطلب ہے کسی ریسٹورنٹ، یا آئسکریم بار میں چلتے ہیں وہاں تسلی سے بات چیت ہو سکے گی۔"

"آئسکریم بار ٹھیک رہے گا۔" وہ جلدی سے بولی تو وہ ایک دو لمحے چپ رہ گیا پھر کندھے اچکا کر بولا۔

"ایز یو لائک۔ ورنہ میرا خیال تھا کسی ریسٹورنٹ میں جایا جائے، یوں بھی میں والٹ پورا بھر کر لایا تھا کہ دوستی کی پہلی ٹریٹ میری طرف سے ہوگی زبردست قسم کی۔ چلیں آپ میری بچت کرنے پر آمادہ ہیں تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" وہ شاید بہت باتونی تھا مگر شیزا اس کی باتوں کے

مختصراً جواب دیتی رہی یا پھر مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلا دیتی۔

وہ تو ابھی تک یہی سوچے جا رہی تھی کہ وہ جو کر رہی ہے وہ ٹھیک ہے یا غلط۔

آئسکریم کھاتے ہوئے اس نے اچانک فیصلہ کر لیا کہ وہ اس پر اتنی جلدی اعتماد نہیں کرے گی۔

"ہاں تو مس شیزا، کیا مسئلہ ہے؟" وہ ٹشو کا کنارا اپنے گداز ہونٹوں پر پھیرتے ہوئے بولا تو اس نے اپنے خلفشار سے نکل کر اسے دیکھا پھر چہرہ جھکا لیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات میں بے اعتباری کے رنگ آ کر ٹھہر گئے تھے جو ولید کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکے۔

وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اضطراری انداز میں ایک دوسرے میں پھنسا رہی تھی۔

"میرا خیال ہے، مجھ سے رابطہ کر کے آپ پچھتا رہی ہیں۔"

وہ بری طرح شرمندہ ہوگئی۔

"نن..... نہیں..... یہ بات نہیں ہے دراصل۔" وہ بولتے بولتے رک گئی۔ اس کی نگاہوں سے نگاہیں ملیں تو اس کی آواز ٹھہر گئی۔ مگر وہ برا منائے بغیر کندھے اچکا کر بولا۔

"محتاط ہونا اچھی بات ہے، یوں بھی میں آپ کیلئے قطعی اجنبی ہوں اور اجنبی اس وقت تک اجنبی ہی رہتا ہے جب تک اسے اجنبی سمجھا جائے۔" اس کا لہجہ سادہ تھا مگر خفت سے اس کے رخسار گلابی ہوگئے، وہ جلدی سے بولی۔

"میں آپ کو اجنبی سمجھتی تو فون کر کے بلاتی کیوں کم از کم اجنبی کے ساتھ کوئی بار میں بیٹھ کر آئسکریم نہیں کھاتا۔"

"اوہ۔ ذرہ نوازی ہے آپ کی، چلیں میں تہ دل مشکور ہوا اس عنایت کا۔" وہ اس پر نگاہ ڈال کر پھر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"پلیز ولید صاحب۔" وہ خجل ہونے لگی پھر اضطراب میں بلا سوچے سمجھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھنا چاہا مگر انگلیاں کانپ کر خود میں سمٹ گئیں، اور اس سے پہلے وہ اپنا ہاتھ سمیٹ لیتی، اس کا مضبوط اور گرم ہاتھ اس پر آ کر جم گیا۔ یکلخت اسے لگا جیسے کوئی دہکتا ہوا انگارہ اس کی پشت سے ٹکرا گیا ہو۔ اسے اپنا دل سینے کی دیوار میں دھنستا ہوا محسوس ہوا۔ چہرے کی رنگت تپ گئی، اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"مس شیزا، میں یہ نہیں کہتا کہ میں آپ کے معاملے میں بہت پرخلوص ہوں، کیونکہ یہ جھوٹ بھی ہو سکتا ہے اور کوئی بڑا دعویٰ بھی۔ ہاں میرے خلوص کو آپ آزما ضرور سکتی ہیں۔ کم از کم

اتنا یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ممکن حد تک آپ کی پریشانی شیئر کرنے کی کوشش کروں گا"۔

وہ جو سخت ناگوار نظریں اس پر ڈالنا چاہی تھی بے ساختہ نظریں جھکا گئی۔ پھر یک دم کرسی دھکیل کر کھڑی ہو گئی۔

"او کے' یوں بھی اعتبار جبراً یا اسلحے کے زور پر قائم نہیں ہوتا' یہ تو مقابل کے دل کی زمین سے خود پھوٹتا ہے' کسی کونپل کی صورت اور سیرابی حاصل ہو تو تناور درخت بنتا ہے۔" وہ بھی کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا اور اس کی جھکی پلکوں پر نگاہیں جماتے ہوئے بولا۔

"میں اس وقت کا منتظر رہوں گا جب آپ کے دل کی زمین سے یہ کونپل پھوٹے گی۔"

وہ سخت بے بسی اور بے چارگی آمیز کرب میں مبتلا ہو گئی اور خاموشی سے گاڑی تک آئی تھی۔

واپسی کا راستہ بے حد خاموشی سے کٹا۔ گھر آئی تو دل چاہا منہ لپیٹ کر ایک جگہ پڑی رہے اور اس نے ایسا ہی کیا۔ چادر میں منہ گھسیڑتے ہوئے یکلخت آنکھوں میں آنسوؤں کا ریلا بہہ نکلا۔ بہت سارو نے کے بعد بھی کتنی ہی دیر تک آنکھیں اور دائیں ہاتھ کی پشت سلگتی رہی۔

☆☆☆☆

"پھر ملیں تم اس لڑکے سے؟" صبح چائے کا مگ دیتے ہوئے امی نے اس سے پوچھا تو اس نے سرنفی میں ہلا دیا اور بولی۔

"کیا ملنا چاہئے تھا۔ آپ ہی نے تو کہا تھا مجھے احتیاط کرنی چاہئے۔" وہ مگ سے اٹھنے والی بھاپ کو دیکھنے لگی۔

"ہاں' میرا خیال ہے ملنا چاہئے۔ بہر حال ہمیں کسی پر تو اب اعتبار کرنا ہی پڑے گا۔ ہو سکتا ہے یہ بھی کوئی غیبی امداد ہو۔ یوں بھی زیادہ وہم اور شک وشبہ میں مبتلا رہنا نقصان دہ بھی ہوتا ہے۔"

اس نے چونک کر سر اٹھا کر عجیب نظروں سے امی کو دیکھا۔

"شیزا! کل سارا دن فون کی گھنٹی وقفے وقفے سے بجتی رہی جوں ہی میں فون اٹھاتی' ہیلو کرتی تو کوئی لائن ڈس کنکٹ کر دیتا۔"

"ام.....ی" اس کے ہاتھ سے مگ پھسلتے پھسلتے رہ گیا۔ اس نے دہل کر ماں کی طرف دیکھا تو امی نے ایک اذیت کے ساتھ اسے خود سے لپٹا لیا۔

"ہاں شیزا! اب ہمیں دیر نہیں کرنی چاہئے' تم اس پر بھروسا کر کے تو دیکھو' وہ ضرور ہماری مدد کرے گا۔"

وہ آنکھیں موندے خوف سے تھر تھر کانپتی رہی۔

دو دن آفس کی چھٹی کے بعد تیسرے روز وہ آفس آئی تو دریہ آنکھوں میں شرارت کا رنگ بھر کر اس کی میز تک آ کر بولی۔

"دو دن سے کوئی محترم ولید صاحب فون کئے جا رہے ہیں۔ میں نے کہا بھی شیزا آفس نہیں آئی مگر لگتا تھا موصوف کو یقین نہیں آیا۔"

وہ کاغذ پر قلم چلاتے چلاتے ٹھٹک گئی۔

"یہ ہیں کون موصوف؟" دریہ نے کرسی کھینچی اور اس پر ٹک گئی۔ گویا اس کے ٹلنے کا ارادہ نہیں تھا۔ وہ بے پروائی سے دوبارہ کاغذ پر قلم چلانے لگی۔

"کزن ہے میرا۔ اور کون ہو گا جو یوں تم جاسوسہ بن رہی ہو"

"آ..... چھا۔ میں سمجھی بجن ہو گا۔" دریہ کی بکواس پر اس کی سبک انگلیوں سے بال پین پھسل گیا اس نے جلدی سے گرفت مضبوط کر لی۔ مگر دل پر گرفت مضبوط نہ ہو پائی۔ وہ معمول سے ہٹ کر دھڑکنے لگا۔

"یوں بھی اتنی پیاری کزن کے کزن کو بجن بنتے ہوئے دیر نہیں لگتی۔"

"دریہ۔" اس نے پین کاغذ پر پٹخ کر سچ مچ تپ کر اسے دیکھا۔ مگر وہاں مطلق اثر نہ ہوا تھا۔ وہ ہنس رہی تھی۔

"میں لڑکا ہوتی تو ایمان سے تجھے رام کر کے چھوڑتی۔"

"اگر نابینا لڑکا ہوتیں پھر۔" اس نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔ دریہ نے اس کی بات پر محظوظ ہو کر بڑے زور کا قہقہہ لگایا تھا۔

"تجھ سے کون جیت سکتا ہے' بڑی کمینی ہے۔ کبھی خوش بھی ہو لیا کر کہ کوئی تیری چاہ میں اتنا مر سکتا ہے۔ اچھا خیر یہ بتا یہ ولید واقعی تیرا کزن ہے؟"

"نہیں..... سچ مچ میرا کزن ہے دریہ' خدا کے لئے مجھے کام کرنے دے۔ یہ اپنے ظفر صاحب ہیں نا وہ کم از کم مجھ پر لٹو نہیں ہیں۔ انہیں یہ سارا کام آج ہی چاہئے۔" اس نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے دریہ ہنستے ہوئے کرسی دھکیل کر اٹھ گئی۔ جبکہ وہ کچھ دیر تو اسے دیکھتی رہی پھر دونوں ہاتھ کی کہنیاں میز پر ٹکا کر ہتھیلیوں سے سر تھام کر رہ گئی۔

دریہ کے جملے دل کے اندر کہیں زخم کی طرح بن گئے تھے۔ان باتوں کی اس کی زندگی میں گنجائش ہی کہاں تھی' کہ وہ اپنے حسن کو دیکھتی' اور کسی سراہنے والے کو ڈھونڈتی۔وہ تو خوف کی آہٹوں میں دن گزار رہی تھی۔اس کی بس یہی تمنا تھی کہ دن عافیت سے گزر جائے' رات امن کے ساتھ بسر ہو جائے۔مگر اب دل پر کانٹا سا چبھا تھا اور اس کی چبھن دیر تک محسوس ہوتی رہی۔

بے ساختہ اس کی نگاہیں اپنے ہاتھ کی پشت پر گئیں۔اور جیسے تپش دل پر شدت سے محسوس ہونے لگی۔ دو خوش نما مسکراتی آنکھوں کے جگنو ہیرے کی طرح چمکنے لگے۔اتنے گھپ اندھیرے میں ننھی سی کرن کا احساس ہونے لگا۔اس نے تھک کر کرسی پر سر ٹکا لیا۔

ریت ہی ریت ہے اس دل میں مسافر میرے۔
اور صحرا تیرا نقش کف پا چاہتا ہے

آفس سے باہر نکلی تو ولید کو دیکھ کر اس کے دل میں بے نام سا سکون اتر گیا۔جتنے خوف سے اس نے آفس سے قدم باہر نکالا تھا وہ خوف یک دم زائل ہوتا محسوس ہوا۔یہ شخص کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ لگنے لگا۔

خود بخود اس کے قدم اس کی جانب بڑھے۔

''شکر ہے میں تو سمجھ رہا تھا مجھے دیکھ کر آپ کترا کر گزر جائیں گی۔'' وہ مذاق کر رہا تھا اس کا انداز بہت پیارا تھا۔وہ مسکرا دی۔

''خیال تو یہی آیا کہ کترا کر گزر جاؤں مگر۔''

''مگر۔'' اس نے اس کے ٹھٹھکنے پر براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا تو نجانے کیوں اس کی پلکیں رخساروں پر جھک گئیں۔

''میں تو سمجھ رہی تھی آپ مجھ سے خفا ہو کر اب تو شاید بلانے پر بھی نہیں آئیں گے۔''

وہ بات بدل گئی۔وہ پیشانی پر ٹکے گلاسز اتار کر اس کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔

''میں کب خفا ہوا ہوں۔میں نے تو کہا تھا اس وقت کا منتظر رہوں گا جب آپ مجھ پر مکمل اعتماد کریں گی۔پلیز آؤ۔''

وہ خاموشی سے سیٹ پر بیٹھ گئی اور دوپٹے کو اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ کر بیگ گود میں رکھ لیا۔اب تو اعتبار کئے بغیر چارا ہی نہیں ہے۔گرتا ہوا شخص بہرحال اپنے قریب کی دیوار کا سہارا لینے پر مجبور ہوتا ہے اور سہارا لینے کے بعد اب اس کی قسمت کہ وہ دیوار واقعی مضبوط سہارا بنتی ہے یا اپنی خستگی کے باعث اس پر آ گرتی ہے۔

''میں نے سوچا آپ تو مجھ سے کچھ شیئر نہیں کر رہی ہیں کم از کم میں ہی آپ پر مکمل کھل جاؤں۔آخر ہم اچھے دوست تو ہیں نا۔چلو اچھے نہ سہی' دوست تو ہیں نا۔''

وہ مسکرا کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔وہ ہلکے سے مسکرا دی۔

''نہیں آپ واقعی اچھے ہیں۔'' اس نے بے حد سادگی سے کہہ ڈالا۔

''رئیلی۔او مائی گاڈ میں اچھا ہوں' اتنی بڑی خوشی آپ نے مجھے گاڑی چلاتے ہوئے دے کر اپنے حق میں اچھا نہیں کیا' ہاتھ سے اسٹیئرنگ ابھی پھسل جاتا اور ہم دونوں دوسرے جہاں کوچ کر جاتے۔'' وہ کچھ اس طرح بولا کہ وہ ہنس پڑی پھر ہلکے سے سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔

''خدا آپ کی عمر دراز کرے' ہاں میں تنہا ہی کوچ کر جاتی تو بڑا ہی اچھا ہوتا۔'' اس کا لہجہ دھیما تھا ولید نے ایک موڑ کاٹتے ہوئے اسے دیکھا۔گاڑی میں لحظہ بھر خاموشی چھائی رہی' یہ خاموشی بڑی بوجھل تھی جس سے گھبرا کر ولید خان نے پہل کی۔

''میرے نام سے تو آپ واقف ہی ہیں۔ایک سال ہوا ہے مجھے لندن سے آئے ہوئے۔M.B.A کی ڈگری لے کر آیا ہوں۔بنیادی طور پر میرا تعلق کوئٹہ سے ہے۔'' وہ ایک لمحے رکا اور اس کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں کچھ بے چینی کی لہریں امڈی تھی۔

''کوئٹہ بہت بہت پیارا شہر ہے نا۔'' وہ بے ساختہ ہی بولی تھی۔تو اس نے سر کو بڑی گرم جوشی سے تائیدی انداز میں ہلایا۔

''بہت پیارا۔آپ گئی ہیں کبھی کوئٹہ؟''

اس نے بے ساختہ اثبات میں سر ہلا دیا۔دوسرے پل ٹپٹا کر نفی میں ہلاتے ہوئے بولی۔

''نن.... نہیں۔ایک آدھ بار ہی' ایک دن کے لئے ہی شاید۔البتہ سنا ہے اس کے بارے میں۔''

''جھوٹ بول رہی ہیں آپ۔'' اس نے یک دم ایک موڑ کاٹتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ایسے اعتماد سے اس کی بات کو رد کیا کہ وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔پھر لب بھینچ کر سر جھکا کر اضطرابی انداز میں انگلیاں مسلنے لگی۔

''مجھے کیا ضرورت پڑی جھوٹ بولنے کی۔'' جواباً وہ زور سے ہنسا۔اس کی ہنسی مذاق اڑانے والی ہرگز نہیں تھی مگر پتا نہیں کیوں وہ خجل ہو گئی۔

"میرا خیال ہے آپ گھر کی طرف گاڑی موڑ لیں۔"

"آپ کا تعلق کوئٹہ سے ہی معلوم ہوتا ہے۔ اینی وے' میں نے کہا نا آپ اعتبار نہیں کرتیں تو نہ کریں' میں زبردستی نہیں کروں گا ہاں اپنے بارے میں مزید بتاؤں گا ضرور اور گاڑی کہاں موڑوں وضاحت کردو؟ اپنے گھر کی طرف یا آپ کے گھر کی طرف۔"

"ظاہر ہے میرے گھر کی طرف ہی چلیں گے۔ میں آپکے گھر تو آنے سے رہی۔" وہ کچھ برا مان کر بولی۔

"اگر میں لے جاؤں ہمیشہ کے لئے۔" دوسرا جملہ اس نے اس کی طرف ذرا سا جھکتے ہوئے ادا کیا تھا۔ وہ سامنے ونڈ سکرین کو گھورتی رہ گئی۔ دل تھا کوئی سیمنٹ کا بنا تو نہیں تھا ایسے جملے اس کی باریک باریک رگوں میں مچلتے خون میں طوفان لے آئے۔ اسے اپنے دل کی دھڑکن کانوں تک میں سنائی دینے لگی۔

وہ ہونٹوں کی تراش میں مسکراہٹ دبائے اس کے چہرے کی تابانیوں کو دیکھنے لگا پھر گاڑی اس کے گھر کے مانوس راستوں پر بھگانے لگا۔ ساتھ ساتھ اپنے متعلق بھی مزید بتانے لگا۔

دو بھائی اور تھے جو اس سے بڑے ہیں اور کوئٹہ میں ہی تھے۔ امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار تھا ان کا' ماں باپ عرصہ ہوا روڈ ایکسیڈنٹ میں وفات پا چکے تھے۔ خاندان کے دوسرے بزرگ چچا تایا وغیرہ ہیں اور وہ خود یہاں کراچی میں کاروباری مصروفیت میں تھا۔ اس کا اپنا فلیٹ تھا جہاں رہائش پذیر تھا۔ اس کے ایک ماموں کراچی میں ہی تھے۔

اس کے گھر کے سامنے گاڑی روک کر وہ بھی اس کے ہمراہ نیچے اتر گیا۔ اس نے سٹپٹا کر اس کی طرف دیکھا۔

"آپ بہت بری میزبان ہیں۔ اچھے مزاج کی بہترین علامت یہ ہے کہ آدمی برے مزاج کو برداشت کرلے' اچھے مہمان کی علامت یہ ہے کہ برے میزبان کو برداشت کرے۔"

وہ خفت سے سرخ پڑ گئی۔

"نہیں پلیز' ضرور آئیں اندر۔" نا چاہتے ہوئے بھی وہ کھسیا کر کہنے لگی۔ جواباً اس نے ایک آہ کھینچی اور ڈور بیل پر ہاتھ رکھ دیا۔

"آپ کی امی یقیناً بہت اچھی میزبان ہوں گی۔"

وہ بے حد اعتماد سے بولا۔ وہ بس سر جھکائے ایک طرف کھڑی ہو کر دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگی۔ مگر اس کا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

پتا نہیں اسے دیکھ کر امی کا ردعمل کیا ہوگا۔ وہ کس طرح کا سلوک کریں گی۔

دروازہ کھلا تو امی کا متفکر چہرہ نظر آیا جو دوسرے پل اطمینان میں بدل گیا۔ ولید کو دیکھ کر وہ بالکل بھی چونکی نہ تھیں۔ نہ حیرت کا اظہار کیا تھا۔ اس کے سلام پر بڑی محبت سے جواب دے کر اس کے اندر آنے کو راستہ دیا۔ وہ امی کے رویے پر حیران رہ گئی مگر حیرت کا جھٹکا تو بڑے زور کا اس وقت لگا جب وہ نہایت اطمینان سے چلتا ہوا راہداری عبور کر کے لاؤنج میں جا کر بیٹھ گیا۔ اسے راستوں کا علم کیسے ہوا۔ امی تو خود اس کے پیچھے چل رہی تھیں۔ اس نے متعجب نظروں سے امی کی طرف دیکھا پھر آہستگی سے بولی۔

"یہ ولید ہیں جن کے بارے میں' میں نے آپ کو بتایا تھا۔"

"ہاں جانتی ہوں۔"

"کیا۔ آ..... آپ جانتی ہیں انہیں؟"

"بھئی میرا مطلب ہے وہ ایک بار تمہاری غیر موجودگی میں آچکا ہے مجھ سے مل چکا ہے" امی مسکرائیں اور لاؤنج کا پردہ اٹھا کر اندر چلی گئیں۔ دم سادھے ہلتے پردے کو دیکھتی رہ گئی۔

وہ بے وقوف بنائی گئی تھی یا خود بن گئی تھی یا پھر وہ سدا کی بے وقوف ہی تھی۔ پتا نہیں کیوں اس پل اسے بڑا غصہ آیا تھا۔ وہ لاؤنج میں جانے کی بجائے کمرے میں چلی آئی۔ کم از کم امی کو بتا تو دینا چاہئے تھا مجھے اور وہ اس کی غیر موجودگی میں کیوں آیا تھا۔ خود سے آنے پر اصرار نہیں کیا تھا مگر وہ فرمائش کرتا تو وہ انکار بھی نہ کرتی۔ پتا نہیں امی نے اس سے کیا کیا باتیں کی ہوں گی تبھی وہ اتنے استحقاق سے اسے لینے پہنچ گیا اور یہاں تک آگیا۔

اس نے کھڑکی کا پردہ کھول کر صحن میں جھانکا۔ دھوپ ڈھل چکی تھی اور صحن خوشگوار ہواؤں کی زد میں تھا۔ کیاری میں لگے ہار سنگھار کے درخت میں بہت سے نئے پتے آچکے تھے پھول بھی کثرت سے لگے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ کھڑے کھڑے تھک گئی۔ پھر سوچ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ یہ خیال ذہن میں چلا آیا کہ وہ جانے کیا سوچے گا کہ گھر بلا کر اسے یکسر بھول گئی۔ کم از کم چائے پانی کا ہی پوچھ لے۔

وہ بری میزبان ہونے کا پورا پورا ثبوت ہی دے رہی تھی۔ کچھ خفیف سی ہو کر لاؤنج میں داخل ہوئی تو امی صوفوں کے کشن درست کر رہی تھیں۔ ولید کمرے میں موجود نہیں تھا۔ وہ جا چکا تھا۔

"ارے چلا گیا۔ میں تو کافی بنانے رکھ آئی ہوں۔" وہ بولی تو امی پلٹیں۔

"بہت جلدی خیال آگیا تمہیں میزبانی کا۔"

انہوں نے دوبارہ رخ موڑ لیا اور گھڑی کی طرف دیکھا۔ وہ خجل ہوگئی۔

"آپ مجھے آواز دے لیتیں۔ کافی بنانے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔"

"ادھر آ کر بیٹھو۔" امی نے صوفے پر بیٹھ کر اپنے پاس اسے بیٹھنے کا اشارہ دیا۔

"چائے' کافی سب دے دی تھی۔ میں نے اور تمہیں میں نے دانستہ نہیں بلایا۔ وہ تم سے نہیں مجھ سے ملنے آیا تھا۔ میری بات ذرا ٹھنڈے دل سے سنو۔" امی یہ کہتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے کی بجائے فرش کو گھورنے لگیں۔ اس نے بیٹھے بیٹھے رخ امی کی طرف موڑ لیا۔ اس کے سفید چہرے کے نازک حصوں میں ہلکی ہلکی سرخی تھی۔ وہ کچھ کہنے کے لئے شاید لفظ جمع کر رہی تھیں یا ہمت۔

"وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔" ان کی آواز گو کہ دھیمی تھی مگر بڑی کھنک دار تھی۔ جیسے مسرت کے ساز بج رہے ہوں۔ بہت آس سے امی نے اس کی طرف دیکھا۔

وہ جوں کی توں بیٹھی رہ گئی۔ بہت بڑا دھماکہ ہوا تھا مگر صرف اس کے دل پر۔

"شیزا! وہ اپنے ماموں کو لے کر....."

"مگر یہ کیسے ممکن ہے؟" اس کی آواز میں ایسی لرزش تھی جیسے روشنی سائے سے ڈر کر لرزتی دکھائی دے۔ اس نے پلکیں اوپر اٹھائیں پھر جھکا دیں۔ اسکی موٹی موٹی سیاہ مدہوش کر دینے والی آنکھوں کی سطح پر نمی چمکنے لگی۔

"آپ جانتی ہیں میں نے ایسے خواب دیکھنے ہی چھوڑ دئے ہیں۔" وہ افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی تو امی نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"کیوں؟"

اس نے مغموم پلکیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"ماضی کے خوف نے حال اور مستقبل کی ساری خوش فہمیوں کو نچوڑ لیا ہے امی۔ میں جس خوف و ہراس کی فضا میں سانس لے رہی ہوں آپ بھی جانتی ہیں اور میں بھی کہ خوف کی فضا میں کوئی پودا نہیں اگتا۔ کوئی کونپل نہیں پھوٹ سکتی۔ اتنی سخت دھوپ میں پھوٹنے والا بیج بھی سوکھ جاتا ہے۔"

"پاگل۔" امی نے اسے خود سے لپٹا لیا۔ اس کی آنکھوں سے وہ لاوا بہنے لگا جو اس کے دل کے آتش فشاں میں پک رہا تھا۔

"نہیں..... شیزا! دھوپ آخر کار ڈھل کر رہتی ہے۔ خوف محض احساس ہوتا ہے جو

مضبوط پناہ ملنے کے بعد زائل ہو جاتا ہے ولید تمہارے لئے مضبوط پناہ گاہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اور سنو..." امی نے اس کو چہرہ اٹھا کر بوسہ دیا۔ "میں نے اسے سب کچھ بتا دیا ہے۔" وہ اس کا چہرہ پونچھنے لگیں اور وہ امی کا چہرہ تکتی رہ گئی۔

"تم تو بے قصور ہو۔ جو قصوروار ہے وہ زندگی کے مزے لوٹ رہی ہے پھر خوشیوں کے در تم پر کیوں بند ہوں۔ دیکھنا..... دیکھنا شیزا! وہ درندے سارے پیچھے ہٹ جائیں گے۔ وہ تو محض تمہیں تنہا دیکھ کر ڈرا رہے ہیں۔"

"امی! آپ..... آپ نے تو کہا تھا کہ کسی راہ چلتے اجنبی پر اعتبار کیونکر ہو سکتا ہے۔"

وہ سخت بے آرامی کی کسک سے دوچار ہوگئی اور صوفے سے اٹھ گئی۔

امی کا سر ایک پل مجرمانہ انداز میں جھک گیا۔ وہ انگلیاں مسلنے لگیں۔

"ہاں' میں نے کہا تھا مگر! میرا کہا ہوا اللہ کا لکھا تو نہیں۔ میں بے شک چہرہ شناس نہیں ہوں مگر جانے کیوں میرا دل بہت مطمئن ہے۔ ولید سے مل کر مجھے جانے کیوں اس پر اعتبار کر لینے کو دل چاہا۔ میں تو یونہی وہمی ہو کر تمہیں بھی ڈرا رکھا تھا ورنہ۔ ہم ہر وقت تاریک پہلو ہی کیوں دیکھیں۔" امی چپ ہوگئیں وہ کمرے سے چلی گئی تھی۔

بہت بڑا پتھر پڑا تھا۔ اس کی زندگی کی خاموش جھیل میں کہ ہزار دائرے بن کر ایک قیامت برپا کر گئے تھے اس کے اندر۔ کچھ بھی واضح نہیں تھا مگر کچھ بھی مخفی نہیں تھا۔ وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر یہ بھی اس کے اختیار میں کب تھا۔ وہ بیڈ پر بیٹھ گئی اور گھٹنوں کے گرد بازو حمائل کر لیے۔

اس نے ولید کے سامنے پورا ماضی کھول دیا تھا۔ وہ ماضی جو اس کی جان پر بن آیا تھا۔ محض دوستی کی خاطر کتنا بڑا عذاب جھیل رہی تھی۔ بہت مہنگی پڑی تھی۔ اسے ایک امیر زادی کی دوستی' ایک روایتی خاندان کی اکلوتی بیٹی کی دوستی۔

اس نے گھٹنوں پر سر جھکا لیا۔

اس کے ماضی میں بہت سا خزانہ دفن تھا۔

محدود خوشیوں کا۔ جب وہ تتلی بن کر اپنے آنگن میں اڑا کرتی تھی۔ بہت لاڈلی بہت نڈر اور بہت دل موہ لینے والی ہوا کرتی تھی۔

پاپا اور ممی کی بے پناہ محبتوں میں وہ پروان چڑھی۔

وہ میڈیکل کالج میں آئی تو عینہ سے دوستی کا آغاز ہوا۔

لمبے سلکی بالوں والی' گوری چٹی دراز قد علینہ۔ وہ دونوں جلد ہی گہری دوست بن گئیں۔

علینہ بہت سادہ دل' الہڑسی' چنچل سی لڑکی تھی۔ ہر ایک پر فوراً اعتماد کرنے والی مگر کبھی کبھی اسے بے حد ڈسٹرب بھی دکھائی دیتی۔

آہستہ آہستہ شیزا کو اس کی ڈسٹربنس کا پتہ چل گیا۔

وہ کوئٹہ کے بہت معزز اور امیر گھرانے کی لڑکی تھی۔ مگر اس کا خاندان پرانی رواتیوں کی سخت پاسداری کرنے والا تھا۔ تین بھائی تھے۔ اس نے اتنی گہری دوستی کے باوجود شیزا کو کبھی اپنے گھر آنے کا اصرار نہیں کیا تھا۔ حالانکہ وہ اکثر و بیشتر شیزا کے گھر چلی آتی تھی۔

اس کی ای سے ادھر ادھر کی ڈھیروں باتیں کرتی باہر ڈرائیور بچارا گاڑی میں بیٹھا دھوپ سینکتا رہتا۔ شیزا کو ہی اس پر رحم آتا تو اسے زبردستی باہر دھکیلتی۔

سیکنڈ ائیر کے ایگزام کے بعد وہ پاکستان ٹور پر نکل گئی اور جب لوٹ کر آئی تو اس کی سفید رنگت میں خوب گلابیاں اتر آئی تھیں۔ رخسار سیب کی طرح چمکنے لگے تھے۔ نظر نہ ٹھہرتی تھی اس کے چہرے پر۔

شیزا اس کی تعریف کرتی تو وہ شیزا کی جان کو آ جاتی۔ ''ارے ہم تو صرف گورے ہیں۔ تمہیں تو خدا نے ہم سے بھی زیادہ فرصت میں بنایا ہے۔'' وہ الٹا اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگتی اور ایک چڑ اس نے شیزا کی بنا رکھی تھی۔ وہ خوب تعریفیں کرنے کے بعد کہتی۔

''شیزا! میری بھابی بنے گی؟'' جواباً شیزا کا گھونسا ہوتا اور اس کی پیٹھ۔

''سلمان بھائی کے ساتھ تم سوٹ تو بہت کرو گی مگر اچھا بابا یوں گھورو تو مت۔'' وہ شرارت سے ہنس پڑی۔ اس نے مہینہ بھر کی روداد پوری شیزا کے گوش گزار کی کہ وہ لوگ کہاں کہاں گئے۔ کہاں ٹھہرے' کیا واقعات پیش آئے پھر یاد آنے پر بولی۔

''ارے ہاں شیزا! تو فائنل کے عبید کو تو جانتی ہو گی' وہ بھی ٹکرایا تھا وہاں اپنی فیملی کے ساتھ۔ سوات اور مانسہرہ میں تو ایک ہی ہوٹل میں قیام ہوا تھا۔ اور بھی کئی جگہوں پر ملا۔'' بولتے بولتے وہ یکدم چپ ہو گئی اس کے رخساروں کی رنگت گہری ہو گئی' پلکیں جھک گئیں اور وہ اپنے جو گرز پر انگلیاں پھیرتے ہوئے بولی۔

''بہت اچھی شاعری کرتا ہے وہ۔''

''او.... ہو۔ تو وہاں وہ ادبی محفلیں منعقد کرتا رہا تھا تمہارے ساتھ۔'' شیزا نے ابرو

اچکا کر دیکھا تو وہ کھسیا کر ایک دھپ اسے مار کر ہنس پڑی۔

''ارے کہاں.... میری اس سے ملاقاتیں ہی کہاں ہوتی تھیں' بس چلتے پھرتے سلام دعا ہو گئی' کبھی سیڑھیاں چڑھتے اترتے ہو جاتی۔ میرے ساتھ میری پوری فیملی تھی۔ سلمان بھائی تو تھے سو تھے ہاشم بھائی کو تو تم نہیں جانتیں۔ بہت کٹر ہیں ذرا جو ہم لڑکیوں کو تنہا ادھر ادھر ہونے دیتے۔ لڑکوں کے گروپس سے تو وہ بے حد جلتے تھے بقول ان کے یہ سارے بدمعاش تفریح کی بجائے لڑکیوں کو تاکنے انہیں تنگ کرنے آتے ہیں۔''

''ہاں تو ٹھیک ہی تو ہے۔ چھچھورے لڑکوں کی ہمارے یہاں کمی نہیں ہے''

وہ جرنل پر تیزی سے قلم چلاتے ہوئے بولی تو علینہ اسے گھورنے لگی پھر چڑ کر بولی۔

''اب سب کو ایک لاٹھی سے تو نہیں ہانکنا چاہئے نا۔ ہر کوئی تو چھچھورا نہیں ہوتا۔ سب اسی مقصد کے لئے تو نہیں آتے' جو ہاشم بھائی سمجھتے ہیں اور مجھے تو لگتا ہے تم بھی ہاشم بھائی کی ہمنوا ہی ہو۔ ان کی روح تم میں بھی حلول کر گئی ہے۔''

شیزا نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر اس کی شکل دیکھ کر اسے بڑے زور کی ہنسی آ گئی۔

''بات کیا ہے' یہ تم ہر وقت اپنے ماحول سے چڑی ہوئی کیوں رہتی ہو' ہاشم بھائی نے کس سے بات کرنے پر پابندی لگا دی ہے کسے چھچھورا کہہ دیا جو تیر بن کر سیدھا دل پر لگا ہے۔''

''تم نے ہمارا ماحول دیکھا نہیں ہے' ہماری روایتیں برتی نہیں ہیں' ان کا نوالہ نہیں بنیں' سو تم کہہ سکتی ہو۔'' وہ اپنی کتابیں سمیٹ کر بیگ میں ٹھونستے ہوئے بے زاری سے بولی تھی۔

ایسی بیزاری اور اپنے ماحول سے تنفر پہلی بار اس کے لہجے میں بول رہا تھا۔ شیزا نے اس کی طرف دیکھا خوبصورت چہرے کے نقوش کھنچے ہوئے تھے۔ اس نے بھی جرنل بند کر دیا۔

''ہر ماحول کی کچھ اچھی کچھ بری روایتیں ہوتی ہی ہیں۔ تمہارے ماحول کی خوبی یہ بھی ہے نا کہ سب مل جل کر محبت سے رہتے ہیں۔ دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں۔ عورت کا احترام کیا جاتا ہے۔ یہ جو باپ بھائی بہنوں پر نظر رکھتے ہیں تو اس لئے کہ ان کے دل میں ان کی عزت ہے' وہ اسے قیمتی موتی کی طرح سمجھتے ہیں' جس طرح قیمتی موتی گم ہو جانے کا ڈر رہتا ہے اسی طرح انہیں فکر رہتی ہے کہ ان کی عورت پر میلی نگاہ نہ پڑے یہ محبت کا اظہار ہی تو ہے کہ جسے چاہا جائے' جسے اپنا سمجھا جائے اس کی فکر پڑی رہتی ہے ورنہ دنیا میں اتنی عورتیں ہیں اتنی لڑکیاں ہیں ان کی فکریں کیوں نہیں پال رکھیں تمہارے لاڈ اٹھاتے ہیں' تمہاری ذرا سی تکلیف پر پریشان ہو جاتے ہیں' تمہارے منہ سے نکلی ہوئی طلب خواہش بننے سے پہلے پوری ہو جاتی ہے۔ یہ سب تو

مسرت انگیز اور طمانیت کا باعث ہونا چاہئے تمہارے لئے اور جو تم مخلوط ادارے میں یہ تعلیم حاصل کر رہی ہو ہو یہ سراسر تمہاری روایت کے خلاف ہے۔ مگر دیکھو وہ یہ وبال تمہاری محبت میں ہی تو اپنے سر لے رہے ہیں۔ تعلیم کی آزادی ہے' ہنسی مذاق' گھومنے پھرنے کی آزادی ہے اور کیسی آزادیاں چاہئیں تمہیں علینہ۔ یاد رکھو حد سے بڑھی ہوئی آزادی پھر راہ سے بے راہ کر دیتی ہے اور بے راہ روی بے مقام بے منزل ہوتی ہے' اس کی کوئی منزل نہیں ہوتی' کوئی مقام نہیں ہوتا' اور چاہے مرد ہوں یا لڑکیاں' اپنے مقام سے منزل سے ہٹ کر مدار سے گم ہو جانے والے سیارے کی طرح ہو جاتے ہیں۔ بے ٹھکانہ' ہوا میں معلق۔''

''میرے خدا۔ تم تو اچھی خاصی لیکچرار بن سکتی تھیں۔ میڈیکل میں کہاں آ گئیں۔''

علینہ نے اس کی ساری باتیں ہنسی میں اڑا دیں تو وہ اسے گھورنے لگی۔

''ویسے شیزا' تم واقعی میری بھابھی بن سکتی ہو۔'' وہ اس کی طرف جھکی۔ ''میرا خیال ہے سلمان بھائی سے زیادہ ولی بھائی کے ساتھ زیادہ سوٹ کرو گی۔'' وہ اسے چھیڑنے لگی پتا نہیں وہ اپنے کن کن بھائیوں کے ساتھ اس کا پیر بناتی رہتی تھی۔ شیزا نے سخت چڑ کر اسے دیکھا اور اپنا جرنل دے مارا۔

''تو نہیں سدھرے گی علینہ۔ خدا کرے تیرے یہ بھائی جلدی سے تجھے کسی اپنے جیسے کے ساتھ ڈولی میں چڑھا دیں۔ خس کم جہاں پاک اور میں سکون سے پڑھائی کر سکوں۔''

''شیزا ...... شیزا کی بچی۔'' وہ بلبلا کر چلائی۔ ''ایسی بددعائیں تو مت دو۔ خدا نہ کرے جو مجھے ہاشم بھائی جیسا شوہر ملے۔'' وہ یکلخت گھٹنوں میں منہ دے کر رو پڑی۔

شیزا دم بخود رہ گئی۔ محض مذاق نے اسے اتنا جذباتی کر دیا۔

''علینہ۔'' اس نے گھبرا کر اسے کندھوں سے تھام کر چہرہ اوپر اٹھایا۔

''تمہیں نہیں پتا شیزا۔ کبھی کبھی قبولیت کے لمحے ہوتے ہیں منہ سے نکلی باتیں قبول ہو جاتی ہیں۔''

''پاگل ہو تم۔ اگر ہو بھی گیا تو ایسا کون سا برا ہو گا۔'' وہ اسے جھڑک کر اس کا چہرہ دیکھ کر ہنس پڑی۔

''اگر ایسا ہو گا تو بہت برا ہو گا' بہت برا اور خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔'' اس کا چہرہ لال ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں ٹھہرے ہوئے آنسو لڑھک کر اس کے رخسار پر اتر آئے۔

شیزا کے لئے اس کا رویہ بے حد متحیر کر دینے والا تھا۔ اس سے پہلے بھی ان دونوں کے مابین ایسے مذاق ہوتے رہتے تھے مگر کبھی علینہ نے اتنے شدید ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ اتنی

جذباتی نہ ہوئی تھی۔

شیزا کے دیکھنے پر اس نے جلدی سے پلکیں جھپکیں اور چہرے کا زاویہ بدل کر بیگ کی زپ بند کرنے لگی۔

''علینہ! یہ اتنی بڑی بات تو نہیں تھی' اتنی جذباتی ہو جانے والی بات تو نہ تھی۔'' وہ بولی تو علینہ اسے بس دیکھ کر رہ گئی۔ کوئی جواب نہیں دیا بس بیگ اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔ مگر شیزا کو اس کا جواب' اس الجھن کا سرا دوسرے روز ہی مل گیا جب اس نے عبید انصاری کے ساتھ علینہ کو ایک گوشے میں بیٹھے دیکھا۔ وہ بینچ پر بیٹھی تھی اور عبید انصاری یوں اس کے قدموں میں بیٹھا تھا جیسے کوئی پجاری دیوتا کے قدموں میں بیٹھ جاتا ہے۔

علینہ کے چہرے پر شفق کے رنگ بکھرے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ اس کے ہونٹوں پر شرمیلی مسکان تھی۔ اس کے رخسار ایسے چمکتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے جنہیں بے اختیار چھونے کی خواہش جاگے۔ وہ اٹھاتی گراتی پلکوں کے ساتھ عبید انصاری کی جانے کیا باتیں سن رہی تھی۔ وہ دبے قدموں چلتی ہوئی اس کے قریب ہوئی تو اسے پتا چلا وہ اس کی شان میں قصیدہ خواں ہے۔ لفظوں کی شعبدہ بازی سے اسے متاثر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر وہ اسے کوئی نظم سنانے لگا۔ بہت سادہ سے ماحول میں رہنے والی علینہ پر سارے الفاظ جادو کی طرح اثر کر رہے تھے۔

تیرے حسن کی ہے جو دلکشی
تیرے لب کے جو یہ گلاب ہیں
میرے خواب ہیں
میرے خواب ہیں میری زندگی
میری زندگی میں سراب ہیں
میرے ساتھ ہیں جو یہ واہمے
کئی وسوسے ہیں عذاب ہیں
میں جو آرزو کے سفر میں ہوں
نہ نظر میں ہوں نہ خبر میں ہوں
کٹے کس طرح یہ سفر میرا
میں ہوں منزلوں سے پرے کہیں
کسی دشت میں کسی دور میں

تیری راہ کی اڑتی گرد میں
مجھے بخش دو وہ کرامتیں
جو ہیں منتظر میرے خواب کی
یہ جو آرزو ہے وصال کی
مجھے اپنے کل کی خبر کہاں
مجھے فکر ہے تیرے حال کی
تیرے حسن کو نہ گہن لگے
یہ دعا ہے دست سوال کی

اسے شدید قسم کا دھچکا لگا تھا۔ لب بھینچ کر وہ واپس پلٹ گئی مگر کلاس روم میں اس نے علینہ کو جالیا اور باز پرس کرنے لگی۔ تب علینہ نہ جھجکی نہ ڈری سر جھکا کر پوری جرات کے ساتھ یہ اعتراف کرلیا کہ اسے عبید انصاری سے محبت ہوگئی ہے۔

اس کی ویران دل کی سرزمین پر عبید انصاری کے الفاظ تخم کی طرح گر کر ایک خوبصورت پودے کی پیداوار ثابت ہوئے تھے اور اب وہ پودا تیزی سے اچھی آب و ہوا کے باعث تناور درخت بنتا جارہا ہے۔

یہ سلسلہ تو وہ وہیں مانسہرہ اور سوات کی وادیوں میں شروع کر آئی تھی۔ شاید عبید انصاری کو وہاں بہتر مواقع ملے ہوں۔ وہ دم بخود رہ گئی اور اس کا خوبصورت چہرہ تکنے لگی جوان دنوں حد سے زیادہ حسین ہوگیا تھا کہ نظر نہ ٹھہرتی تھی۔ پھر وہ یکدم چلائی۔

''یو نو علینہ' کہ وہ کیا ہے' کیسا لچر آدمی ہے' کس قدر فضول اور اوباش قسم کا لڑکا ہے۔ تم اس کی زندگی میں آنے والی یقیناً پہلی لڑکی نہیں ہو۔ وہ فائنل میں ہے اور ہم اب تھرڈ ائیر میں آئے ہیں ہم زیادہ نہیں جانتے اس کے بارے میں مگر جتنا جانتے ہیں وہ کافی ہے اور اس بات کا متقاضی کہ ہم اس سے بچ کر رہیں۔''

''سب بکواس ہے' حاسد لڑکوں نے اس کے بارے میں ایسی من گھڑت باتیں پھیلا رکھی ہیں اور وہ لڑکیاں جو اس سے قریب ہونا چاہتی ہیں مگر اپنے ارادوں میں ناکام ہونے کے بعد اس پر کیچڑ اچھالتی رہتی ہیں۔'' وہ شیزا کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھی۔

عبید انصاری کی محبت علینہ کو بہائے لے جارہی تھی۔ وہ اس کی تند لہروں میں کھلکھلاتی بہہ رہی تھی۔ سامنے منہ پھاڑے سمندر کی گہرائی سے بے نیاز کہ کوئی لہر بھی اسے ڈبو سکتی تھی' اپنا

نوالہ بنا سکتی تھی۔ آہ' اگر ہر لڑکی کو دیو کی طرح منہ پھاڑے سمندر پر نگاہ ہوتی تو وہ شاید کبھی لہروں کے دھوکے میں نہ آتیں۔

''شیزا! پتا ہے وہ کتنی اچھی باتیں کرتا ہے۔'' وہ ہر وقت شیزا سے عبید انصاری کی باتیں کرنا چاہتی' اس بات سے بے خبر کہ شیزا کا دل آگ بن کر کھولنے لگتا تھا۔

''جانتی ہوں وہ لفظوں کا ماہر کھلاڑی ہے۔ اس کے پاس لفظوں کا خزانہ ہے جس سے وہ تمہیں ٹریپ کرتا رہتا ہے۔''

''محض الفاظ ہوتے تو کبھی اتنے اثر انگیز نہ ہوتے۔ تم نہیں سمجھ سکتیں' یہ محبت آہ کیا چیز ہے۔'' اس کی آنکھوں میں نشہ سا اترنے لگا۔

''تجھے بھی کبھی کوئی ملے گا نہ تو خود بخود سمجھ میں آجائے گا کہ اس آگ میں کیسا نشہ ہے۔''

''نشہ بہر حال کوئی اچھی چیز نہیں ہوتی خدا مجھے اس سے محفوظ ہی رکھے۔''

''اس نے مجھے کبھی بڑے بڑے خواب نہیں دکھائے شیزا۔ بلکہ وہ تو کہتا ہے کہ میں بہت عام سا مرد ہوں۔ میرے پاس متاثر کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ خیر یہ تو وہ کہتا ہے حالانکہ ایسی بات بھی نہیں ہے اور وہ کہتا ہے کہ۔ اس کے والدین بھی سلف میڈ تھے' وہ بھی سیلف میڈ ہے۔ چھوٹے سے شہر سے آیا ہے' اپنا خواب پورا کرنے۔ یہاں اس نے ایک کمرہ کرائے پر لے رکھا ہے وہ کہتا ہے کہ میرے پاس دھن دولت نہیں ہے مگر ایک بہت امیر کبیر دل ہے جس میں قیمتی جذبے پل رہے ہیں اور یہ جذبے اس نے سیپ میں بند موتی کی طرح سنبھال رکھے تھے آج تک۔ اور آج وہ موتی مجھ پر لٹا رہا ہے۔ وہ بہت آس سے کہتا ہے کہ میں یہ موتی سنبھال لوں۔ ان کی قدر کروں کہ ایک چھوٹے سے گھر کی بنیاد ہم ان ہی پیارے پیارے سچے موتی جیسے جذبوں پر رکھیں گے۔

''جی ہاں' تمہارے بھائی تمہیں روٹی کپڑا دیتے رہیں گے اور عبید صاحب یہ سچے موتی کا معجون کھلاتے رہیں گے۔'' شیزا کی ہنسی سے جیسے اس کا خوابناک ماحول چھناکے سے ٹوٹ گیا۔ اس نے شاکی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں نے دولت کو کبھی اہمیت نہیں دی۔ میرے نزدیک یہ ثانوی چیز ہے۔''

شیزا کی ابھرنے والی ہنسی پہلے سے کہیں زیادہ بے ساختہ اور استہزائیہ تھی۔

''دولت کی اہمیت تمہارے نزدیک اس لئے نہیں ہے کہ تم نے ابھی اس کا پانا ہی دیکھا

ہے۔ خیر یہ ایک علیحدہ بحث ہے۔ محترم عبید صاحب تمہیں محض اپنے لفظوں کی جادوگری سے مـ
کرنے کی کوشش کر رہا ہے ورنہ.....''

''شیزا پلیز۔'' وہ پرزور انداز میں احتجاج کرتی ہوئی کرسی دھکیل کی کھڑی ہوگئی۔ پھر
بیگ اٹھا کر کیفے ٹیریا سے باہر چلی گئی۔

شیزا ایک گہری سانس بھر کر مضمحل سی کرسی سے لگ کر بیٹھ گئی۔

پتا نہیں علینہ پر عبید انصاری نے کیا جادو کیا تھا وہ شیزا کی باتوں پر چڑ جاتی۔ شیزا ا
سے ناراض ہوگئی جس کا نقصان ہونے کی بجائے علینہ کو فائدہ ہی ہوا کہ معمولی روک ٹوک بھی
ہوگئی۔ زیادہ تر وقت عبید انصاری کے ساتھ گزرنے لگا۔

کیفے ٹیریا۔

لائبریری۔

کبھی سیڑھیوں پر تو کبھی باغ کے کسی گوشے میں وہ دونوں گھنٹوں بیٹھے دھیر۔
دھیرے سرگوشیاں کرتے رہتے۔ وہ اس کی شان میں قصیدے پڑھتا رہتا۔

خوبصورت نظمیں، غزلیں اور قطعات اتنے سحر انگیز ہوتے پھر اس کے سنانے کا اند
ہی اتنا دل موہ لینے والا ہوتا کہ وہ اپنے اردگرد کے ماحول سے بے نیاز ہو کر نئی دنیا میں گم ہو جاتی
اسے اپنے اردگرد رنگین تتلیاں مہکتی نظر آتیں۔ ایسا گلستان دکھائی دیتا جس میں صرف ہریالی
ہریالی ہوتی۔

پھول ہی پھول مہک رہے ہوتے۔

شیزا کبھی غصے، کبھی تاسف سے ہاتھ ملتی رہتی۔ کئی بار دل چاہا اس کے گھر جا کر اس
بھابھی کو ہی خبر کر دے مگر مصیبت یہ تھی کہ وہ آج تک علینہ کے گھر نہیں گئی تھی۔ دوسرے کسی۔
متعارف نہیں تھیں۔ وہی اسے بتاتی رہتی کہ میں نے تمہارا غائبانہ تعارف گھر میں کرا رکھا ہے
بھابھی تم سے ملنے کی بے حد مشتاق ہیں اور پھر تمہارے ہر وقت کے ذکر پر بھابھی سے مجھے اچھ
خاصی ڈانٹ پڑتی ہے۔ یقین کرو میں نے تو تمہارا ذکر ان کی چڑ بنا ڈالی ہے۔ دن رات تمہار
تسبیح پڑھتی رہتی ہوں۔

ان تمام باتوں کے باوجود علینہ کے گھر والوں کو فون کر کے کسی کو بھی اعتماد میں نہیں۔
سکتی تھی۔ اس لئے کہ وہ اس لوگوں کے مزاجوں سے نا آشنا تھی۔ تاہم وہ اتنی آسانی سے اسے عب
انصاری جیسے شاطر آدمی کا نوالہ بھی بنتا نہیں دیکھ سکتی تھی۔

☆☆☆☆

فائنل والوں نے اس روز ''بزمِ شاعر'' سجا رکھی تھی۔ فائنل کے علاوہ دوسرے ایئر
اسٹوڈینٹس بھی اسے پارٹی سپٹ اور انجوائے کر رہے تھے۔ لگتا تھا ہر کوئی ہی اپنا ش
اور گلوکاری کا شوق پورا کر رہا تھا۔ علینہ نے اسے منا لیا تھا اور اسے زبردستی گھسیٹتی لے آئی تھ
یوں تو علینہ صاحبہ کو اس طرح کی ہلڑ بازیوں سے کبھی دلچسپی نہ رہی تھی مگر وہ محض عبید انصاری
موجودگی کی وجہ سے پورے جوش و خروش کے ساتھ پہنچی تھیں۔

عبید انصاری کے ہاتھوں میں چونکہ انتظامی امور تھے۔ سو اس نے آگے کی رو میں ع
کے لئے جگہ رکھی تھی۔ جس پر وہ پورے استحقاق کے ساتھ آ کر بیٹھی تھی۔ وہ دونوں جب آ
بیٹھیں تو ایک غزل چل رہی تھی۔

چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے
ہم کو اب تک عاشقی کا وہ زمانہ یاد ہے

یہ فائنل کا ہی کوئی لڑکا تھا۔ بہت خوبصورت آواز نہیں تھی مگر اندازِ لب و لہجہ خاصا مت
کن تھا، بہت داد مل رہی تھی۔

با ہزاروں اضطراب و صد ہزاروں اشتیاق
تجھ سے وہ پہلے پہل دل کا لگانا یاد ہے

خاصی دیر یہ غزل چلتی رہی۔ شیزا دلچسپی سے سنتی رہی مگر علینہ کی تمام تر دلچسپی کا مر
صرف اور صرف عبید انصاری تھا جو کمپیئرنگ کے فرائض انجام دے رہا تھا۔

ہلکے پھلکے شوخ فقرے

موقع محل کی مناسبت سے شعر سنا کر وہ سامعین کو خاصا محظوظ کر رہا تھا۔ ایسے میں
اچانک فائنل کے فہد رضا نے مائک لے کر عبید انصاری کے نام کا اعلان کرتے ہوئے اس
سنانے کی فرمائش کر دی۔ خوب تالیاں پیٹی گئیں۔

علینہ بی بی کی سماعتیں بھی بصارتیں بن گئیں۔ رگوں میں لہو کی گردش تیز ہوگئی جس
اندازہ اس کے چہرے سے ہو رہا تھا۔

☆☆☆☆

عبید انصاری نے سب پر ایک طائرانہ نگاہ دوڑائی پھر یہ نظریں علینہ پر آ کر ٹھہر گئیں۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ایک پرانی فلم کا خوبصورت گانا پسند کر کے گانا شروع کر دیا۔

نہ سونا نہ چاندی نہ کوئی محل جان من
تم کو میں دے سکوں گا

پہلی بار شیزا کو پتا چلا کہ اس کی آواز بہت خوبصورت ہے اور اس کی آنکھوں میں بھی ایک مقناطیسی کشش ہے اور شاید یہی کشش علینہ کو لوہے کا ٹکڑا بنا دیا کرتی تھی۔

پھر بھی یہ وعدہ ہے تم سے
تو جو کرے پیار مجھ سے
چھوٹا سا گھر تجھ کو دوں گا
دکھ سکھ کا ساتھی بنوں گا

شیزا نے دزدیدہ نظروں سے علینہ کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا۔ وہ عبید انصاری کی نگاہوں کے حصار میں اس کی بولتی آنکھوں اور لفظوں کی جادوگری میں پوری طرح

جکڑی ہوئی تھی۔ عبید انصاری فلمی بولوں سے گویا اپنے احساسات عیاں کر رہا تھا اور اس
جذبات کو دہکا کر آگ بنا رہا تھا۔ وہ جس نازک دور سے گزر رہی تھی وہاں ہر لفظ جذبوں میں
میں شعلے بھڑکا رہا تھا۔

جب شام گھر لوٹ آؤں گا
ہنستی ہوئی تو ملے گی
مٹ جائیں گی ساری سوچیں
بانہوں میں جب تھام لے گی
چھٹی کا دن جب ہو گا
ہم خوب گھوما کریں گے
جا کر سمندر پہ دونوں
سیپوں سے موتی چنیں گے
لہروں کی پائل سنیں گے
سونا نہ چاندی
نہ کوئی محل جان من

عبید انصاری کی نگاہوں کے پیغام اور علینہ کی بے خودی اس کے قریبی دوست بخوبی
محسوس کر کے دبی دبی معنی خیز مسکراہٹوں کے ساتھ اسے اور علینہ کو تک رہے تھے۔

شیزا بے حد خاموشی سے اس کے پاس سے اٹھ کر چلی گئی۔ علینہ کو خبر ہی نہ ہوئی وہ تو
لفظوں اور آنکھوں کے سحر میں جکڑی دنیا مافیہا سے بے خبر تھی۔

تنخواہ میں جب لے کے آؤں گا
ہاتھوں میں تیرے ہی دوں گا
جب خرچ ہوں گے یہ پیسے
میں تجھ سے جھگڑا کروں گا
کچھ دیر تو روٹھی رہے گی
سوچے جب اپنے دل میں
تو مسکرا کر کہے گی۔

گانا ختم ہو چکا تھا مگر ایک خوبصورت فضا اس کے دل پر طاری تھی۔

دوسرے روز وہ اسے بے نقط سنا رہی تھی۔

''کم از کم مجھے بتا کر تو جاتیں۔ میں پورے کالج میں تجھے ڈھونڈتی رہی۔''

''تم ہوش میں کہاں تھیں۔ تم تو جادوئی اثر میں تھیں۔ میں کہتی بھی تو تم مجھے نہ روکتیں' اس لئے کہ تم وہاں سے اٹھنے کو تیار نہ ہوتیں اور مجھے بیٹھنا ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔'' وہ بیگ درخت کی شاخ پر لٹکا کر گھاس پر بیٹھ گئی۔

علینہ کمر پر ہاتھ رکھ کر اسے گھورنے لگی۔

''ٹھنڈے دل سے میری کچھ باتیں سنو۔'' اس نے ملائمت سے کہا۔

''کوئی باتیں واتیں نہیں سننا مجھے تمہاری جانتی ہوں تم مجھے نصیحت ہی کرو گی اور عبید انصاری سے بچ کر رہنے پر لیکچر دو گی۔''

''نہیں' ایسا کچھ نہیں کرو گی۔ اس لئے کہ میرا خیال ہے تم ناسمجھ ضرور ہو مگر نابالغ نہیں۔ کسی سیانے نے کہا ہے نا کہ نصیحت کو بے وقوف قبول نہیں کرتے اور عقل مندوں کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔'' وہ ٹھنڈی سانس بھر کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر زور سے ہنس پڑی۔

''خدا کے لئے علینہ یہ گھورنا بند کرو' میں عبید انصاری نہیں ہوں کہ تمہارے ان نینوں پر اور غصے کی اس ادا پر کوئی شعر سنانے لگوں گی۔''

''ہاں' مجھے پتا ہے تم اتنی باذوق کہاں ہو۔'' وہ محظوظ ہو کر ہنس پڑی اور اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔

''تمہارے پاس نہ خوبصورت دل ہے' نہ جذبے ہیں' تم ایک پتھر لڑکی ہو۔ تمہارے نزدیک محبت ایک بے کار شغل ہے اور تم.....''

''بس.... بس.....'' وہ اسے مزید گل افشانی سے روک کر بولی۔ ''یہ جو عبید صاحب اور اس جیسے بہت سے محبت کے راگ الاپتے رہتے ہیں نا' یہ محبت نہیں ہے' محبت کے نام پر نفس کی تسکین ضرور ہے۔ کسی غیر عورت پر مرٹنا' اس کے حسن کے قصیدے پڑھنا' اسے میٹھی نظروں سے دیکھ کر آہیں بھرنا' پاکیزگی اور شرافت کی علامت نہیں' کم ایمانی کی نشانی ہے۔ نگاہوں اور دل کی بے لگامی ہے' سچے دل سے کسی کو چاہنے والا شخص اسے پانے کے جتن کرتا ہے' محض وقت گزاری نہیں کرتا' اس کے حصول کیلئے سیدھا راستہ اختیار کرتا ہے۔ محبت کرنا جرم نہیں ہے مگر محبت کے نام پر دھوکا دینا' فریب دینا جرم ہے۔ شادی کے بعد ساری محبتیں اپنی بیوی کی جھولی میں ڈالیں کس نے روکا ہے۔''

علینہ' بے پروائی سے ہنستے ہوئے اس کے کندھے پر سر ٹکا کر بولی۔

تیرا کسی پہ آئے دل
تیرا بھی کوئی دکھائے دل
تو بھی کلیجہ تھام کر
مجھ سے کہے کہ ہائے دل''

''دفعہ ہو یہاں سے۔'' شیزا نے بری طرح چڑ کر اسے زور سے دھکیل دیا' وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

''ایمان سے شیزا میں ولی بھائی سے ایک بار تیرا ٹکراؤ کرا دوں۔ وہ تمہارے خیالات سن کر دل و جان ہار دیں گے اور حسن تو خدا نے تمہیں دیا ہی ہے' یوں بھی میرے بھائیوں کی ڈیمانڈ حسن صورت نہیں' حسن سیرت ہے اور تم پر تو اللہ خاصا مہربان ہے اس معاملے میں۔'' وہ بولتے بولتے اچھل کر کھڑی ہو گئی تھی۔ شیزا نے گھونسہ تان لیا تھا۔

''مجھے بخشو بی علینہ' تمہارے بھائی تمہیں ہی مبارک۔''

''آج ہی تمہارے یہ پاکیزہ خیالات ان کے گوش گزار کر دوں گی۔''

''ہیلو گرلز!'' عبید انصاری نے اچانک وارد ہو کر دونوں کو ٹپٹا دیا۔ علینہ کی سماعتوں پر یہ آواز کسی خوبصورت ساز کی طرح بجی تھی۔

بے تحاشا اور مسلسل ہنسنے سے اس کا چہرہ قندھاری انار جیسا ہو رہا تھا۔ سفید دوپٹے کے ہالے سے اس کی بھوری لٹیں نکل کر چہرے کو حسین تر بنا رہی تھیں۔ عبید انصاری کی نگاہیں تو گو وہیں جم کر رہ گئیں جیسے ''ہم کو چہرے سے ہٹنا گوارا نہیں۔''

''جی فرمایئے۔'' شیزا جلدی سے دوپٹے کی ترتیب درست کر کے گھاس سے اٹھی او[ر] اس کی طرف قدرے ناگواری سے دیکھا تھا۔ اس کی بے وقت آمد اور علینہ کو لگاتار دیکھنا اسے بے حد گراں گزرا تھا۔

علینہ کی پلکیں رخساروں پر جھک گئی تھیں۔ وہ اس کی نگاہوں کی تپش سے دھوپ میں رکھی برف کی طرح پگھل رہی تھی۔

''کوئی کام ہے کیا آپ کو؟''

شیزا کی آواز اسے جیسے عالم مدہوشی سے عالم خود شناسی میں لے آئی' وہ شیزا کی طرف پلٹا۔

"آپ میرا کیا کام کرسکتی ہیں؟" اس نے سر سے پیر تک شیزا کو دیکھا' پھر اپنے مخصوص اپنائیت آمیز انداز میں مسکرایا۔ "میں صنف نازک سے کام لینے کا عادی نہیں ہوں۔ یہ صنف یوں بھی کام کے لئے نہیں پیدا کی گئی بلکہ کام کرنے والے کا حوصلہ بڑھانے کے لئے ہوتی ہے۔"

آخری جملہ کہتے ہوئے اس نے علینہ پر مقناطیسی نگاہ ڈالی۔ وہ تو پہلے ہی لوہے کا ٹکڑا بن گئی تھی۔ اس کی پلکیں لرزنے لگیں۔ یقیناً اس لمحے اسے شیزا کی موجودگی بری لگ رہی تھی۔

"کن خیالوں میں رہتے ہیں محترم آپ۔ عورت ہر زمانے میں مضبوط سے مضبوط اور دلیرانہ کام بھی بخوبی انجام دیتی رہی ہے۔ ہاں یہ آپ شاعروں کی دنیا میں عورت صرف "دل بہلانے" کی چیز رہ گئی ہو یہ اور بات ہے۔"

شیزا استہزائیہ انداز میں ہنسی' عبید انصاری خجل ہو کر رہ گیا۔

"چلیں چھوڑیں یہ ایک طویل بحث ہے۔ میں تو یہ پوچھنے آیا تھا کہ کل کا پروگرام آپ کو کیسا لگا؟" اس نے شیزا کو ہی مخاطب کیا۔

"پتا نہیں۔ میں تو بہت جلد وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔ ان سے پوچھ لیجئے یہ آخری سانس تک بیٹھی رہی تھیں۔" اس نے کندھے اچکا کر علینہ کی طرف اشارہ کیا۔

"ان سے کیا پوچھنا' ان کے لئے ہی تو بزم سجائی گئی تھی۔" وہ ایڑیوں کے بل علینہ کی طرف پلٹ کر لودیتے لہجے میں بولا۔ پھر شیزا کی طرف دیکھ کر ہلکے سے ہنستے ہوئے کہنے لگا۔ کہیں آپ کے ساتھ یہ معاملہ تو نہیں ہوا کہ

اٹھ کر آ تو گئے ہیں تیری بزم سے مگر
کچھ دل ہی جانتا ہے کس دل سے آئے ہیں

"میرا خیال ہے آپ حد سے زیادہ خوش فہم شخص ہیں۔ اتنی زیادہ خوش فہمیاں بھی اچھی نہیں ہوتی ہیں۔" وہ استہزائیہ آمیز انداز میں ہنس پڑی پھر علینہ کی طرف مڑی۔

"چلو علینہ' کلاس شروع ہونے والی ہے۔" وہ علینہ کا ہاتھ پکڑ کر عبید انصاری کے چہرے سے نگاہ ہٹا کر آگے بڑھی کہ اسے شدید ذہنی دھچکا لگا جب علینہ نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑا لیا اور خاصے روڈ انداز میں بولی۔

"پلیز شیزا' یہ بہت غلط بات ہے۔ تم جانتی ہو پھر بھی۔" اس کی شکوہ کناں نظریں شیزا پر تھیں اور شیزا کو اپنی سماعت پر یقین نہ آیا۔

"کیا غلط بات ہے؟"

"یہی کہ تم عبید صاحب سے مسلسل بحث کر رہی ہو۔ کالج فیلو ہونے کے ناتے تمہیں ان سے اس طرح بی ہیو نہیں کرنا چاہئے۔" وہ بہت چٹخی ہوئی لگ رہی تھی۔

اسے بھی غصہ آ گیا۔

"کالج فیلو تو ہزاروں ہیں کیا ہر ایک سے لگاوٹ سے باتیں کرتی پھرو گی۔ چلو کلاس شروع ہونے والی ہے۔" اس نے پھر اس کی طرف دیکھا مگر وہ سر جھٹک کر رخ موڑ کر بولی۔

"نہیں' تم جاؤ' میں بعد میں آ جاؤں گی۔ ایک پریڈ نہ لینے سے قیامت نہیں آ جائے گی۔"

وہ بے یقینی سے اسے دیکھتی رہ گئی پھر ہلکے سے سانس بھر کر سر ہلا دیا۔

آخر دل کا معاملہ تھا۔ اسے احساس ہوا کہ علینہ نے اس سے تو صرف دوستی کی ہے۔ دل تو اس نے عبید انصاری کو دے رکھا ہے اور عاقبت نااندیش' دل کا کہنا ہی تو مانتے ہیں۔

وہ اپنا بیگ اٹھا کر اس پر ایک متاسفانہ نگاہ ڈال کر چلی گئی پھر ساری کلاسیں اس نے اکیلی ہی لیں اور اس سے ملے بغیر گھر چلی گئی۔

دوسرے روز اس کے نہ آنے پر علینہ بے حد گلٹی فیل کرتی رہی۔ رہ رہ کر اسے خیال آ رہا تھا کہ اسے عبید انصاری کے سامنے شیزا کی بے عزتی نہیں کرنی چاہئے تھی مگر شیزا کو بھی تو سمجھنا چاہئے نا جب کہ وہ جانتی ہے کہ وہ عبید کو کتنی شدتوں سے چاہتی ہے پھر وہ کیوں جان کر اس سے مس بی ہیو کر کے اس کا دل دکھاتی ہے اور دوستی میں رنجشیں پیدا کر رہی ہے۔

اس نے کئی بار اس کو فون کرنے کا سوچا مگر ہمت نہ ہوئی۔

شیزا اس کے بعد بھی کئی دنوں تک کالج نہ آئی مگر ادھر وہ اپنے ہی مسئلے میں الجھ کر اسے فراموش کر بیٹھی۔ اس کے گھر میں اس کا سلسلہ اس کے کزن سے چلنے والا تھا۔ علینہ کے گ والوں کا خیال تھا علینہ کو اس کے چچا زاد سے منسوب کر دیا جائے اور اس کے پاس اپنے ار زاد کو مسترد کرنے کا کوئی جواز بھی نہیں تھا۔ وہ ایک قابل سرجن تھا اور آج کل اپنی پریکٹس میں مصروف تھا' خوبصورت تھا' ویل آف فیملی سے تعلق تھا۔ فطرتاً سلجھا ہوا اور محبت کرنے والا شخص تھا اور اسکی طرف سے علینہ پر تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنے کی بھی اجازت تھی مگر یہ ساری خوبیاں علینہ کو اپنا اسیر کرنے کی بجائے دن بدن اسے کوفت میں مبتلا کر رہی تھیں۔ اس نے عبید انصاری پر زور دینا شروع کر دیا کہ وہ اپنا پروپوزل بھیجے جبکہ عبید انصاری کا تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد کہنا تھا کہ۔

''اس کا پرپوزل اس کے گھر والوں کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھے گا۔ اول تو وہ ابھی زیر تعلیم ہے' پھر وہ تنہا اس شہر میں تھا' اس کے ماں باپ یہاں نہیں تھے۔ اگر اس کے بلانے پر آ کر علینہ کے گھر اس کا پیام لے کر بھی گئے تو علینہ کے بھائی اس کو قابل اعتنا نہیں سمجھیں گے اور ہوسکتا ہے علینہ کی طرف سے بدگمان ہو کر اسے کالج سے اٹھالیں اور چچازاد سے شادی جلد از جلد کردیں۔ یوں وہ دونوں ہی بے اختیار ہوجائیں گے اور کچھ نہ کرپائیں گے۔''

''دیکھو علینہ' جذبات سے نہیں' سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا پڑے گا۔'' وہ اسے ایک مقامی پارک میں لے آیا تھا۔ ایک درخت کے نیچے بینچ پر بیٹھے اس مسئلے پر الجھے ہوئے تھے۔

''سوچ سوچ کر تو میں پاگل ہوگئی ہوں عبید۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر رو پڑی۔

''دیکھو اس طرح آنسو مت بہاؤ۔ تمہاری آنکھ سے نکلا ہوا ہر موتی میرے لئے بہت قیمتی ہے۔ انہیں یوں مٹی میں مت رولو۔'' وہ اپنائیت اور محبت آمیز انداز میں اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔

علینہ کا دل اسکی محبت میں تڑپ تڑپ اٹھا۔ اس نے جذباتی انداز میں عبید انصاری کے ہاتھ تھام لئے۔

''میں تمہارے علاوہ کسی کی نہیں ہوسکتی عبید۔ چاہے اس کے لئے مجھے کوئی بھی قدم اٹھانا پڑے۔ میں نے صرف اور صرف تمہارے خواب دیکھے ہیں اور میں اپنے خوابوں میں کسی کو زہر بھرنے نہیں دوں گی۔ میری زندگی میری اپنی ہے' اسے میں اپنی مرضی کے مطابق گزارنا چاہتی ہوں۔'' اس پر عبید انصاری کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ عبید انصاری کچھ دیر اسکی طرف دیکھتا رہا جیسے کسی نتیجے میں پہنچنا چاہ رہا ہو پھر پرخیال انداز میں بولا۔

''مثلاً کیا قدم اٹھاسکتی ہو تم میرے لئے؟'' اس کا سوال غیر متوقع تھا شپٹادینے والا۔ وہ اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ فوری طور پر کچھ نہ کہہ سکی۔ پھر پلکیں جھکا کر سینڈل کی نوک سے زمین کریدنے لگی۔

''سب کچھ جو تم کہو۔ جس میں میری خوشیاں پنہاں ہیں۔ میں وہ ہر قدم اٹھاسکتی ہوں جو مجھے تم سے قریب کردے۔''

عبید انصاری نے بے حد محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے حلاوت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اس کا نرم ملائم ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھ کر ہولے سے دبایا۔

تم نہ ملو تو جان شبستان مشام ہماری شام نہیں
آنکھیں دو ویران دریچے' دل کو کہیں آرام نہیں
تم ساگر ہو تم سورج ہو' تم جنگل ہو تم خوشبو ہو
میں وہ روح تماشائی ہوں جس کا کوئی نام نہیں
سبز ہوا میں کیسے کیسے' رنگ بکھرتے جاتے ہیں
کون کہے گا خوشبو خوشبو ملنے کا پیغام نہیں
ان دیکھے رنگوں کی چاہت جنگل جنگل جاتی ہے
کار محبت سے بڑھ کر تو ہم کو کوئی کام نہیں

اس کی پلکیں شرم سے لرزنے لگیں اور دل تمنا کے سیل شوق میں بہنے لگا۔ وہ الفاظ کی اضام گری سے اسے متاثر کررہا تھا اور اپنے جذبے عیاں کررہا تھا وہ تندو تیز ندی کے اس بہاؤ میں کمزور تنکے کی طرح بہنے لگی۔

''کوٹ میرج کروگی مجھ سے؟'' وہ کئی لمحے کی خاموشی کے بعد اس کی آنکھوں میں براہ راست جھانکتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ وہ سن سی بیٹھی رہ گئی۔

تاحال ''ہر قدم'' اٹھالینے کا عزم جیسے بھاپ بن کر اڑنے لگا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہونے لگی۔

''اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے علینہ! یا پھر تم اپنے کزن سے شادی کرلو یا......''

''نہیں..... عبید میں تمہارے علاوہ....'' وہ یکلخت پھر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ عبید انصاری گہری سانس بھر کر اسے تکنے لگا پھر سرد مہری سے بولا۔

''رونا مسئلے کا حل نہیں ہے۔ تمہیں حوصلے سے قدم اٹھانا ہوگا بولو کیا کہتی ہو۔''

''تم ایک بار پروپوزل لے کر تو آؤ۔ میں فائٹ کروں گی تمہارے لئے۔ میرے بھائی مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔''

''ان کی محبت اس وقت جھاگ بن کر بیٹھ جائے گی اور وہ مجھے گولی سے اڑادیں گے۔ پاگل لڑکی اور تمہیں' تمہیں قید کردیں گے' تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔'' اس نے آخر میں غصیلی نظریں اس پر ڈالیں۔ ''یاد رکھو انہیں ذرا سا بھی شبہ ہوگیا تو وہ فوراً تمہارا نکاح تمہارے کزن سے کردیں گے اور میں' میں ہاتھ ملتا رہ جاؤں گا۔''

''خدانہ کرے میں' میں کوئی ناسمجھ بچی تو نہیں ہوں کہ نکاح نامے پر سائن کردوں گی۔''

وہ کرب سے لب دانتوں میں دبا کر رہ گئی۔

''اینی وے۔ سوچ لو تم۔ پھر مجھے اپنا فیصلہ' سنا دینا۔ میں نے یہ آفر اس لئے کی ہے کہ کہیں تم مجھے فراڈی' بے وفا' وغیرہ نہ سمجھو۔ میں نے بھی تم سے محبت کی ہے اور تمہیں پانا چاہتا ہوں۔ جبکہ اب ہمارے پاس یہی حل رہ گیا ہے ایک دوسرے سے عہد نبھانے کا۔''

وہ بینچ سے اٹھ گیا اور جیب سے بائیک کی چابی نکالی۔ وہ مرے مرے قدموں سے اس کے ساتھ چل پڑی۔

سوچ سوچ کر اس کے دماغ کی رگیں چٹخنے لگی تھیں۔ کچھ سوچ کر شیزا سے رابطہ کیا تو پتا چلا اس کے باپ کی طبیعت بہت خراب ہے وہ ہاسپٹلائز ہیں۔ شیزا بھی انہیں کے پاس ہے۔ وہ بری طرح نادم ہو گئی۔ اپنے مسئلے میں گھر کر اس نے شیزا کو بالکل ہی فراموش کر دیا تھا۔ وہ تو اس کی کالج کی غیر حاضری کو اس کی ناراضگی خیال کرتی آ رہی تھی۔

دوسرے روز وہ کالج پہنچی تو عبید نے ہی اسے صبح صبح یہ منحوس خبر دی کہ شیزا کے پاپا کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس کی کلاس فیلو لڑکیاں اس خبر پر رنجیدہ تھیں اور شیزا کے گھر جانے کا پروگرام بنا رہی تھیں۔ وہ بھی دل پر بھاری بوجھ لئے ان کے ہمراہ اس کے گھر چلی آئی۔

شیزا کی حالت بہت غیر ہو رہی تھی۔ کئی دنوں سے اعصاب شکن حالات نے پہلے ہی اسے ادھ موا کر دیا تھا۔ وہ اس وقت اجڑی اجڑی ویران دکھائی دے رہی تھی۔ علینہ کے دل پر چوٹ سی پڑی۔ وہ اس سے لپٹ کر خود بھی رو پڑی۔

اسے شیزا کے باپ کی بیماری کا پتا تو تھا کہ وہ جگر کے کسی عارضے میں مبتلا ہیں مگر یوں یکدم منہ ہی موڑ جائیں گے اور شیزا یتیم ہو جائے گی اس کا تو تصور بھی نہ تھا۔

بہت کڑا وقت تھا جو شیزا پر آیا تھا مگر وقت خود مرہم ثابت ہوتا ہے وہ وقتی طور پر اپنے مسائل سے نکل کر شیزا کی دل جوئی کرنے لگی۔ کالج کے لئے نکلتی مگر پھر سیدھی شیزا کے یہاں آ جاتی۔

اس روز شیزا نے اسے منع کیا۔

''تمہاری پڑھائی کا حرج ہوتا ہے علینہ' یوں مت آیا کرو۔ ہمارا کیا ہے بہل ہی جائیں گے۔''

''میرے دل پر بہت بوجھ ہے شیزا' میں اپنا بوجھ ہلکا کرنے آ جاتی ہوں۔'' وہ آزردگی سے بولی اور سپارہ اونچائی پر رکھ کر دیوار سے لگ کر بیٹھ گئی۔

''کیا بات ہے علینہ کوئی پریشانی ہے؟'' اس نے چونک کر اس کا چہرہ دیکھا اور حیران رہ گئی۔ وہ چند دنوں میں ہی کملا کر رہ گئی تھی۔ آنکھوں کے گرد گھیرے سیاہ حلقے تھے جو رات رات بھر جاگنے کی غمازی کر رہے تھے۔

''حمزہ کا تو ذکر میں نے تم سے کیا تھا نا میرا چچازاد' اس سے میری منگنی کر رہے ہیں گھر والے بلکہ چچا جان تو نکاح پر زور دے رہے ہیں۔'' وہ اپنا درد عیاں کر بیٹھی۔ شیزا کے لبوں سے بے اختیار ایک گہری سانس خارج ہو گئی۔

''اب کیا چاہتی ہو تم؟'' وہ جائے نماز لپیٹ کر اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

''کیا تم نہیں جانتیں؟'' اس نے آزردگی سے شیزا کے اس استفسار پر اسے دیکھا پھر بولی۔ ''عبید کے علاوہ کسی اور کا تصور بھی نہیں کر سکتی میں' میں نے خواب اسی کے دیکھے ہیں' زندگی اس کے اس کے ساتھ گزارنے کی خواہش مند ہوں' میں منافقانہ زندگی نہیں گزار سکتی شیزا۔''

''آہ' وہی فلمی ڈائیلاگ۔'' شیزا متاسفانہ انداز میں سانس بھر کر رہ گئی پھر قالین پر انگلیاں پھیرنے لگی۔

''جب حقیقت کی سخت دھوپ سر پر پڑتی ہے نا تو سارے خواب پگھل کر صرف پسینہ بن کر رہ جاتے ہیں۔ خواب عذاب بن جاتے ہیں۔ زندگی خواہش کے مطابق کون گزار سکا ہے۔ نہ شاعر نہ عاشق' نہ معشوق' نہ امیر نہ غریب' نہ عالم نہ جاہل نہ عورت نہ مرد۔ زندگی ہمیں گزارتی ہے۔ ہم زندگی کو نہیں گزارتے' یہ سب الفاظ ہیں جو ہم محض روندتے رہتے ہیں۔ یہ بہلاوے ہیں جو ہم خود کو دیتے رہتے ہیں بلکہ دھوکے ہیں جو اپنے ساتھ دوسروں کو بھی دیتے ہیں۔'' اس نے ایک گہری سانس بھر کر علینہ کی طرف دیکھا جو اسے رحم طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی مگر اس کے پاس تسلیاں اور بہلاوے نہیں تھے جو وہ علینہ خان کو دیتی' نہ ایسے غلط مشورے دے سکتی تھی کہ ساری عمر اپنے ضمیر کے ساتھ اور پھر حشر کے دن خدا کے آگے شرمسار رہتی۔

''شیزا پلیز۔ کوئی مشورہ دو۔ کچھ حل بتاؤ۔ پلیز کچھ کہو' مجھے کیا کرنا چاہئے' عبید بھی پرپوزل بھیجنے سے خوفزدہ ہے اور ٹھیک ہی ہے اس کے اندیشے بھی بے جا نہیں ہیں۔'' وہ سخت مضطر نظر آ رہی تھی۔ امی چائے بنا کر دے گئی تھیں۔ شیزا نے ایک کپ اٹھا کر اس کے آگے رکھا اور دوسرا خود اٹھا کر ہلکے سپ لیتے ہوئے بولی۔

''پہلی بات علینہ یہ کہ زندگی پر ہماری نہیں تقدیر کی حکمرانی ہے' دوسری بات یہ کہ بقول مفکر دنیا کو بیماریوں' سیلابوں' آندھیوں اور زلزلوں نے اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا غلط مشوروں

نے' سو میں تمہیں غلط مشورہ نہیں دے سکتی۔ اس میں تمہاری ہی نہیں میری بربادی بھی ہے۔''

''تو صحیح مشورہ ہی دو۔ پلیز مگر دو ضرور۔'' وہ مضطرب ہوگئی۔

''افسوس علینہ کہ میرا صحیح مشورہ تم قبول نہیں کرو گی۔'' وہ دیوار سے لگ کر بیٹھ گئی اور علینہ کے چہرے سے نظریں ہٹا کر چائے کے مگ سے نکلتی بھاپ پر جما دیں۔ ''کہ عقل مندوں کو نصیحت کی ضرورت نہیں ہوتی اور بے وقوف اسے قبول نہیں کرتے۔''

علینہ اس کی طرف دیکھتی رہی۔

''تمہارے خیال میں مجھے گھر والوں کی بات مان لینی چاہئے یہی کہنا چاہتی ہو نا تم۔ ناپسندیدہ شخص حمزہ سے شادی کر لینی چاہئے تاعمر سلگنے کڑھنے کے لئے۔'' اس نے جھلا کر اپنا بیگ اٹھا کر گود میں رکھا اور کھڑی ہونے کے لئے پر تولنے لگی۔

شیزا اس کی شاکی نگاہوں کی قطعی پروانہ کرتے ہوئے بولی۔

''اگر تمہاری تقدیر میں سلگنا اور کڑھنا لکھا ہوگا تو وہ عبید انصاری کی ہمراہی میں بھی پورا ہوگا۔ خوشیاں تقدیر میں لکھی ہوتی ہیں۔''

''اونہہ' تقدیر پر تکیہ بزدل لوگ کرتے ہیں۔ میں محض ایسے فلسفے میں الجھ کر عبید کو کھونے سے تو رہی۔'' وہ ناراض ناراض سی کھڑی ہوگئی۔

''علینہ پلیز' کوئی انتہائی قدم اٹھانے کی کوشش مت کرنا۔'' شیزا اٹپٹا کر کھڑی ہو کر اس کے پیچھے لپکی۔ اچھا سوؤ میں تمہاری مدد کروں گی مگر پلیز تھوڑا صبر کرو اور مجھ پر بھروسہ کرو۔''

وہ اسے اسی غصے میں جانے دینا نہیں چاہتی تھی وہ اس کی جذباتی فطرت سے آگاہ تھی۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں۔ بس کچھ دن ٹھہر جاؤ۔ میں کالج آتی ہوں تو اس مسئلے کا حل مل کر ڈھونڈتے ہیں۔'' اس نے نرمی اور اپنائیت کے ساتھ اس کا ہاتھ چھوا تو آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر رخساروں پر لڑھکنے لگے۔

''شیزا! مجھے واقعی تمہاری مدد اور ہمدردی کی ضرورت ہے۔ میں بہت تنہا ہوگئی ہوں۔ بہت زیادہ تنہا۔'' پھر وہ پلٹ کر اپنی گاڑی کھول کر بیٹھ گئی۔ باوردی ڈرائیور جو اس کا منتظر تھا' اس کے بیٹھتے ہی گاڑی بھگانے لگا۔

یہ چند روز علینہ کے لئے پہاڑ ثابت ہوئے اس کے پاس شیزا کا انتظار کرنے کا وقت ہی نہیں تھا' اس کے مسلسل انکار پر گھر والوں کا ماتھا ٹھنکا تھا اور مشکوک طور پر اس کے کمرے کی تلاشی پر عبید انصاری کے خطوط' کارڈز' وغیرہ اس کی دراز سے ہاشم بھائی کے ہاتھ لگ گئے تھے بس

پھر کیا تھا۔

ہاشم بھائی نے دو روز بعد آنے والے جمعے کو ہی اس کا نکاح رکھ دیا۔ خاندان بھر میں دعوتیں دے دی گئیں۔ اسے بھی باخبر کر دیا گیا کہ اگر چوں چرا کی تو بری طرح پیش آیا جائے گا۔ کالج جانے پر پابندی لگا دی گئی۔

اس کے نکاح کی ساری تیاریاں بھابی نے ہی کیں۔ علینہ کو لگا جیسے اس کے بال و پر کاٹ دیئے گئے ہوں۔ وہ مجروح پرندے کی طرح پھڑ پھڑانے لگی۔ اس کا موبائل ہاشم بھائی نے لے لیا اور اس کے کمرے کا فون بند پڑا تھا۔

مگر وہ یہ بازی ہارنا نہیں چاہتی تھی۔ جذبات کی یورش نے اسے باغی کر دیا۔ اس قیدو بند نے اس کے اندر مدافعت کا جذبہ بیدار کر دیا۔ وہ رات کو چپکے سے کوٹھی سے نکل آئی اور سیدھی عبید انصاری کے فلیٹ پر پہنچی۔ عبید انصاری اسے اتنی رات گئے اپنے دروازے پر دیکھ کر سٹپٹا گیا۔

''تت..... تم..... علینہ..... اس وقت؟''

''ہاں' مجھے اندر آنے دو۔''

''م..... مگر اندر..... اندر تو میرے دوست ہیں اور میرے کچھ مہمان جو گاؤں سے آئے ہوئے ہیں۔ یہاں ٹھہرے ہیں۔ تمہیں..... نہیں اس طرح تمہیں آنا چاہئے۔ صبح بھی ہم مل کر اس مسئلے پر کوئی حل سوچ سکتے تھے۔'' اس پر حواس باختگی طاری تھی۔

''ہاں' کل صبح تک مسئلے کا حل خود ہی مل جاتا۔ تمہیں میرا جنازہ ملتا یا پھر مسز حمزہ بنی میں تم سے ملتی۔ علینہ بہر حال تمہیں نہ ملتی۔ سمجھے تم۔ نکاح ہو رہا ہے کل' میرا مسٹر جن حمزہ احمد سے۔ اب کیا یہیں کھڑے کھڑے پوری داستان سنو گے یا مجھے اندر آنے بھی دو گے۔''

''مگر اندر تو مہمان ہیں۔'' وہ اس افتاد پر سخت پریشان دکھائی دینے لگا پھر یکلخت کوئی خیال بجلی کی تیزی سے آیا تو سنبھل کر بولا۔

''اچھا تم یہیں ٹھہرو میں اپنی بائیک کی چابی لے کر آتا ہوں۔ کہیں نہ کہیں تو ٹھکانہ مل ہی جائے گا۔ تمہارا اندر آنا میری عزت کا جنازہ نکلنا ہوگا۔''

''میں بھی اپنی عزت داؤ پر لگا کر آئی ہوں عبید۔'' وہ روہانسی ہوگئی۔ وہ کہیں بیٹھ کر بہت سارونا چاہتی تھی۔

''میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ تمہاری عزت میری عزت ہے۔ ڈونٹ وری میں تمہیں باحفاظت کسی جگہ پہنچانے کا ذمہ دار ہوں۔ تم بس دومنٹ ٹھہرو۔'' وہ عجلت میں کہتا' واپس اندر چلا

گیا اور کچھ دیر بعد لوٹا تو کپڑے بھی بدل چکا تھا۔ ہاتھ میں بائیک کی چابی تھی۔

''چلو آؤ۔'' اس نے احتیاط سے دروازہ بند کیا اور اسے لے کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

''مگر.... مگر ہم جائیں گے کہاں؟ تمہارے پاس اور کون سا ٹھکانہ ہے۔''

''یہی تو سوچنا ہے' فیصل کا بھی بھرا پرا گھر ہے اور اتنی رات کو ہمیں کرائے کا کوئی گھر بھی ملنے سے رہا۔ ظاہر ہے یہ سارا انتظام تو دن میں ہی ہو سکتا ہے۔'' وہ سوچوں میں گم سیڑھیاں اترنے لگا تب علینہ کو شیزا کا خیال آیا۔

''کیوں نہ شیزا کی طرف چلیں۔''

''کیا آ..... شیزا کی طرف؟''

''ہاں۔ اس نے مجھ سے مدد کا وعدہ کیا تھا' وہ ضرور میری ہیلپ کرے گی۔ کم از کم رات تو ہم گزار سکتے ہیں۔''

عبید انصاری کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ اس نے یہی مناسب سمجھا اور بائیک شیزا کے گھر کی طرف ڈال دی۔

شیزا اندھیری رات کو اپنے دروازے پر علینہ اور عبید انصاری کو دیکھ کر بھونچکا رہ گئی۔ اسے علینہ کا چہرہ ایک سفاک عقاب کا چہرہ دکھائی دیا۔ جسے صرف اور صرف اپنے شکار اپنے مفاد کا احساس ہوتا ہے اور کسی کی تڑپ کا نہیں مگر وہ اس کے معزز اور عزت دار گھر والوں کی بے بسی اور تڑپ کا اندازہ کر سکتی تھی۔

''صرف ایک رات ہی تو گزارنی ہے۔ صبح سویرے چلے جائیں گے ہم۔''

علینہ کے جملے بم تھے جو اس کی سماعت پر بلاسٹ ہوئے تھے۔ اسے اپنے اعصاب بکھرتے ہوئے محسوس ہوئے۔

''نہیں' ہرگز نہیں یہ گھر ہے' گھر سے بھاگنے والوں کے لئے سرائے نہیں۔'' وہ دروازے پر مضبوطی سے جم گئی اور علینہ کو متاسفانہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''تمہیں اندازہ ہے تم کیا کرنے چلی ہو اور اس شخص کو جسے تمہاری عزت کا پاس نہیں' اس سے شادی کرنے چلی ہو۔'' اس نے حقارت آمیز نظر عبید انصاری پر ڈالی۔

''رات کی تاریکی میں بھگانے والا رہبر نہیں' لٹیرا ہوتا ہے علینہ' واپس لوٹ جاؤ۔ پانی ہمیشہ وہیں بہتا اچھا اور صاف رہتا ہے جہاں اس کا راستہ ہو۔ غلط راستے پر بہنے والا پانی سوکھ کر اپنا

وجود مٹا دیتا ہے یا پھر جم کر جوہڑ بن جاتا ہے۔''

''تم پناہ نہیں دے سکتیں تو اپنے واعظ اور نصیحت بھی اپنے پاس رکھو' میں تو تمہیں دوست سمجھ کر آئی تھی' پتا نہیں تھا کہ تم بیگانے سے بھی زیادہ ہو۔'' علینہ پر جھنجھلاہٹ سوار ہو گئی۔

اس پر تو یوں بھی کبھی شیزا کی نصیحتوں کا اثر نہ ہوا تھا اس وقت تو وہ **مکمل طور** پر اپنے جذبوں کی اسیر تھی۔

''علینہ پلیز۔'' شیزا نے اسے واپسی کے لئے پلٹتے دیکھ کر پکارا پھر عبید انصاری کی طرف دیکھا جو پہلے ہی پلٹ چکا تھا۔

''پلیز عبید۔ اسے واپس گھر چھوڑ آؤ۔ تمہیں خدا کا واسطہ یہ تو پاگل ہے جذباتی ہے **مگر** تم تو۔''

''آؤ عبید۔'' وہ جھٹکے سے عبید کا ہاتھ پکڑ کر اس کی بائیک کی طرف بڑھ گئی۔

شیزا پکارتی رہ گئی مگر عبید انصاری بائیک اڑا کر پیچھے دھول چھوڑ گیا۔

''کون تھا شیزا بیٹی؟'' امی دروازے تک آئیں۔ ''اتنی رات گئے دروازہ کیسے کھولا ہے تم نے؟''

وہ پلٹی اس کا چہرہ لال ہو رہا تھا پھر یکدم وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر رو پڑی۔

''شیزا۔'' امی نے گھبرا کر اس کا کندھا ہلایا تو وہ ان سے لپٹ کر اور زور و شور سے رونے لگی۔

''علینہ نے ایسا کیوں کیا امی۔ وہ.... وہ.... یہاں آئی تھی' عبید کے ساتھ پناہ لینے۔ وہ اپنا گھر' اپنی اصل پناہ گاہ کو چھوڑ کر چلی آئی ہے۔''

امی دم بخود رہ گئیں۔

''میں نے اسے اندر نہیں آنے دیا۔ میں نے اچھا کیا یا برا۔ میں نہیں جانتی مگر بس اتنا چاہتی ہوں کہ اسے کہیں پناہ نہ ملے اور وہ.... گھر لوٹ جائے۔ آخر وہی تو اصلی پناہ گاہ ہے' جہاں بچپن سے لے کر آج تک اسے تحفظ ملا ہے۔ اس سے زیادہ محفوظ جگہ اور کون سی ہو سکتی ہے امی۔''

امی اسے تھپکنے لگیں۔ وہ اسے اندر لے آئیں اور خود بھی سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

''خواہشوں کے تلاطم میں سرشار بڑھنے والا اس بات سے بے خبر ہوتا ہے کہ وہ منزل

کی جانب بڑھ رہا ہے یا سراب کی طرف۔

سود و زیاں کا حساب تو بعد میں لگایا جاتا ہے' جب یہ طوفان تھمتا ہے پھر کھونے کا احساس آگ بلکہ روح کو جھلسانے لگتا ہے۔'' امی نے ایک پرملال سانس بھر کر شیزا کو پانی پلایا۔

''عورت ذات تو پتنگ کی طرح ہے' ڈور سلامت رہے تو آسمان کی وسعتوں میں پرواز کرتی ہے' ڈور ٹوٹ جائے تو پستی میں اتر جاتی ہے۔ پھر اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ پگلی یوں رونے سے کیا حاصل' دعا کرو اس کے لئے کہ خدا اسے عقل دے۔ نفس کے بے لگام گھوڑے کو لگام نہ دی جائے تو یہ یونہی منہ کے بل گراتا ہے۔''

''مگر یہ باتیں وہ کیوں نہیں سمجھ پائی آج تک۔'' وہ رنج و دکھ سے بولی۔ وہ علینہ کے گھر والوں پر ٹوٹنے والی قیامت کا احساس کر کے بری طرح بکھر رہی تھی۔

علینہ کے اندھیری رات ایک غیر نامحرم کے ساتھ جانے پر ہزار اندیشے اسے لرزا رہے تھے۔

عبید انصاری کو علینہ خان کتنا جانتی تھی' صرف یہ کہ وہ اس کا عاشق تھا۔ اس کے لئے قصیدہ لکھتا تھا' اس کی تعریفوں میں لفظوں کو روندتا رہتا تھا۔ اس کا کالج فیلو تھا۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ اس کا خاندان کیا ہے؟ اس کے خاندان والے کیسے ہیں؟ خود اس کا کردار' اس کا مزاج' اس کا رہن سہن کیسا ہے؟ وہ لاعلم تھی۔

دل حد سے زیادہ مضطرب ہونے لگا تو وہ وضو کر کے جائے نماز لے کر بیٹھ گئی۔

صبح ہوتے ہی کالج دوڑی آئی۔ شاید علینہ رات گھر واپس چلی گئی ہو۔ عبید انصاری اسے چھوڑ آیا ہو مگر نہ علینہ اسے کالج میں دکھائی دی نہ عبید انصاری۔ وہ پاگلوں کی طرح اس کے ایک ایک دوست جاننے والے' کلاس فیلو سے' عبید انصاری کا پوچھتی رہی مگر سب نے یہی کہا وہ آج کالج نہیں آیا ہے۔

دوسرے روز بھی وہ یہی آس لئے آئی کہ علینہ اسے نظر آ جائے۔

مگر اس وقت اس کا دم رکنے سا لگا جب علینہ کی بجائے اس کے بھائی ہاشم خان سے ملاقات ہو گئی۔ وہ خصوصی طور پر اسی سے ملنے آیا تھا' اس کا ملاقاتی بن کر۔ اسے دیکھتے ہی شیزا کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ حالانکہ وہ ڈراؤنا بالکل بھی نہیں تھا مگر مارے خوف کے وہ کانپنے لگی۔

''میں علینہ کے بارے میں آپ سے پوچھنے آیا ہوں۔'' وہ چھوٹتے ہی بولا۔

''مم..... مگر میں کچھ نہیں جانتی۔''

''کیا نہیں جانتیں؟'' استہزائیہ انداز میں اس کے تیز گلابی' مضبوط ہونٹ وا ہو گئے۔

''کک' کیا پوچھنا چاہ رہے ہیں آپ؟'' وہ ٹپٹا کر نظریں جھکا گئی۔

''وہی جو آپ جانتی ہیں۔''

''کیا جانتی ہوں میں؟'' وہ اپنے اندر ہمت پیدا کرتے ہوئے بولی مگر اسے لگا اسکی آواز لڑکھڑا رہی ہے۔ اس کا چہرہ اعتماد سے عاری تھا اور یہی بات ہاشم خان کو اس کی طرف سے مشکوک کر رہی تھی۔

''دیکھو لڑکی۔ علینہ کی تم واحد سہیلی ہو۔ میں نے مکمل معلومات کروالی ہیں' سب کا یہی کہنا ہے کہ اس کی صرف اور صرف تم ہی دوست رہی ہو۔''

''ہاں' اس میں کوئی شک نہیں ہے۔'' وہ تھوک نگل کر بولی۔

''تو پھر تم ہی جانتی ہو یہ اچھی طرح کہ وہ کہاں گئی ہے اور کس کے ساتھ بلکہ میں سو فیصد یقین سے کہہ سکتا ہوں تمہاری مدد سے ہی اس نے یہ بغاوت کی ہے۔''

''وہاٹ۔'' وہ اس الزام پر اچھل پڑی۔ اس کا چہرہ ایک دم غصے سے سرخ ہو گیا۔

''آپ مجھے بلیم کر رہے ہیں کہ میں نے اسے گھر سے بھگایا ہے۔''

''ہاں' اس لئے کہ دوست ہی عموماً دوست کے کام آتے ہیں۔'' وہ طنز سے ہنسا۔ دوسرے پل اس کے جبڑے سختی سے بھینچ گئے۔ وہ اس کی طرف قدرے جھک کر دبی زبان میں غراتے ہوئے بولا۔

''دیکھو لڑکی۔ زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرنا۔ علینہ اور وہ خبیث عبید انصاری کو تو میں پاتال سے بھی کھینچ لاؤں گا مگر تمہاری زندگی بھی درگور ہو جائے گی۔ شرافت سے مجھے اس جگہ کا پتا بتادو جہاں وہ دونوں موجود ہیں۔''

''علینہ میری فرینڈ ضرور تھی مگر میں نے اس کی حوصلہ افزائی کبھی نہیں کی بلکہ ہمیشہ اس عبید انصاری سے ملنے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی رہی ہوں۔'' وہ اس کی دھمکی کو تحمل سے سہہ کر بولی تو ہاشم خان نے اسے یوں دیکھا جیسے کچا چبا جائے گا۔ اس کا خوبصورت چہرہ شیزا کو کسی ڈریکولا کا چہرہ دکھائی دینے لگا۔ وہ سہم سی گئی۔

''آپ یقین کریں میں نے اسے.....''

''ٹھیک ہے میں تمہیں ایک دن دیتا ہوں تم سوچ لو' کہ ہمارے ساتھ تعاون کرو گی یا اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنا چاہو گی۔ انگریزی کا ایک مقولہ ہے کہ ''کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی وقت

کوئی کام پہلی مرتبہ ہوتا ہے۔'' اور تمہارے ساتھ جو ہوگا وہ بھی شاید پہلی بار ہی پیش ہوا ہوگا۔''
الفاظ کے انگاروں کے ساتھ وہ اپنی بھوری آنکھوں کے شعلے بھی اس پر برسا کر چلا گیا۔ وہ کتنی دیر کھڑی ایک نادیدہ خوف سے کانپتی رہی۔

اسے تو گمان بھی نہ تھا کہ علینہ کا اپنے پیچھے چھوڑا ہوا طوفان اس کی طرف بڑھے گا' اسے اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

دوسرے روز وہ کالج جانے کی ہمت ہی نہ کر سکی۔ امی تو علینہ کی کوئی خبر سننے کی منتظر تھی کہ وہ کالج سے آ کر کوئی اچھی خبر دے گی کہاں وہ یہ خوفناک خبر لے کر لوٹی تھی اب تو باپ کا سایا بھی سر پر نہیں تھا۔ کس سے مدد لیتی۔ نہ بھائی نہ بہن نہ ددھیال نہ ننھیال' ایک ہمدرد' غمگسار ماں ہی تھیں مگر وہ بھی عورت ذات۔ اس کا ڈر کیا دور کرتیں خود بھی سہم گئیں۔ بلکہ ماں ہونے کے ناطے انہیں اور زیادہ وہم اور خدشے لگ گئے۔

''بس اب تمہیں کالج جانا ہی نہیں ہے۔ بھاڑ میں جھونکو اس پڑھائی کو۔ آبرو جگ میں رہے تو بادشاہی جانو بیٹا۔'' انہوں نے فیصلہ سنا دیا۔ اس نے بھی مان لیا اس کے خیال میں اسی میں عافیت تھی۔ مگر جب دوسرے روز شام کو ایک لمبی سی گاڑی اس کے دروازے پر رکی اور اس میں ہاشم خان کو اترتا دیکھا تو وہ کھڑکی میں کھڑے کھڑے سرتاپا کانپ اٹھی۔ علینہ کا باوردی ڈرائیور بت کی طرح ڈرائیونگ سیٹ پر جما بیٹھا تھا اور ہاشم خان اس کا دروازہ بجا رہا تھا۔

اس نے چاہا وہ چیخ کر ماں کو دروازہ کھولنے سے روک دے مگر اس کے قدم ہلنے کی سکت بھی نہ کر سکے۔ کہ کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ محض ایک لکڑی کا تختہ ہی تو تھا جسے بجایا ہی نہیں ڈھایا بھی جا سکتا تھا۔

''دیکھو بی بی' ہم عورت کی بہت عزت کرتے ہیں مگر جب عورت ہی اپنی عزت کی دشمن ہو جائے تو کوئی کیا کرے۔ اس احمق لڑکی سے کہو کہ وہ ہمارے ساتھ تعاون کرے۔ ہم علینہ کے بھائی ہیں اس کے دشمن نہیں ہیں' وہ ہماری عزت ہے اور اپنی عزت کی حفاظت ہم دس جانیں لے کر بھی کرتے ہیں۔'' ہاشم خان کی آواز اس کی کنپٹیوں پر موجود برف جیسے بالوں کی طرح برفیلی تھی بلکہ اس کی پوری شخصیت ہی برف محسوس ہو رہی تھی۔ شیزا کو اپنی رگوں میں خون جمتا ہوا محسوس ہوا۔

''میری بچی کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ نہیں جانتی کہ علینہ کدھر گئی ہے۔ آپ عبید انصاری کے دوستوں سے پتا کروائیں۔'' امی اس کے لئے ڈھال بننے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''ٹھیک ہے آپ لوگ گفتگو زبان نہیں سمجھتی۔ تو نہ سہی۔ میرے پاس اور بھی بہت سے طریقے ہیں زبان کھلوانے کے'' وہ دھپ دھپ کرتا شیزا کے کمرے کی طرف بڑھا اور پورے زور سے دروازے کو دھکیلا تو مارے خوف کے دیوار سے لگی کھڑی شیزا کی چیخ نکل گئی۔ وہ دوڑ کر باہر آئی اور امی سے لپٹ گئی۔

''نہیں.... نہیں خدا کے لئے' میں سچ کہہ رہی ہوں میں کچھ نہیں جانتی۔'' اس کی آواز خوف سے پھٹ گئی۔ مگر ہاشم خان اس کی طرف بڑھا۔

''میں نے کہا نا مجھے زبان کھلوانے کے اور بھی کئی طریقے آتے ہیں۔''

اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر شیزا کا لہو گویا جم گیا۔

''امی.... امی مجھے بچالیں۔ اس سے بچالیں امی۔'' وہ امی سے لپٹ کر چیخنے لگی تب امی نے چیخ کر ہاشم خان کے بڑھتے ہاتھ جھٹک دیئے۔

''ٹھیک ہے' ہمیں سوچنے دو۔ دو دن کی مہلت دو' میں اس سے خود پتا کروالوں گی۔ اگر وہ علینہ کے بارے میں جانتی ہوگی تو تمہیں ضرور بتائے گی' بلکہ خود تمہیں وہاں لے کر جائے گی۔'' شیزا روتے روتے حیرت سے امی کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔ یہ وہ کیا کہہ رہی تھیں۔ کیا وہ جانتی نہیں تھیں کہ وہ اس معاملے میں بالکل لاعلم ہے۔

''دو دن بہت زیادہ ہیں۔ میں کل آؤں گا اسی وقت۔'' وہ پلٹ کر قدموں کی دھمک سے اس گھر کے در و دیوار ہلا کر چلا گیا۔ امی نے بھاگ کر دروازہ بند کیا پھر اس کے پاس آئیں۔

''ایسی لڑکیوں سے دوستی کرنے کا یہی انجام ہوتا ہے۔ خود تو مصیبت میں پھنستی ہیں اپنے پیچھے دوسروں کو بھی پھنسواتی ہیں۔ ہم فوری طور پر گھر بدل لیتے ہیں۔ یہ ظالم لوگ ہمارا پیچھا ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔''

''مگر میں بے قصور ہوں۔ میں نہیں جانتی کہ کہاں گئی ہے پھر یہ عتاب ہم پر کیوں۔'' وہ دکھ اور رنج سے پھٹ پڑی۔ امی نے اسے دیکھا ایک ملول سی مسکراہٹ ان کے خشک ہونٹوں پر پھیل کر منجمد ہو گئی۔

''ہر کوئی کمزور کو ہی دباتا ہے۔ بس شک کا عذاب ہے یہ مگر اب وقت بیٹھ کر رونے کا نہیں ہے۔ یہ حل سوچنے کا ہے۔''

''کیسا حل۔'' اس نے روتے ہوئے سر اٹھایا۔ ''اتنی جلدی دوسرا گھر کہاں سے ملے گا

ہمیں اور یہ کیسے بکے گا؟"

"بکے نہ بکے' کرائے پر تو مل ہی جائے گا۔ میری ایک دوست ہے ثمینہ۔ جانتی ہونا تم ایڈ گارڈن اسکول کی پرنسپل ثمینہ آغا' اس کے یہاں چلتے ہیں' دو دن وہیں رہ کر کوئی کرائے کا مکان ڈھونڈ لیں گے پھر اطمینان سے یہ گھر بیچ دیں گے۔"

وہ ماں کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

کہاں سے آ گئی تھیں اس میں یہ ہمت۔ وہ جو ہمیشہ امی کو حوصلہ دیتی رہی تھی آج خود حوصلہ ہارے بیٹھی تھی۔ مگر حوصلہ تو بہر حال اسے مجتمع کرنا تھا۔ امی تنہا یہ سب نہیں کر سکتی تھیں۔ نہ کوئی تیسرا آ کر کرتا۔ حوصلہ اور توانائی اسے اپنے اندر سے خود ہی کھینچ کر لانی تھی۔

وہ دوسرے روز ہی کرائے کے مکان میں آ گئے تھے۔ وہ بھی اتفاق سے ثمینہ آغا کی کسی جاننے والی کا تھا جو کئی مہینوں سے خالی پڑا تھا۔ یہاں آ کر امی نے سکھ کا سانس لیا۔ پورا ہفتہ گزر گیا کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا۔ مگر شیزا کی نیندیں اڑ گئی تھیں۔ وہ میز پر بیٹھتی تو اسے لگتا دروازہ دھڑ دھڑایا جا رہا۔ وہ چیخ کر کھڑی ہو جاتی۔ امی گھبرا کر اس کے پاس آتیں تو وہ انہی سے لپٹ کر رونے بیٹھ جاتی۔

"امی' مجھے ڈر لگتا ہے۔ وہ وہ لوگ کہیں مجھے لے نہ جائیں۔"

امی اسے تسلی دلاسا دینے لگتیں۔ مگر خوف کا آکٹوپس تو گویا اس کی رگ رگ سے چمٹ گیا تھا۔ دروازے پر ہلکی آہٹ ہوتی تو اسکا دم خشک ہو جاتا۔ وہ ساکن نظروں سے دروازے کو یوں تکنے لگتی جیسے ابھی ہاشم خان اسے توڑ کر اندر قدم رکھے گا۔

پندرہ دنوں کے اندر وہ مکان بھی اونے پونے بک گیا۔ اب دوسرا مکان تلاش کرنے لگی تھیں۔ وہ تو مارے خوف کے گھر سے باہر قدم ہی نہ نکالتی تھی امی ہی تگ و دو میں مصروف تھیں۔

ایک شام امی وہ مکان کی سلسلے میں گئی تھیں۔ واپس آئیں تو اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ چادر ایک طرف ڈال کر فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر منہ سے لگائی اور ایک ہی سانس میں خالی کر گئیں۔

وہ آٹا گوندھ رہی تھی۔ انجانے خدشے سے دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ وہ جلدی سے آٹے کا پرات ایک طرف ڈال کر باہر آئی۔

"کیا بات ہے امی۔ آپ اتنی پریشان کیوں ہیں خیریت تو ہے نا؟"

امی نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر قریبی کرسی پر یوں گر گئیں گویا پیروں میں جان نہ رہی ہو۔

"امی پلیز' بتایئے نا' کیا بات ہے؟" وہ ان کے قریب فرش پر بیٹھ کر ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔

"علینہ کے بھائی ہاشم خان نے مجھے دیکھ لیا۔ وہ میرا پیچھا کرتا ہوا تقریباً اس علاقے میں پہنچ چکا تھا مگر اللہ کا کرنا ہوا' اچانک اس کی گاڑی بند ہو گئی اور میں موقع پا کر اندر ہی اندر گلیوں سے بھاگتی آ پہنچی۔"

وہ دم سادھے بیٹھی رہ گئی۔ اس کے اعصاب یک دم منتشر ہو کر یوں بکھر گئے جیسے وجود کے اندر کہیں بم بلاسٹ ہوا ہو اور اس دھماکے کے بعد ہر شے بکھری بکھری نظر آئے۔

امی شدید ترین احساس بے بسی میں مبتلا نظر آنے لگیں۔ سر ہاتھوں میں تھام کر نڈھال سی بیٹھی تھیں۔

کتنی۔ دیر دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ ایک بوجھل سکوت طاری رہا۔ خوف کی فضا بھوت کی طرح مسلط رہی پھر امی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"تم فکر مت کرنا۔ میں ہوں نا' بھلا تمہیں ان ظالموں کے ظلم کا نشانہ بننے دوں گی۔ حوصلہ رکھو۔ وہ یہاں تک نہیں آ سکیں گے۔"

اس کا دل چاہا کھل کر قہقہے لگائے پھر اتنا ہی زور زور سے روئے۔

شاید امی کو بھی اپنے الفاظ کے کھوکھلے پن کا احساس ہو گیا تھا وہ چپ سی ہو کر لب کچلنے لگیں۔

"ہاشم خان کیلئے یہاں تک پہنچنا کوئی مشکل نہیں ہو گا امی.... ہم اس خوش فہمی میں کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے تو نہیں بیٹھے رہ سکتے۔" وہ کرسی کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئی مگر اسے لگا اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے ہوں۔

"حوصلہ کرو شیزا۔" امی مضطرب سی خود بھی کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئیں اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ شیزا کو اپنے کندھے پر ان کا ہاتھ کانپتا محسوس ہوا تو اس نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"ہاں حوصلہ ہی کرنا ہو گا ہمیں۔ ہم حوصلہ نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا۔" ایک افسردہ سانس اس کے لبوں سے آزاد ہوئی........ پھر یکدم بولی۔

"امی۔" کوئی خیال بجلی کی تیزی سے اس کے ذہن میں آیا تھا۔ اسے محسوس ہوا جیسے

ایک آنٹی توانائی جسم وجاں میں بھر گئی ہو۔

''ہاشم خان' کا یہاں پہنچنا ہی کیا اس بات کی دلیل نہیں کہ شہر میں ہر جگہ وہ باآسانی پہنچ سکتا ہے۔ کیوں نا ہم آج یہ شہر چھوڑ کر کراچی چلیں۔ خوف کی فضا میں جیا نہیں جاسکتا امی' مرا ضرور جاسکتا ہے مگر موت تو اپنے وقت پر ہی آئے گی تو پھر زندہ رہنا ہی مقدر میں ہے تو زندوں کی طرح کیوں نہ رہیں۔ پلیز امی تھوڑی سی ہمت۔'' یہ کہہ کر وہ ان کا ہاتھ تھپکنے لگی۔

امی اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئیں۔ اس افتاد نے تو ان کا ذہن بالکل ہی ماؤف کر کے رکھ دیا تھا۔ اس بات کا تو تصور بھی نہ تھا اس کے پاس۔ بس بے بسی کے شدید ترین احساس کے ساتھ سر جھکا دیا۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ وقت ایسی کڑی دھوپ میں کھڑا کر دے گا۔

گو کہ بہت کٹھن تھے یہ مرحلے۔ مگر بخیر و خوبی طے ہو گئے۔

انہیں دوسرے روز سویرے کراچی جانے کے ٹکٹ مل گئے تھے گو کہ اجنبی علاقہ' اجنبی شہر تھا مگر اس کی فضاؤں میں انہوں نے بڑی آزادانہ اور آسودہ سانسیں بھریں۔

بے کھٹکے گھر ڈھونڈا اور روز و شب گزرنے لگے۔ پھر یکدم زندگی کی پرسکون جھیل میں پتھر پڑا۔

پورے سال بعد دریہ کی بہن کے بیٹے کے عقیقے میں اسے ہاشم خان دکھائی دیا اور وہ بھی اسے دیکھ چکا تھا اگر ایسے میں ولید نیازی فرشتہ رحمت بن کر نہ آجاتا تو شاید وہ......

اس کے اعصاب جھرجھری لے کر بیدار ہو گئے اس نے سر گھٹنوں میں دبا لیا۔

اسی دم دروازے پر دستک ہوئی اس نے ایک گہری سانس بھری اور ماضی کی وہ تلخ و شریں کتاب بند کر کے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ امی چائے کا کپ لئے کھڑی تھیں۔

''دوپہر بھی تم نے کچھ کھایا پیا نہیں۔ شام ہونے کو آئی لو یہ چائے اور کچھ سموسے منگوائے تھے ولید کے لئے کھالو تم بھی۔''

انہوں نے دونوں چیزیں ٹیبل پر رکھ دیں۔

''آپ نے کیوں تکلیف کی۔ میں کچن میں آجاتی خود۔'' وہ شرمندہ ہو گئی۔

''ہاں' رات تک تو آ ہی جاتیں۔ اب سوچنا چھوڑ دوشیزا۔ وقت اور حالات پر بھی کبھی خود کو چھوڑ دیا کرو' کہتے ہیں ناکہ اگر وقت اور حالات تمہارے اختیار میں نہ ہوں تو اپنے آپ کو وقت اور حالات کے حوالے کر دو۔ کبھی نہ کبھی تو وقت اور حالات تمہارے ہوں گے ہی ناں۔''

''ہوں۔ اس کا مطلب ہے آپ مفکروں کو بہت پڑھنے لگی ہیں۔'' وہ خوشگوار ریت

سے مسکرائی اور چائے کا مگ تھام کر سموسہ بھی اٹھا لیا۔

''کہاں مفکروں کو پڑھنے لگی۔ بس یہ تو کبھی کا کہیں پڑھا ہوا یاد آ گیا۔'' امی مسکرائیں اور کمرے کی کھڑکیاں کھولنے لگیں۔ پردے بھی کھول دیئے۔

''ہزار دفعہ کہا ہے پردے اور کھڑکیاں کھلی رکھا کرو۔ تازہ ہوا کو آنے دو۔ دیکھو ذرا کس قدر گھٹن ہو رہی ہے تمہارے کمرے میں۔ آج تو باہر ہوا بھی بہت اچھی چل رہی ہے۔ مگر تم اسے اندر آنے دو تب ناں۔''

''ارے امی' ہر موسم دل کے اندر ہوتا ہے۔''

امی ہنسیں۔

''سچ کہہ رہی ہوں۔'' وہ سموسہ کھا کر مگ دوبارہ اٹھا کر پینے لگی پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

ہم من میں جب آجائیں گے'
پھر خزاں میں گل کھل جائیں گے
ہر منظر من کے اندر ہے
موسم سے نظارہ کیوں مانگیں

امی محبت پاش نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔ آج اس کے لبوں کی تراش میں جو مسکراہٹ تھی وہ مصنوعی ہرگز نہ تھی۔ بڑے عرصے کے بعد اس کے لبوں کے مرجھائے ہوئے گلاب کھلے تھے اور انہیں لگ رہا تھا۔

واقعی گلاب ہی مہکے ہوں۔
درخت جاگے ہوں
کلیاں چٹکی ہوں
''بہار دبے پاؤں آ کر ٹھہر گئی ہو

پھر یاد آنے پر جلدی سے بولیں۔

''کل اگر تم آفس کی چھٹی کر لو تو اچھا ہے۔ ولید کے ماموں اور ممانی آ رہے ہیں' ملنے کے لئے۔ کچھ تیاری کرنا پڑے گی۔ میں اکیلی کہاں یہ سب کر پاؤں گی۔ میری عقل تو ٹھکانے پر ہی نہیں رہتی' تم ہو گی تو ڈھنگ سے کچھ کام ہو گا۔'' وہ اس کی چادر تہہ کرتے ہوئے بولیں۔

''کیا یہ سب کچھ زیادہ جلدی نہیں ہو رہا۔'' وہ سر جھکا کر مگ پر انگلیاں پھیرنے لگی۔

امی نے چادر ہینگر میں ڈالتے ہوئے اسے کچھ یوں دیکھا کہ وہ نظریں کترا کر خالی مگ ٹرے میں رکھ کر کھڑی ہوگئی۔

"چلیں جیسے آپ کی مرضی۔" اسے یکدم امی سے بے طرح شرم آنے لگی تو ٹرے اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆☆

اے دل انہیں دیکھ کر کچھ ایسے تڑپنا آجائے
ہنسی ان کو بیٹھے ہیں خفا سے

وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اس کی سمت جھک کر گنگناتے ہوئے بولا اور ہنس پڑا' وہ گھور کر اسے دیکھنے لگی۔

"میں امی کے زبردستی کرنے پر آتی ہوں ورنہ مجھے یہ بات بالکل بھی پسند نہیں ہے۔" وہ منہ پھلا کر بولی۔

"چلیں نوازش کرم شکریہ مہربانی"
"ہمیں بخش دی آپ نے زندگانی"

"ولید! آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں۔" وہ اس غیر سنجیدگی پر زچ ہوگئی۔ ابھی صرف دو دن ہوئے ہیں ہماری منگنی کو جس کی شرعی حیثیت کچھ نہیں اور پتا نہیں امی کی عقل کو کیا ہوگیا آپ کے زبردستی کرنے پر بھیج دیا مجھے۔ اس طرح کی مضبوط رشتے کے بنا آؤٹنگ پر جانا اچھا نہیں لگتا مجھے۔ آپ آپ سمجھتے کیوں نہیں ہیں۔"

"تم سمجھاؤ گی تو سمجھوں گا نا۔" وہ اس کے جھنجلانے کا قطعی نوٹس لیے بغیر نہایت اطمینان سے اگنیشن میں چابی گھما کر اس پر ایک مہکتی نگاہ ڈالی۔

"سبز اور سیاہ کنٹراس کے شلوار سوٹ میں وہ شبنم سے نہائے تروتازہ پھول کی طرح مہکتی محسوس ہو رہی تھی۔

"آپ کو خود سمجھنا چاہیے آپ ننھے منے بچے نہیں ہیں۔" اس کے انداز میں ناراضگی' جھنجلاہٹ اور برہمی تھی۔ مگر وہ اسے مسحور کن اور دل آویز نظروں سے تکنے لگا۔

"کیا بدتمیزی ہے۔ میں آپ سے کیا کہہ رہی ہوں۔"

"پتا نہیں' میں تو نہیں سن رہا۔"

"مائی گاڈ۔" اس کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔ اچھا خاصا سنجیدہ نظر آنے والا شخص اس قدر کھلنڈرا اور جذبوں سے پر بالکل کالج بوائے لگ رہا تھا اور وہ بھی خود کو ابھی تک بردبار ٹائپ

کی سمجھتی آ رہی تھی۔ کالج گرل کی طرح جھینپ کر رہ گئی تھی۔

"لوگ کیا کہیں گے ولید۔"

"کون سے لوگ؟" وہ نہایت اطمینان سے گلی سے گاڑی نکال کر سڑک پر بھگانے لگا پھر ہنس کر بولا۔ "ان بے چاروں کو کیا پتا کہ تم ابھی میری غیر شرعی بیوی میرا مطلب ہے نامحرم فیانسی ہو۔ ہاں اگر تم خود ہی سب کو پکڑ پکڑ کر بتاؤ گی کہ اے لوگو! یہ آدمی میرا ابھی صرف منگیتر ہے' زبردستی مجھے گھمانے پھرانے لے کر جا رہا ہے' نہایت فضول جملے بولتا ہے اور بے باکی سے گھورتا ہے اور....."

"مائی گاڈ" وہ بے ساختہ ہنسی تھی پھر چڑ کر بولی۔ "آپ کو میں اتنی بے وقوف نظر آتی ہوں۔"

"بالکل' صرف نظر ہی نہیں آتیں' ہو بھی۔" یہ کہہ کر اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"ٹھیک ہی کہتے ہیں سیانے کہ خوبصورتی اور کم عقلی اکثر یکجا ہوتی ہیں۔" افسوس کے اظہار کے طور پر اس نے ایک اور ٹھنڈی اور متاسفانہ سانس بھری تھی۔ پھر گھبرانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا۔

"اب یوں بیویوں کی طرح گھورو تو مت' کہیں میں بزدل شوہر کی طرح گاڑی کسی پول سے ٹکرا نہ دوں۔"

"اونہہ' اتنے سیدھے ہیں آپ۔"

"اچھا۔ تو کیا ٹیڑھا ہوں۔" اس نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"مجھے نہیں پتا۔ بس آپ مجھ سے بات مت کریں۔" وہ کسی کم سن ناراض بچے کی طرح منہ پھلا کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔ وہ ایک برگر اسٹاپ پر گاڑی روک چکا تھا۔ خوبصورت رنگ برنگی میزوں کے گرد لگی کرسیوں پر اکا دکا لوگ تھے۔ لامحالہ اس کے اترنے پر اسے بھی اترنا پڑا۔

اسے شاید اس کی حالت پر ترس آ گیا تھا۔ وہ یکدم سنجیدہ ہو کر اپنائیت بھرے لہجے میں بولا۔

"شیزا! یہ بتاؤ تم خوش تو ہو نا اس رشتے سے؟"

میز پر رکھے اپنے پرس کی زپ سے کھیلتی وہ اس سوال پر بے ساختہ سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

''تمہیں عجیب لگ رہا ہو گا کہ کوئٹہ سے میرے گھر والوں میں سے کوئی نہیں آیا اور نہ شادی میں شرکت کیلئے آ رہے ہیں۔ دراصل شیزا۔'' وہ ایک دو پل رکا پھر قدرے متاسفانہ سانس بھر کر بولا۔ ''میرے پیرنٹس تو ہیں نہیں۔ بھابیوں کا کہنا ہے کہ ابھی ان کے بچوں کے ایگزام شروع ہونے والے ہیں وہ مصروف ہیں' جب بچوں کی چھٹیاں آئیں تب وہ کراچی آ سکیں گی۔ دیکھو ذرا ایگزام کو ایک زمانہ پڑا ہے اور شادی ایک دو دن کی بات ہے۔ چند دن کراچی آ کر رہنے میں سب کو مشکل پیش آ رہی ہے۔ خیر میں انتظار بھی کر لیتا مگر میں تمہاری جانب سے بے حد پریشان ہوں۔'' وہ میز پر انگلیاں پھیرتے ہوئے خاصا مضطرب دکھائی دے رہا تھا۔ فکرمندی اس کے چہرے سے جھلک رہی تھی۔

شیزا نے پلکیں جھکا دیں۔

''امی نے تو یونہی آپ کو بوکھلا دیا ہے' جہاں زندگی اتنی گزر گئی کچھ وقت اور گزر جائے گا اور یوں بھی .....''

''نہیں شیزا تمہاری امی کا خوف اپنی جگہ' مگر میں خود بھی بہت ڈسٹرب ہوں طرح طرح کے واہمے اور برے برے خواب پریشان کر رہے ہیں مجھے۔ ہاشم خان مجھے پھر دکھائی دیا تھا تمہارے محلے کے اطراف میں۔''

وہ دم بخود رہ گئی' خوف سے اس کا تر و تازہ چہرہ یکلخت سپید پڑ گیا۔

''کیا آ... آپ کو.....؟''

''اس سے پہلے کہ اسے کچھ بھنک پڑ جائے' میں یہ تعلق مضبوط کر لینا چاہتا ہوں اور یوں بھی میں خود بھی آنٹی کی طرح یہی چاہتا ہوں کہ جتنی سادگی سے ہو اتنا اچھا ہے' بس چند عزیزوں کے ہمراہ بارات لے کر آنا چاہتا ہوں' اسی ہفتے میں۔ تمہیں جو تیاری کرنی ہے بس کر لو۔'' یہ کہہ کر اس نے اس پر تفصیلی نگاہ ڈالی۔

وہ سر جھکائے پرس کی زنجیر سے کھیلتی ہوئی آنسو ضبط کر رہی تھی۔

''آپ ایک بار سوچ لیں ولید۔ کہیں یہ گھاٹے کا سودا تو نہیں کر رہے ہیں۔ آپ۔'' وہ سر جھکائے جھکائے بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

ولید نے بے حد اپنائیت آمیز نرمی سے اس کے ہاتھ پر اپنا بھاری ہاتھ رکھ دیا۔

اس کی بے ساختہ اٹھنے والی آنکھوں میں وہ براہ راست جھانک رہا تھا۔ اس نے جلدی سے نظریں جھکا دیں۔

لمحہ بھر کا تصادم تھا۔

لحظہ بھر کا لمس تھا مگر دلوں میں جوت جگا گیا۔

محبت بھی تو ایک اضطراب ہی ہے۔

وہ اضطراب' شدید اضطراب کا شکار ہو گئی۔

یہ سچ تھا ولید نیازی نے اسے زندگی کی طرف کھینچا تھا' اسے زندگی کی تمنا ہونے لگی۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹوں کا اجالا رہنے لگا۔ اس کی آنکھوں کی بجھی قندیلیں پھر سے جگمگانے لگی تھیں۔ وہ اتنی حسین ہو گئی تھی کہ امی تو اس پر نظر ڈالتے ہوئے ڈر جاتیں۔ کہیں ان کی ہی نظر نہ لگ جائے۔

وہ سارے رنج و غم' خوف پریشانیاں' بھلا کر شادی کی تیاریوں میں مگن ہو گئی۔ دریہ نے اس کا بہت ساتھ دیا۔ کتنے بازار کے چکر تو دریہ نے ہی لگائے تھے۔ اس روز ولید اسے زبردستی شاپنگ پر لے آیا۔

''یار' مجھے عورتوں کی خریداری کا بالکل بھی تجربہ نہیں ہے۔ ہے۔ بس ممانی لوگ نے جو خریداری کی ہے' میں چاہتا ہوں گولڈ تم اپنے چوائس سے لو۔ نہ نہ کرنے کے باوجود وہ گولڈ کی جیولری ہی نہیں دوسری بھی چھوٹی موٹی چیزیں اسے دکھا دکھا کر خریدتا رہا۔ وہ ہنستی رہی۔

کہہ رہا تھا اپنی پسند کی لو اور لے وہ اپنی پسند کی رہا تھا بس اسے دکھاتا جا رہا تھا۔

یہ اچھا ہے نا

یہ زبردست ہے نا

یہ تم پر سوٹ کرے گا نا اور اس کے صرف سر ملانے پر جھٹ پٹ پیک کروا لیتا۔ وہ اس کا معصوم بے غرض چہرہ محبت پاش نظروں سے دیکھتی رہ جاتی۔

وہ ایک ایک چیز خرید کر بچوں کی طرح خوش دکھائی دیتا۔ اونچا لمبا مرد بالکل بچہ بن گیا تھا اور وہ خود وہاں' وہ خود بھی تو بالکل بچی بنی ہوئی تھی۔ چھوٹی موٹی چیزیں خریدتے ہوئے بھی بے حد جوش اور اشتیاق ظاہر کر رہی تھی۔

وہ شرما کر اس کی محبت لٹاتی نظروں سے رخ موڑ کر شیشے کے پار دیکھنے لگی۔

وہ آئسکریم پارلر پر آ کر آئسکریم کا آرڈر دے کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔

ساری دنیا کے غم کیوں تمہارے لئے
کام چھوڑ دو بھی کوئی ہمارے لئے

پیار کی راہ میں غم کے کانٹے ہیں
جو ہم اٹھا لیں تو کیسا رہے گا
ایک سپنوں کا گھر . . . . . .

قریب ہی آڈیو شاپ سے بلند آواز میں گانا بج رہا تھا۔ دونوں جیسے اس کے خوبصورت بولوں میں گم ہو گئے۔ پھر یکدم دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنس پڑے۔

''میں نے تو اپنے سارے غم آپ کو دے دیئے ہیں ولید۔ میں سارا بوجھ اتار کر اب ہلکی پھلکی ہو جانا چاہتی ہوں۔'' اس نے کرسی کی پشت سے لگ کر خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم اپنے تمام رنج و غم فکر پریشانیاں' مجھے سونپ دو اور خود تمام فکر سے آزاد ہو جاؤ۔'' اس کا محبت آمیز لہجہ شیزا کو اپنی رگوں میں امرت کی طرح اترتا محسوس ہوا۔

وہ دونوں آئسکریم بار سے نکلے اور پارک کی ہوئی گاڑی کی طرف بڑھنے لگے تب اس کی نظریں۔ بے اختیار سڑک کے اس حصے کی طرف گئیں جہاں بسیں آ کر ذرا دیر رکتیں اور آگے بڑھ جاتیں۔ اس کے دل پر یکلخت سناٹا چھا گیا۔ ایسا سناٹا جیسے ہوا اس محرم چاند پر ہوتا ہو گا۔

وہ بلاشبہ علینہ تھی۔ سفید اور کالے رنگ کی پھولدار چادر اوڑھے ہوئے' اس کے پیروں میں سادہ سی چپلیں تھیں اور کندھے پر بیگ جھول رہا تھا پھر وہ ایک بس میں چڑھ گئی۔ وہ ایک دم بیدار ہوئی۔ دل چاہا کہ چیخ مار کر پکارے' روک لے۔ بے اختیار قدم اس طرف اٹھے بھی مگر ولید نے گھبرا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''کیا ہوا؟'' وہ اس کے چہرے کو دیکھ کر تشویش سے اس کی نظروں کے تعاقب میں سامنے سڑک کی طرف دیکھنے لگا۔

''کک.... کچھ نہیں وہ۔ وہ ایک افغانی بچہ تھا پانی پلانے والا۔ بس کے نیچے آتے آتے رہ گیا۔'' اس نے ایک ملول سی سانس خارج کرتے ہوئے تیزی سے گزر جانے والی بس کو دیکھا۔ جو اپنے پیچھے ڈھیر سارا' دھواں چھوڑ گئی تھی اور اسے لگا جیسے یہ سارا کا سارا دھواں اس کی آنکھوں میں بھر گیا ہو۔ وہ ولید کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ باوجود چاہنے کے نہ کہہ سکی کہ ابھی مجھے علینہ نظر آئی تھی۔ ہاں وہ سو فیصد علینہ تھی۔ میری بیسٹ فرینڈ۔

جبکہ ولید آنکھوں میں پیار بھرے رنگ لئے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''سارے جہاں کا درد جناب آپ کے جگر میں ہے۔''

وہ زبردستی مسکرا دی۔ وہ یہ خوشگوار سفر اور اس ہمسفر کا موڈ خراب کرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ صرف اور صرف مستقبل کی' اپنی اور اس کی باتیں کر رہا تھا' ایسے میں وہ تیسرے شخص کا ذکر لے کر بیٹھنا نہیں چاہتی تھی۔ سارا وقت بڑی مشکل سے خود کو ہشاش بشاش ظاہر کرتی رہی۔

علینہ کے خیال کو ذہن کے کونے کھدرے میں چھپا کر رکھ دیا۔ مگر جوں ہی گھر آئی بستر پر تھکن کے باعث لیٹی تو خیال تھا نیند گرتے ہی آ جائے گی مگر ان میں تو علینہ اور صرف علینہ اتری ہوئی تھی۔

ماضی ریت کی طرح آنکھوں میں پھیل کر چبھنے لگا۔

وہ کہاں ہو گی؟

کیسی ہو گی؟

اور تنہا کیوں تھی۔ عبید انصاری اس کے ہمراہ کیوں نہیں تھا؟

اس طرح کے خیالات اسے ستاتے رہے جانے کب وہ انہی سوچوں کے تانے بانے بنتی نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

دوسرے روز ولید کی ممانی چلی آئیں۔ وہ ان کی آؤ بھگت میں لگ گئی۔

پھر اسے پتا ہی نہ چلا وقت پر لگا کر اڑنے لگا اور شادی کا دن آن پہنچا۔ ولید بہت تھوڑے لوگوں کے ہمراہ بارات لے کر آیا تھا۔ خود ان کی طرف سے بھی زیادہ لوگ نہیں تھے' بس یہی چند محلے والے' امی کی چند ایک جاننے والیاں اور شیزا کے آفس کا اسٹاف۔

اس کا دروازہ کھلا' دریہ کے ساتھ اس کے پیچھے نکاح کے لئے ولید کے ماموں اور دوسرے دو افراد اندر داخل ہوئے تھے۔

دریہ نے آگے بڑھ کر اس کے اوپر سفید چادر ڈال دی اور گھونگٹ سا نکال دیا اور بے حد قریب بیٹھ کر اس کے کندھے پر ہلکا سا تسلی آمیز دباؤ دیا۔

''ٹیک اٹ ایزی شیزا.....''

شیزا کی مہندی سے سجی سبک انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست لرزنے لگی تھیں۔

اس کا دل سینے کی چہار دیواری میں کسی دیوانے کی طرح ٹکرا رہا تھا۔

* * * *

تین الفاظ نے یکلخت اندر باہر سے بدل کر رکھ دیا۔ وہ خود کو اجنبی اجنبی محسوس ہونے لگی۔

خوشی کے آنسو تھے یا جدائی کے۔ جو اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ وہ دریہ سے لپٹ کر رو دی پھر امی کمرے میں آئیں' اسے مبارک دینے تو وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح ان سے لپٹ گئی اور یوں بلک بلک کر روئی جیسے اب کبھی نہ رو پائے گی۔

''پگلی یہ تو خوشی کا دن ہے' مبارک ساعت ہے۔ اس میں یوں روتے ہیں بھلا' بس کرو شیزا۔'' وہ اسے تھپکنے لگیں اور دوپٹے کے کنارے سے اپنی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کو پونچھنے لگیں مگر لگتا تھا ایک دریا تو ان کی آنکھوں میں بھی اتر آیا ہے۔

خاموش بے آواز دریا مگر بے حد تند و تیز اور رواں دواں۔

ان سے زیادہ دیر بیٹھا نہ گیا' نہ تسلیاں دی گئیں۔ آواز بھرا رہی تھی۔ وہ اسے دریہ کے حوالے کر کے باہر نکل گئیں۔

''شکر ہے میں نے تمہارا میک اپ نہیں کیا تھا ورنہ تم تو میری ساری محنت برباد کر دیتیں۔'' دریہ اسے چھیڑنے لگی۔

''دری! کتنی عجیب بات ہے خوشیاں بھی یوں رلاتی ہیں۔'' وہ چہرہ پونچھتے ہوئے بیڈ کی پشت سے لگ کر ایک سانس بھر کر رہ گئی۔

''اس لئے کہ کچھ خوشیاں ہمیں کچھ کھونے کے بعد ملتی ہیں' ہم لڑکیاں اپنے پیارے رشتوں سے جدا ہو کر نئے رشتے استوار کرتی ہیں' پرانے سنگی ساتھی کو چھوڑ کر نئے ہمسفر کا ہاتھ تھام کر نئے سفر پر جاتی ہیں' جہاں دل کچھ پا لینے کی خوشی کے نشے میں سرشار ہوتا ہے وہیں جدائی کے احساس سے بوجھل اور افسردہ بھی' مگر شیزا یہ افسردگی وقتی ہوتی ہے' اس لئے کہ یہ فطرت کا قانون ہے' ہمارے والدین اس جدائی کے ان لمحات کے لئے ہمارے پیدا ہوتے ہی خود کو اور ہمیں تیار کرتے رہتے ہیں۔ تم ولید کے ساتھ ہنستی مسکراتی آنٹی سے ملنے آؤ گی تو یہ افسردگی خوشی اور آسودگی میں ڈھل جائے گی۔ وہ اطمینان جو انہیں کبھی میسر نہ ہوگا وہ مل جائے گا تم نے سنا نہیں۔

اساں چڑیاں دا چنبا وے

بابل اساں اڈ جانا

دریہ شرارت سے گنگنائی تو وہ جھینپ کر ہنس پڑی۔

آنسوؤں کے احاطے میں یہ بھیگی بھیگی مسکراہٹ اس کے چہرے پر بے حد بھلی لگ رہی تھی۔ اسی دم دروازہ بجا۔

یہ ولید کی بھابی تھیں ان کے ساتھ امی بھی تھیں۔ دریہ کے باہر آنے پر امی بولیں۔

''دری بیٹا' شیزا سے کہو وہ تیاری میں دیر نہ کرے۔''

''ہاں پھر رخصتی جلدی ہو تو دوسرے لوگوں کو بھی واپسی ہونا ہے نا۔ ہمارے کچھ مہمان کوئٹہ سے آئے ہیں انہیں بھی واپس جانا ہے۔'' ان کی بھابی بھی بولیں تو دریہ جی بہتر کہہ کر اندر چلی گئی۔

''چلئے جناب۔ آپ کا بلاوا آ گیا ہے۔ جلدی جلدی منہ دھوئیے اور کپڑے چینج کرو۔ لگتا ہے دولہا میاں کو صبر نہیں ہو رہا ہے۔ لوگوں کا تو بہانہ ہے اور اس کا استری شدہ لہنگا سوٹ اٹھا کر اسے تھما دیا۔

''جلدی کرو شاباش۔''

اس کا دل پھر لرزنے لگا۔ بس دریہ کو ایک نظر دیکھا اور اس کے ہاتھ سے کپڑے لے کر باتھ روم میں چلی گئی۔

☆☆☆☆

اپنی زندگی میں پہلی بار وہ اتنے اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ اتنا سنگھار پہلی بار کیا تھا۔ ہر

آنکھ اس کے روپ سے خیرہ ہو رہی تھی۔ خود وہ بھی حیران تھی کہ یہ اس کا روپ ہے یا کہیں سے چرا لائی ہے۔ اس کے لبوں کی پرانی مسکراہٹ اور آنکھوں میں اتنی روشنیاں کہاں سے اتر آئی ہیں۔

شاید یہ ولید خان کا بخشا ہوا اعجاز ہے۔

ولید کا خیال آتے ہی اس کا دل معمول سے ہٹ کر دھڑکنے لگا۔ جذبے تو مثل مہتاب ہوتے ہیں اور بھلا ابھرنے والے مہتاب کا رستہ کس نے روکا ہے۔ وہ یکدم ہی اسے اپنے دل کے قریب بے حد قریب محسوس ہونے لگا تھا۔ چاہنے تو وہ اسے بہت پہلے سے لگی تھی مگر اب تو لگتا تھا ہر دھڑکن میں بس وہی دھڑک رہا ہو۔ رگوں میں خون کی بجائے اسی کی محبت بھاگتی دوڑتی پھر رہی ہو۔ وہ یکدم سارے جہاں سے عزیز تر ہو گیا تھا۔

''ولید بھائی کی تو خیر نہیں ہے۔'' دریہ نے سرگوشی کی تو اس کا سر مزید جھک گیا۔

اچانک رنگوں اور خوشبوؤں کا ریلا آیا اور چاروں طرف پھیل گیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ ہر دھڑکن میں ایک خوشگواریت تھی۔

ولید کو اس کے ماموں زاد اور دوستوں کزنوں نے پکڑ کر اس کے پہلو میں بٹھا دیا تھا۔

''بڑی دیر بعد خیال آیا لوگوں کو مجھ غریب کا مگر چلو دیر آید درست آید۔'' بیٹھتے ہی اس نے ایک طویل قسم کی سانس بھری اور اس پر ایک نگاہ ڈالی۔ مارے حیا کے اس کا سر جھک گیا اتنا کہ وہ اس کے پشاوری چپل میں مقید صاف ستھرے پیر ہی دیکھ سکتی تھی۔ جبکہ ادھر اسی طویل ٹھنڈی سانس پر سب اوئے اوئے کرنے لگے۔

''شکر کیجئے۔ دیر میں بھی خیال آیا ہمارا تو ارادہ تھا کہ۔''

''بس بس اویس تم کچھ مت کہنا۔'' اس نے جلدی سے ہاتھ جوڑ کر التجا کی پھر کراہ کر بولا۔ ''تمہارے ارادوں سے میں اچھی طرح باخبر ہوں۔ تم تو ابھی رخصتی ٹالنے پر کمر بند تھے۔ مجھ پر تو تمہیں کبھی پیار آیا ہی نہیں ہے میں جانتا ہوں۔''

''بھئی تم نے سنا نہیں فاصلے قرب کے شعلوں کو ہوا دیتے ہیں۔'' اویس جو یقیناً اس کا کزن تھا مزید چھیڑنے لگا۔

''اور کیا بقول شاعر

انکار کی سی لذت اقرار میں کہاں ہے
بڑھتا ہے شوق غالب ان کی نہیں نہیں سے

اس نے شرارت سے مزید کہا۔ ولید نے اسے گھور کر دیکھا۔

''نہیں نہیں'' ''ادھر سے تو نہیں البتہ تم لوگوں کی طرف سے جاری ہے۔''

''اوئے ہوئے' دیکھو ذرا کیسی زبان پڑ پڑ چل رہی ہے۔ کہاں بھیگے مرغے بنے ہوئے تھے۔'' ماموں کی بڑی بہو نے اسے چھیڑا تو زبردست کھلکھلاہٹیں پڑیں۔ وہ جھینپ گیا۔ اسی دم مووی والا بھی چلا آیا۔

''اب بس بھی کریں کسی کے اعصاب کی آزمائش اتنی بھی ٹھیک نہیں ہے۔'' اس نے بے بسی سے اپنی بھابی کو دیکھا جو کم گو سی تھیں، صرف مسکرا دیں جبکہ دوسری لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

''چپکے بیٹھے رہو۔ ساری رسمیں پوری ہوں گی۔ آخری پیس ہو۔ سارے ارمان نکالیں گے۔'' ولید کی ممانی نے اسے پیار بھرے انداز میں جھڑک دیا اور گلابوں اور موتیا کی کلیوں سے مہکتا ہار ایک اس کے گلے میں دوسرا شیزا کے گلے میں ڈال کر محبت سے دونوں کی پیشانی پر بوسہ لیا۔

''کچھ بعد کے لئے بھی رہنے دیجئے ممانی جان۔'' اس نے پھر شرارت سے کہا تو وہ اس کے سر پر چپت لگا کر ہنس دیں۔

''بعد کی ساری رسمیں صرف تم پوری کرتے رہنا۔'' ان کی اس بات پر وہ جھینپ کر رہ گیا۔ حالانکہ انہوں نے اپنی سادگی میں کہا تھا مگر پاس ہی کھڑا شریر ٹولا ایسا معنی خیز تبسم لٹانے لگا کہ وہ خود کو چغد محسوس کر کے رہ گیا۔

خدا خدا کر کے رخصتی کا عمل وجود میں آیا۔ دریہ نے چن کر ایسا گانا لگا رکھا تھا کہ ہر آنکھ اشک بار ہو گئی۔

میں تو رے سکھیو ! چلی رے
اپنی سہیلیوں سے دور
بابل کی گلیوں سے دور

دریہ اور امی کی ڈانٹ پر اس نے بڑی مشکلوں سے اپنے آنسوؤں پر بند باندھے تھے مگر پھر بھی پلکوں کی مضبوط باڑھ توڑ کر کچھ موتی لڑھک ہی آئے۔

انجانی گلیاں ' سونی دوپہریں
سونی دوپہروں میں دن آن ٹھہرے
یادوں سے آباد گھر میں سہیلیو !

ڈھونڈوں گی تم کو ضرور
بابل کی گلیوں سے دور

امی کی ڈھیر ساری دعاؤں کی ٹھنڈی چھاؤں میں وہ رخصت ہوگئی اور ساری رونق بھی جیسے اسی کے دم سے تھی۔

ساری روشنیاں جگر جگر کرتیں۔

ساری خوشبوئیں لہر لہر بکھرتیں وہ اپنے ساتھ لے گئی تھی اور اپنے پیچھے! سناٹا' ویرانی بے رونقی چھوڑ گئی تھی۔

امی وہیں صوفے پر ڈھیر ہوگئیں۔ ان کی آنکھیں پانی سے بھری تھیں مگر لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ دل میں اس کی جدائی کا میٹھا میٹھا درد بھی تھا اور ایک اتھاہ سکون بھی۔

وہ خوف جو ایک عرصے سے دل میں میخ کی طرح گڑھا ہوا تھا ہر آہٹ پر رگوں میں خون کے ساتھ دوڑنے لگتا تھا آج نکل گیا تھا۔ ایک بوجھ جو شانوں پر رکھے رکھے تھک گئی تھی وہ اتر گیا تھا۔ وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگیں۔

دریہ شیزا کی بے حد تاکید پر رک گئی تھی اور خود اسے بھی امی کے بالکل تنہا ہو جانے کا احساس تھا۔

صبح وہی شیزا کی خیر خیریت پوچھنے گئی اور اسی کے ساتھ شیزا اور ولید بھی چلے آئے۔

آتے ہی وہ امی سے لپٹ کر ان کا منہ چومنے لگی۔ امی نے دیکھا اس کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ رخساروں پر گلاب مہکتے محسوس ہو رہے تھے۔ اس کی تانبے جیسی رنگت سرخ ہو رہی تھی۔ ناک میں پڑی ڈائمنڈ کی لونگ اس کے چہرے پر بہار بن کر دمک رہی تھی۔

دریہ کی شرارتوں پر وہ خوب ہنس رہی تھی۔

امی تو داماد کی خاطر مدارت میں لگ گئیں۔ گاہے گاہے اس کا چہرہ دیکھ دیکھ کر مسرور ہو کر دل ہی دل میں دعائیں دیئے جا رہی تھیں۔

''لگتا ہے ولید صاحب نے جھولیاں بھر بھر کر ڈائیلاگ مارے ہیں تجھے' چہرہ تو کچھ یونہی دمک رہا ہے۔''

ولید کے جاتے ہی وہ اس کے پاس کھسک آئی اور ولید کی جانب سے منہ دکھائی میں دیا ہوا ڈائمنڈ کے سیٹ کا معائنہ کرتے ہوئے بولی۔

''بڑا تجربہ ہے تجھے کہ ڈائیلاگ سننے کے بعد چہرے ایسے ہو جاتے ہیں۔'' جواباً اس نے دریہ کو چھیڑا تو وہ جھینپ کر قہقہہ لگا بیٹھی۔

''تجربہ نہیں بدتمیز مشاہدہ ضرور ہے۔'' وہ مسکراتی رہی پھر کلائیوں میں پڑی سنہری چوڑیوں سے کھیلتے ہوئے ہلکی سانس بھر کر بولی۔

''دری! یہ چیزیں روپے پیسے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ اصل اہمیت تو الفاظ ہی رکھتے ہیں نا۔ یہ جادوئی ٹانک ہوتے ہیں۔ دل کی پیاسی زمین سیراب ہو جاتی ہے۔ بندہ بھیگ بھیگ جاتا ہے۔ پیار بھرے بولوں کی بوچھاڑ میں۔ کوئی تشنگی نہیں رہتی۔'' اس کا لہجہ دھیمہ اور خواب ناک سا تھا۔ جیسے وہ تصور کی آنکھ سے ولید خان کو دیکھ رہی ہو' اس کے لفظوں کی چاشنی شیرینی کو نئے سرے سے محسوس کر رہی ہو۔

''ہوں تو لفظوں کی شعبدہ بازی سے متاثر کیا ہے موصوف نے۔'' دریہ کی ہنسی پر وہ چونکی اپنے خیالوں سے نکل کر اسے گھور کر دیکھنے لگی پھر ایک چٹکی لی۔

''خالی خولی الفاظ نہیں ہیں سمجھیں تم۔''

''ابھی سے یہ مان۔''

''بالکل'' وہ کندھے اچکا کر اترائی پھر ہنس پڑی۔

''ڈائننگ ٹیبل سے برتن سمیٹتیں امی اس کی آسودہ مطمئن چہرے کو دیکھ کر شانت ہی شانت ہوگئیں۔

ولید شام کو آیا اور آتے ہی جانے کا شور مچایا۔ امی نے رات کے کھانے کے لئے روکنا چاہا مگر شیزا نے امی کو منع کر دیا۔

''دراصل ہم ڈنر باہر کریں گے امی۔'' وہ امی کا ہاتھ تھام کر بولی۔ پھر ان کے ہاتھ اپنے لبوں سے لگا کر چوم لئے۔

''آپ نے مجھے بہت دعائیں دی ہیں امی۔ لگتا ہے ساری کی ساری اللہ نے سن لی ہیں۔''

امی نے محبت سے اسکا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر اس کی پیشانی چوم لی۔

''خدا تمہاری خوشیوں کو نظر بد سے محفوظ رکھے۔ بس یہ تو اللہ کی رحمت ہے ہم گناہ گار ماؤں کی دعاؤں میں اتنا کہاں دم۔ ہم تو اس کی رحمت کے سائے میں جی رہے ہیں۔ جاؤ ولید انتظار کر رہا ہے۔'' انہوں نے اسے ہزار دعاؤں میں رخصت کیا۔

وہ گاڑی میں آ کر بیٹھی تو ولید نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس پر ایک تفصیلی نگاہ ڈالی۔ سرمئی اور بلیک کنٹراس کی ساڑی میں وہ دیدہ زیب دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا دیا ہوا سیٹ

پہنا ہوا تھا جو اس کی گردن کو ہی نہیں اس کے چہرے کو بھی دمکا رہا تھا۔

''کیا کیا باتیں ہو گئیں امی سے؟''

''امی سے تو بس کیا ہوں گی۔ در یہ بڑی شرارتیں کر رہی تھی۔'' وہ شرما کر بولی۔

''امی خوش اور مطمئن ہیں؟'' وہ بڑی سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔

''ہاں بہت زیادہ۔ وہ تو کہتی ہیں میں اپنے اللہ کے آگے جتنا شکر کروں جتنے سجدے کروں کم ہیں۔ آپ نے دیکھا نہیں امی کتنی خوش دکھائی دے رہی تھیں۔''

''ہوں۔'' وہ صرف ہنکارا بھر کر رہ گیا۔

آواری کے ڈنر ہال میں دونوں ڈنر کرتے ہوئے ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے۔ بلکہ شیزا ہی زیادہ بولتی رہی۔ اسے احساس ہی نہ ہوا کہ وہ مسلسل بول رہی ہے اور ولید زیادہ تر ہاں ہوں میں جواب دیتا یا سر ہلا رہا تھا۔

پھر وہ چونکی جب وہ کلفٹن پر آئے تھے اور دیوار سے لگ کر سمندر کی موجوں کو تکتے ہوئے وہ سگریٹ پیتے ہوئے بڑی چپ میں غرق تھا۔ پھر سگریٹ کو پیروں سے مسل کر وہ چھوٹے چھوٹے کنکر پانی میں پھینکنے لگا۔

''آپ کچھ مضطرب ہیں ولید؟''

''میں؟ نہیں تو۔'' اس نے آخری کنکر پھینک کر چہرہ گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ پاس ہی بیٹھی تھی دل موہ لینے والے روپ میں۔

''تو پھر اتنے چپ چپ کیوں ہیں۔ میں ہی بولتی جا رہی ہوں۔''

''یہ تو تمہارا خیال ہے میں چپ ہوں' میرے اندر جھانکو' ایک شور برپا ہے' خانہ دل میں۔'' وہ اپنے مخصوص اپنائیت آمیز انداز میں مسکرایا اور اس کی آگے جھولتی لٹ کو ہلکے سے کھینچا۔

وہ بے اختیار پلکوں کی جھالریں جھکا گئی اور ساحل کی نرم ریت پر انگلی سے لکیریں کھینچنے لگی اور ہلکی سانس کے ساتھ بولی۔

''آنکھیں ہی تو ہمارا سچ ہیں۔ یہ دل سے مشروط ہوتی ہیں۔ ان میں ہی تو میں نے اپنا آپ دیکھا ہے اور اس سچ پر ایمان لے آئی ہوں۔'' اس کی آواز دھیمی تھی۔ ولید نے بے اختیار نظریں اس کے چہرے سے ہٹا کر جھاگ اڑاتی لہروں پر مرکوز کر دیں اور جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر ایک نئی سگریٹ نکال کر لبوں سے لگا کر اسے لائٹر کا شعلہ دکھانے لگا۔

''میرا خیال ہے اب چلنا چاہئے۔'' وہ لائٹر جیب میں ڈال کر سگریٹ کو انگلیوں میں

دباتے ہوئے اس پر ایک نظر ڈالی پھر قدم اٹھانے لگا۔

''میرا دل چاہتا ہے ولید میں یہیں بیٹھی رہوں۔ یہ سمندر کتنا خوبصورت ہے' کیا یہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے یا آج مجھے لگ رہا ہے۔''

ولید نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

''پتا ہے ولید۔ میں پہلی بار سمندر کو دیکھ رہی ہوں۔ بہت کچھ سنا تھا اس کے متعلق مگر کبھی دیکھا نہیں تھا۔ ساری عمر کوئٹہ میں گزری۔ کراچی سال ڈیڑھ سال ہوا آئی ہوں مگر خوف کی فضا میں سانسیں لیتی کہاں اس پر کیف جگہ آ سکتی تھی۔ سوچتی ہوں کراچی والے کتنے خوش قسمت ہیں جنہیں اتنا پیارا ساتھی ملا ہے۔'' وہ اڑتے بال سمیٹتے ہوئے گاڑی تک آئی مگر نظریں سمندر پر مرکوز تھیں۔

''کراچی والے خوش قسمت ہوں نہ ہوں میں تو ضرور ہوں کہ مجھے اتنا پیارا ساتھی ملا ہے۔'' ولید خان کی نظریں اس پر مرکوز تھیں۔ وہ شرما کر رہ گئی پھر فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے عقیدت مندانہ لہجے میں بولی۔

''خوش نصیب میں ہوں کہ آپ جیسی ٹھنڈی چھاؤں نہ ملتی تو جانے حالات کی دھوپ میں کب تک جھلستی رہتی' مجھے زندگی سے نفرت ہو گئی تھی ولید۔ مگر اب دل چاہتا ہے ایک طویل عمر جیوں۔ اے کاش کہیں رک جائے وقت کا دھارا۔'' اس نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آسودگی سے آنکھیں موند لیں۔ اس کے رخسار پتا نہیں باہر کے درجہ حرارت کی وجہ سے سرخ ہو رہے تھے یا اندر کے جذبوں کی حدت سے۔

ولید اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹا کر ونڈ اسکرین پر کرتے ہوئے بے حد رش انداز میں گاڑی بھگانے لگا۔

☆☆☆☆

میں تیرے سنگ کیسے چلوں سجنا
تو سمندر ہے میں ساحلوں کی ہوا
تو میرا ہاتھ ہاتھوں میں لیکر چلے مہربانی تیری
تیری آہٹ سے دل کا دریچہ کھلے میں دیوانی تیری
تو غبار سفر میں خزاں کی صدا
تو سمندر ہے میں ساحلوں کی ہوا۔

تو بہاروں کی خوشبو گھنی چھاؤں ہے
میں ستارہ ترا
زندگی کی ضمانت تیرا نام ہے
تو سہارا میرا
میں نے ساری خدائی میں تجھ کو چنا
تو سمندر ہے میں ساحلوں کی ہوا
تم چلو تو ستارے بھی چلنے لگے
آنسوؤں کی طرح
تم کو دیکھا تو آنکھوں میں جلنے لگے
آرزو کی طرح
تیری منزل بنے میرا ہر راستہ
تو سمندر ہے میں ساحلوں کی ہوا

"لگتا ہے یہ گانا تمہیں بہت پسند ہے۔ مت سنا کرو مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔"
وہ اسکی شلوار قمیض پر آئرن پھیرتے ہوئے چونک کر پلٹی وہ باتھ روم سے باہر نکل کر سیدھا سی ڈی پلیئر کی طرف آیا تھا اور بٹن آف کر دیا۔

"دن میں کتنی بار سنتی ہو یہ گانا۔" وہ آئینے کے سامنے کھڑا ہو گیا اور تولیے سے گیلے بال رگڑتے ہوئے اس کے عکس کو دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

"آپ کو نہیں پسند تو اب نہیں سنوں گی۔ ویسے یہ تو بہت پیارا گانا ہے آپ کو بھلا ناپسند کیوں ہے؟" وہ اس کا شلوار سوٹ کرسی پر پھیلاتے ہوئے بولی تو وہ ایک دو پل خاموش رہا پھر پلٹ کر ہنس دیا۔

"شاید اس لئے کہ تم اسے مجھ سے زیادہ پسند کرنے لگی ہو" یہ کہتے ہوئے اس نے نگاہیں اس کے چہرے پر جما دیں۔ "اور جو میرا رقیب بننے لگے وہ ظاہر ہے مجھے ناپسند ہی ہوگا۔ کبھی اتنا غور اور اشتیاق سے مجھے بھی سن لیا کرو۔ اتنا برا تو میں بھی نہیں گاتا۔ آزمائش شرط ہے۔" اس نے تولیہ اس کے کندھے پر ڈال دیا۔ اور برش اٹھا کر بالوں میں پھیرنے لگا۔

"باتیں بنانا تو کوئی آپ سے سیکھے۔" وہ ہنس دی۔ وہ صاف محسوس کر گئی تھی کہ وہ بات

بنا گیا ہے۔ اس گانے پر جو تاثرات اس کے چہرے پر آئے تھے اس سے وہ محسوس کر چکی تھی کہ وہ اس گانے کو سخت ناپسند کرتا ہے اور کیوں؟ اس کی وجہ ضرور تھی مگر جحت کی اس کی عادت نہ تھی اور یوں بھی اسے تو اس محبت اور جذبوں سے پُر شخص سے بے طرح شرم آتی رہی تھی۔ وہ پاس ہوتا تو وہ شرمائی شرمائی سی رہتی۔ نگاہوں سے اوجھل ہوتا تو اس کی باتیں یاد کر کے شرماتی رہتی۔
وہ نہا کر نکلی تو ولید بیڈ پر نیم دراز فون کی بجنے والی گھنٹی کی طرف متوجہ ہو گیا تھا پھر ہاتھ میں پکڑا اخبار ایک طرف ڈال کر ریسیور اٹھا لیا۔ مگر ہیلو کے ساتھ ہی اس کے مسکراتے لب یکدم سکڑ گئے۔

"جی بھائی جان۔ میں ولید بول رہا ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟"
"جی نہیں یہ بات نہیں ہے۔"
"اوہو بات تو سنیں میں خود سوچ رہا تھا۔"
اس نے یکلخت لب بھینچے پھر ایک ہلکی سی سانس بھری۔
"یہ محض آپ خیال کر رہے ہیں۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ بائی گاڈ میں سچ کہہ رہا ہوں۔"
"بہتر۔ اچھا بات تو سنیں..... اوہو بات تو سنیں میری۔"
"ہیلو، ہیلو بھائی جان۔"
"مائی گاڈ۔" اس نے کھٹاک سے ریسیور کریڈل پر پٹخا۔ لب اتنے زور سے دانتوں میں دبا رکھے تھے کہ شیزا کو لگا ابھی ان میں سے خون چھلک آئے گا۔
کس کا فون تھا۔ کوئٹہ سے تھا کیا۔" وہ کچھ پریشان سی اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ ولید نے نظریں اٹھا کر اس کے چہرے پر جما دیں، اس کی خوش نما آنکھیں کچھ دیر خالی خالی سی رہیں پھر آہستہ آہستہ ان میں سرد مہری کا صحرا اترنے لگا۔ بے ساختہ اس نے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔
"ہاں۔ بھائی جان تھے اور مجھے اپنی کوتاہی کا احساس دلا رہے تھے۔"
"کیسی کوتاہی۔" اسکا دل لرزنے لگا۔ جواباً ولید نے اس پر تیز نظریں ڈالیں پھر بولا۔
"ہم بھول ہی گئے کہ ہمیں فوراً کوئٹہ جانا تھا بلکہ شادی کے دوسرے روز ہی۔ ولیمہ بھی وہیں ہونا ہے۔" وہ بیڈ سے اتر گیا اور فوراً کمرے سے بھی نکل گیا۔
وہ عجیب سے احساسات کے ساتھ اپنی جگہ کھڑی رہ گئی۔
"کوئٹہ۔" جانے کا احساس پتا نہیں خوش کن تھا یا وحشت آمیز۔ تاہم دل کے کسی کونے سے میٹھی میٹھی کسک کا غبار اٹھنے لگا۔

کوئٹہ نام کے ساتھ خوبصورت اور بدصورت یادوں کا ریلا سا ذہن میں جال کی طرح پھیلتا چلا گیا اور اس سے پہلے کہ وہ ماضی کی کسی وادی میں گم ہو جاتی اسے یکدم ولید کا خیال آ گیا۔

اس کے چہرے سے لگ رہا تھا اس نے فون پر خاصی لعن طعن سنی ہے۔ تبھی موڈ خراب ہو گیا تھا۔ وہ کمرے سے باہر آئی تو وہ ٹیرس کی گرل سے لگا کھڑا سڑک پر بھاگتی دوڑتی گاڑیوں کا کھیل غیر دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

یہ چھوٹا سا خوبصورت فلیٹ اس کا اپنا تھا جہاں وہ رخصت ہو کر آئی تھی۔ وہ چلتی ہوئی اس کے پاس آ گئی اور ریلنگ پر جمے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"آئی ایم سوری۔ میری وجہ سے آپ کو بھائی جان کی خفگی سہنا پڑی۔"

وہ چونک سا گیا اور اس نازک شفاف ہاتھ کو کتنی دیر دیکھتا رہ گیا۔ پھر ہلکی سی سانس بھرتے ہوئے اسے دیکھا۔

"تمہاری وجہ سے کیوں؟"

وہ پلکیں جھکا گئی۔ پھر ریلنگ پر جھک کر باہر سڑک کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں نے بھی تو آپ کو یاد نہیں دلایا کہ کوئٹہ جانا ہے۔ جبکہ شادی سے پہلے آپ نے کہا تھا کہ ہم شادی کے فوراً بعد کوئٹہ جائیں گے اور ولیمہ بھی وہیں ہو گا۔ پتا نہیں میں نے یہ بات کیوں فراموش کر دی۔" اس کے چہرے سے لگ رہا تھا جیسے وہ از حد نادم ہو۔

ولید نے نظریں اس کے چہرے سے ہٹا کر سڑک پر بھاگتی دوڑتی ٹریفک پر کر دیں۔"

"کیا وہاں سب اکٹھے رہتے ہیں۔ میرا مطلب ہے جوائنٹ فیملی سسٹم مجھے بہت پسند ہے۔ مل کر رہنا بہت اچھا لگتا ہے۔ اس سسٹم کی خوبی یہ ہے کہ سب ایک دوسرے کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں میں شریک ہوتے ہیں' دکھ غم میں ساتھ دیتے ہیں' شیئر کرتے ہیں دکھ سکھ ہے نا ولید۔ یہ سب کتنا اچھا لگتا ہو گا ناں۔"

"تم ایسا کرو۔ سامان کی پیکنگ وغیرہ کرنا شروع کر دو۔ میں ٹکٹ وغیرہ کا بندوبست کرتا ہوں۔ کل ہی چلے جاتے ہیں۔" وہ پتا نہیں اس کی باتیں سن رہا تھا یا نظر انداز کرتا ہوا بولا۔

وہ چپ سی ہو کر اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔ پھر کچھ کہنا چاہا مگر وہ سرعت سے ٹیرس کا گلاس ڈور کھول کر سیڑھیاں اتر گیا۔

وہ اس کی اس سرد مہری کو شدت سے محسوس کیے بنا نہ رہ سکی مگر پھر یہ سوچ کر سر جھٹکا کر وہ فون سن کر اپ سیٹ ہو گیا ہے اور جلد از جلد کوئٹہ جا کر شاید بھائیوں سے معذرت کرنا چاہ رہا ہو۔

ہاں غلطی تو اس کی بھی تھی اسے بھی تو خیال نہیں رہا۔

ہفتہ اس تیزی سے گزرا کہ وہ بھی اس کی رنگینیوں کے سحر میں جکڑی دنیا مافیہا سے بے خبر رہی۔

وہ سر جھٹک کر اندر چلی آئی ابھی ڈھیر ساری پیکنگ کرنا تھی' وہ کام میں لگ گئی۔

ولید آیا اس خبر کے ساتھ کہ کل صبح گیارہ بجے چلنا ہے۔ وہ پریشان ہو گئی۔ امی سے ملنے کا کہا تو اس نے منع کر دیا کہ وقت بالکل نہیں ہے۔ ہاں فون پر بات کر سکتی تھی سو اس نے رات ہی امی کو فون کر لیا ان کی ڈھیر ساری دعائیں لیں۔ ماں ہونے کے ناطے انہوں نے حسب عادت کئی نصیحتیں بھی اسے کیں۔ سسرال میں عزت سے مقام بنا کر رکھنے کی تاکید کی۔ وہ کبھی ہنس دیتی کبھی رو پڑتی۔ پھر روتے ہوئے ہی فون رکھ دیا مگر ولید سے آنسو چھپانے کے لئے باتھ روم میں گھس گئی۔

☆☆☆☆

کوئٹہ ائرپورٹ پر خاصی رونق تھی۔ وہ پسنجر لاؤنج سے نکل کر باہر کھلی فضا میں آئی تو اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔

اپنا آبائی شہر وہ ایک عرصے کے بعد دوبارہ دیکھ رہی تھی۔ دل خوش بھی تھا اور ماضی کی یادوں کی طغیانی کی زد پر آ کر مغموم بھی تھا۔ اس نے بے اختیار ولید کا بازو جکڑ لیا۔ ولید نے ٹیکسی کو اشارہ دیتے ہوئے اسے دیکھا۔

"ولید۔" اس نے کچھ کہنا چاہا مگر لب کپکپا گئے وہ ہنسنا چاہ رہی تھی' کھل کر قہقہے لگانا چاہ رہی تھی۔ اور رونا بھی چاہ رہی تھی بالکل بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونا۔

"کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ یہاں دوبارہ آؤں گی۔ زندگی میں دوبارہ اپنا شہر دیکھنے کو ملے گا۔"

خاصی دیر بعد وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر اس نے سیٹ پر خود کو ڈھیلا چھوڑ کر سر پشت سے لگا لیا۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"ہم کیا سوچتے ہیں اور تقدیر ہمیں کیا دکھاتی ہے۔ ہے نا ولید! تقدیر کی یہی گردش تو ہمیں اللہ کی موجودگی کا احساس دلاتی ہے۔ ہے نا۔" وہ یکدم بچوں کی مانند خوش دکھائی دے رہی تھی۔

اس کا چہرہ گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا اور مسکراہٹ میں ایک روشنی تھی۔

ولید بے اختیار اس کے چہرے کی تابانیوں میں گم ہو کر اسے تکنے لگا۔

''ولید آئی ایم سو ہیپی۔ کیا تم بھی اتنے ہی خوش ہو جتنی میں؟'' اس نے ولید کی طرف دیکھا پھر ہنس دی اور شیشے کے پار پہاڑوں کے خوبصورت سلسلے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''مجھے خلیل جبران کی ایک نظم یاد آ رہی ہے۔

آئی ایم سو گلیڈ یو
اینڈ آئی آر ہیر ٹو سی
اینڈ ہیر اینڈ بی
اینڈ آئی ایم مور دیٹ گلیڈ
دیٹ یو آر یو
ہاؤ وڈ بی الیف یو ویئر ناٹ

''اچھی ہے نا؟'' وہ رخ موڑ کر ولید کی طرف دیکھنے لگی۔ اس بار وہ ٹیکسی والے کی طرف متوجہ تھا۔ اسے راستہ بتا رہا تھا مگر وہ اپنی ہی دھن میں بولتی رہی۔

''یہ نظم علینہ نے میری ڈائری میں ایک بار لکھی تھی۔ علینہ آہ۔ ہم کتنے اچھے دوستوں کو آن واحد میں گم کر دیتے ہیں ولید۔'' علینہ کا خیال آتے ہی اس کے دل پر یاسیت ہلکورے لینے لگی۔

''تمہیں یاد آتی ہے علینہ؟'' ولید اب اس کی طرف متوجہ ہوا تھا اور ساتھ ہی ہاتھ کے اشارے سے ٹیکسی والے کو ایک گلی میں موڑنے کو کہا پھر شیزا کا چہرہ دیکھنے لگا جو سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے آنکھیں موندے اس کی بات کے جواب میں سر ہلانے لگی۔

''ہاں بہت مگر یادوں سے بھلا کب دل سیراب ہوتے ہیں۔ کب دل تسلی پاتے ہیں۔ یادیں تو بادل کی طرح دل کے دشت پر ذرا سا برس کر اڑ جاتی ہیں۔ ارے۔'' وہ آنکھیں کھول کر ہنس پڑی۔ ''یہ میں کیا باتیں لے بیٹھی۔ آپ کو بھلا اس سے کیا دلچسپی۔''

''تم اس موضوع پر کبھی بات ہی نہیں کرتیں ورنہ شاید دلچسپی پیدا ہو ہی جائے۔'' وہ سر کو خفیف سا جھٹک کر سامنے دیکھنے لگا۔

وہ چہرہ موڑ کر شیشے کے باہر دیکھنے لگی۔

''میں اس باب کو بند کر چکی ہوں۔ میں ماضی کو بھلا دینا چاہتی ہوں خواب سمجھ کر۔ بس حال اور مستقبل کے بارے میں سوچنا چاہتی ہوں۔''

ولید نے محسوس کیا اس نے خوبصورتی سے موضوع کو ٹال دیا تھا۔ اس نے بھی کریدنے کی سعی نہ کی۔

دونوں کے مابین گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ کچھ دیر بعد ٹیکسی ایک عالیشان بنگلے کے سامنے ٹھہر گئی۔ باوردی چوکیدار نے ولید کو دیکھ کر جلدی سے گیٹ کھول دیا اور پھر بھاگ کر ٹیکسی سے ان کا سامان اتروانے لگا۔

''آؤ شیزا۔'' ولید اسے لئے اندر چلا آیا۔

ایک خوبصورت روش پر وہ دونوں چل رہے تھے۔ ان کے دونوں طرف ہرا بھرا لان تھا جس کی تازگی کو شیزا نے شدت سے محسوس کیا۔ روش کے کنارے کنارے رنگ برنگ گلاب ہر آنے والے کی توجہ کا مرکز ضرور بنتے تھے۔

''ولید۔'' اس نے بڑے بڑے قدم اٹھاتے ولید کی شرٹ پیچھے سے تھام لی۔ ''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ پتا نہیں کیوں دل بھی بہت گھبرا رہا ہے۔''

وہ رک کر پلٹا۔

''دل کی کیا بات کریں دل تو ہے پاگل جاناں۔ کم آن ڈونٹ وری۔ وہ ہنس دیا۔ وہ بھی زبردستی مسکرانے لگی۔ اسے کچھ عجیب سا لگ رہا تھا کہ ان کے ائیرپورٹ پر موبائل پر اطلاع کرنے کے باوجود گھر کا کوئی فرد ان کے استقبال کو نہیں آیا تھا۔ گھر کے درودیوار پر جیسے مہیب سا سناٹا طاری تھا اور یہ سناٹا اس کے دل پر ہولے ہولے اتر رہا تھا۔

بقول ولید کے اس کے دو بڑے بھائی ہیں' بھابیاں ہیں بڑے بھائی کے دو عدد بچے ہیں۔ پھر.... پھر گھر میں ایسا سناٹا کیوں محسوس ہو رہا ہے جیسے اندر کسی ذی روح کی موجودگی کا احساس نہ ہو۔

گلاس ڈور کھول کر وہ اسے لابی میں لے آیا۔

دبیز قالین اور خوبصورت فرنیچر سے آراستہ یہ لابی اپنے مکینوں کے اعلیٰ ذوق کی غماز تھی۔

مگر یہ اتنا سناٹا کیوں؟

یہ سوال اسے اندر ہی اندر الجھن میں دھکیل رہا تھا' دل کے کسی کونے سے عجیب سا خوف بادل کی طرح اٹھتا محسوس ہو رہا تھا۔

''تم یہاں اطمینان سے بیٹھو۔ میں دیکھتا ہوں سب لوگ کدھر ہیں۔'' وہ ایک صوفے کی طرف اشارہ کرتا ہوا خود باہر نکل گیا۔

وزنی گلاس ڈور لہرا کر چپ سے سنہری فریم میں فٹ ہو گیا۔ وہ سمٹی سمٹائی سے ایک صوفے میں دھنس سی گئی۔ کچھ دیر بعد ملازم ٹرالی میں پائن ایپل جوس کا بھرا جگ اور بلوریں گلاس لئے آن موجود ہوا اور گلاس میں جوس بھر کر اسے پیش کیا۔ اس نے پیاس کی شدت محسوس کرتے ہوئے جلدی سے تھام لیا اور صوفے سے لگ کر بیٹھ گئی۔ چند چسکیاں لے صوفے سے اٹھ کر لابی کی دیواروں پر آویزاں خوبصورت پینٹنگز کا جائزہ لینے لگی۔

''لگتا ہے گھر والے کسی دعوت وغیرہ میں گئے ہوں گے۔''

وہ دیکھ پینٹنگز رہی تھی مگر ذہن اس کے گھر والوں پر اٹکا ہوا تھا۔

پتا نہیں کیسے ہوں۔ کس مزاج کے ہوں گے' کس طرح اس سے سلوک کریں گے؟

کیا ولید کی طرح ہوں گے بذلہ سنج محبت کرنے والا' پرخلوص یا پھر۔

اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس کر کے وہ پلٹی۔ مگر اسے لگا جیسے پلٹتے ہی اسکی روح جسم سے نکلنے لگی ہو یا اس کے قدموں سے کسی نے زمین ہی کھینچ لی ہو۔

اندر آنے والا ہاشم خان تھا۔ علینہ کا بڑا بھائی۔

''موسٹ ویلکم شیزا علوی۔'' اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی جو سراسر فاتحانہ تھی۔ اسے لگا وہ چکرا کر گر جائے گی اور ایسا ہی ہوتا اگر اس نے قریبی کرسی پر جلدی سے ہاتھ نہ رکھ دیا ہوتا۔ خوف' حیرت سے اس کا دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔ بالکل غیر متوقع طور پر حملہ ہوا تھا اس کے اعصاب پر۔ پھر وہ ٹوٹی شاخ کی طرح کرسی پر ڈھے سی گئی قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہاشم خان کو تک رہی تھی۔

''تم نے مجھے پہچان لیا اچھی بات ہے۔ ورنہ خواہ مخواہ تعارف کے مراحل سے گزرنا پڑتا۔ اینی وے ریلیکس ہو کر بیٹھو۔ تم علینہ کی بیسٹ فرینڈ ہی نہیں میرے سب سے پیارے بھائی ولی کی بیوی بھی ہو۔'' وہ اس کے تاثرات کا جائزہ لیتا ہوا اس کے سامنے صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔

مگر وہ یونہی پتھرائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

اس بری طرح سے دھوکا کھانے کا تصور بھی اس کے پاس نہ تھا۔ حالات یوں پلٹا کھائیں گے' اس کے سامنے ایسے ہیبت ناک صورت حال آئے گی اس نوبت کا تو گمان بھی نہ تھا۔ وہ ٹھٹھرے ہوئے اعصاب اور ماؤف دماغ کے ساتھ بت بنی بیٹھی رہی۔

''ولی یعنی ولید۔ میرا سب سے چھوٹا بھائی ہے جو بھائی کم بیٹے کی طرح ہے۔ اسے یہ قربانی بحالت مجبوری دینا پڑی کہ میں تمہیں اس طرح اغوا کر کے' اس گھر میں نہیں رکھ سکتا تھا'

ہماری غیرت گوارا نہیں کرتی۔'' یہ کہہ کر اس نے اس کے چہرے کا تفصیلی جائزہ لیا پھر صوفے سے اٹھتے ہوئے بولا۔

''میرا خیال ہے تم تھوڑا آرام کر لو۔ اب تو نہ تمہیں کہیں جانا ہے نہ ہمیں جلدی ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے رخ موڑا اور ملازم کی طرف متوجہ ہوا۔

شہباز بڑی بیگم سے کہو کہ مہمان کو کمرے میں لے جائیں۔''

''ہاشم خان۔'' وہ جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔ جیسے اچانک ہی توانائی اس کے اندر بھر گئی ہو وہ گلاس ڈور سے نکلتے ہوئے ٹھٹک کر اس کی طرف پلٹا۔

''تم لوگ اس قدر دھوکے باز' فراڈی ہو گے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہاں ہے ولید' میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں میں' میں اس قید خانے میں ہرگز نہیں رہوں گی۔ ہرگز نہیں رہوں گی۔ لائیں اسے۔'' یہ کہتے ہوئے خوف وغم سے رو پڑی۔

ہاشم خان نے آنکھوں کے اشارے سے ملازم لڑکے کو باہر جانے کا اشارہ کیا پھر شیزا کی طرف دیکھا۔ ایک تمسخرانہ تبسم اس کے لبوں پر پھیل آیا۔

''ولید' خوب۔ اس نے تو محض میرے کہنے پر یہ قربانی دی ہے۔ اسے تم سے کوئی سروکار نہیں ہے اور میرا خیال ہے لڑکی جتنے رنگین لمحات تم اس کے ساتھ گزار لئے اسے ہی غنیمت جان کر آئندہ کسی خوش کن خیال کو دل میں جگہ مت دو۔ وہ صرف ڈرامہ تھا' اس سے زیادہ نہیں۔ اسے کوئی خوبصورت خواب سمجھ کر بھلا دو۔'' یہ کہہ کر وہ ہلکے سے ہنسا۔

احساس تذلیل سے شیزا کو اپنے جسم کا سارا خون چہرہ پر سمٹتا محسوس ہوا۔ اس کے الفاظ اس کی رگ رگ کو چھیدتے ہوئے گزر گئے۔ اس نے انتہائی نفرت سے ہاشم خان کو دیکھا۔

''اگر وہ واقعی تمہارا بھائی ہے تو اس کے ساتھ گزرے وہ لمحات میرے لئے بدصورت سے زیادہ نہیں' اذیت آمیز لمحات تھے جو میں نے بے خبری میں گزار دیئے۔ اس کا تصور اب میرے لئے جہنم کی آگ سے کم نہیں' میں تو صرف ایک بار اس کا مکروہ چہرہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ کہ اتنے قوی مرد ہونے کے باوجود دو کمزور عورتوں کو دھوکا دینے والے کا چہرہ کیسا لگتا ہے۔ عورت کو دھوکا دیتے ہوئے تم لوگوں کو غیرت کہاں جا سوئی تھی۔''

''شٹ اپ اینڈ شٹ یور ماؤتھ۔'' ہاشم خان غصے سے غرایا۔ غصے سے اس کے جبڑے بھنچ گئے تھے۔ مگر اس میں جانے اتنی ہمت کہاں سے آ گئی کہ وہ اس کے سامنے ڈٹ کر کھڑی ہو گئی۔

''عورتوں کی عزت کرنا اگر تمہارا شیوہ ہوتا تو اپنے بھائی کو ایک عورت کی زندگی سے

اس کے جذبوں اور دل سے کھیلنے پر مجبور نہ کرتے۔"

"بکواس بند کرو لڑکی۔ ورنہ.... عفرا' عفرا۔" ہاشم خان اسے آگ بھری نظروں سے دیکھتا ہوا دروازہ پش کر کے چلایا۔ تبھی ایک تیس سال کی خوبصورت عورت اندر داخل ہوئی جو ہاشم خان کی بیوی تھی۔

"عفرا پلیز اسے کمرے میں لے جاؤ اور اسے سمجھا دو کہ اسے اپنی یہ گستاخیاں بہت مہنگی پڑیں گی۔"

شوہر کے حکم کی تعمیل پر عفرا نے سر ہلایا اور شیزا کو تھام لیا۔ اور وہ بھی با دل نخواستہ اس کے ساتھ چلی آئی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ اس گھر کی ہر چیز تہس نہس کر دے۔ غم و غصے' دکھ و رنج سے اس کا دل جیسے پھٹ رہا تھا۔ اس نے کمرے کی ہر چیز اٹھا اٹھا کر پھینکنی شروع کر دی۔

یہ ایک آراستہ و پیراستہ کمرا تھا جہاں ہاشم خان کی بیوی عفرا اسے لائی تھی۔ پھر اس کی ذہنی حالت سے گھبرا کر خود کمرے سے نکل گئی تھی۔

وہ ایک ایک چیز اٹھا اٹھا کر دیوار پر پھینک کر توڑتی گئی۔ تکیے اٹھا کر فرش پر پٹخے' بیڈ کی چادر تک کھینچ لی' آخر تھک ہار کر سی بیڈ پر اوندھے منہ گر کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☆☆☆☆

اب نہ محمل ہے' نہ گرد محمل ہے
اے جنوں! دشت ہے کہ منزل ہے

اس نے سلگتی آنکھیں بمشکل کھولیں تو خود کو بیڈ پر کسی حد تک بہتر انداز میں سویا ہوا پایا۔ شاید وہ روتے روتے نڈھال ہو کر نیم بیہوش ہو چکی تھی اور اسے کسی نے سیدھا کر کے اس کے اوپر کمبل ڈال دیا تھا۔

اس نے تکیے سے سر اٹھانے کی کوشش کی مگر اسے لگا درد کرتا ہوا سر کسی وزنی پتھر کی طرح ہو رہا ہے اور اٹھنے کی کوشش میں یونہی تکیے پر پڑا رہ جائے گا۔ کنپٹیوں پر رگوں کی بجائے سخت تاروں کا جال بچھا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بمشکل آنکھیں کھول کر چھت کو تکنے لگی۔

موجودہ حالات سے خوشیاں کشید کرتے ہوئے گمان بھی نہ گزرا تھا کہ آنے والے لمحات اپنے پنجوں میں ایسا اذیت ناک اور نا قابل تلافی دکھ دبا کر آئیں گے۔

کون کہہ سکتا تھا کہ کچھ وقت قبل یہ ہنستی مسکراتی رشک آمیز زندگی' اتنی بدصورتی' ہیبت ناکی اور اذیت ناکی میں بدل جائے گی۔

کچھ دنوں کی ہنسی اتار لائے گی کہ وہ ہنسنا ہی بھول جائے گی۔

دروازہ بے آواز کھلا اور ہاشم خان کی بیوی عفرا ایک لڑکی کے ساتھ داخل ہوئی۔ شیزا کو اسے پہچاننے میں دیر نہ ہوئی وہ ولید کی منجھلی بھابی عائشہ تھیں جو ولید کی شادی میں ہر موقع پر آگے آگے تھیں۔

ایک اذیت کی لہر جیسے اس کی رگ رگ کو کاٹنے لگی۔ اس نے جلتی آنکھیں دوبارہ بند کر لیں۔

"شیزا کھانا کھا لو۔ چلو یہ کچھ جوس ہی پی لو۔" عفرا نے اپنائیت سے کہتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی ٹرے ایک طرف رکھ دی اور خود اس کے قریب بیٹھ گئیں۔

"شیزا۔"

مگر وہ ان کے پکارنے پر بھی یونہی پڑی رہی تب انہوں نے اسے ہولے سے چھوا۔

"دیکھو تھوڑا سا ہی کھا لو۔ ضد چھوڑ دو۔ کھانے سے ضد اچھی بات نہیں ہے۔"

"میں جانتی ہوں آپ لوگ مجھے زندہ رکھنا چاہتے ہیں اس لئے کہ میری زندگی سے آپ لوگوں کا مفاد وابستہ تھا ورنہ ہاشم خان مجھے کب کا گولی سے اڑا چکا ہوتا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے آنکھیں کھول کر عفرا پر نظریں ڈالیں جیسے اپنی بات کے جواب کا رد عمل دیکھنا چاہا ہو پھر مجروح انداز میں ہنس پڑی۔ "ہے نا یہی بات۔"

"رہنے دیں بھابی۔ بڑے نخرے ہیں اس کے۔" ولید کی منجھلی بھابھی عائشہ نے کڑے انداز میں عفرا سے کہا اور ایک حقارت آمیز نگاہ شیزا پر ڈالی۔ "بھوک لگے گی تو خود ہی کھا لے گی۔"

"تم جاؤ عائشہ۔" عفرا نے نرمی سے اسے ٹوکا' ساتھ ہی آنکھوں کا اشارہ بھی دیا' وہ اپنی چھوٹی سی ناک سکیڑتی فوراً ہی پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔ شیزا نے اسے کمرے سے نکلتے دیکھا پھر لب بھینچ لئے۔

"تم اس کی بات کا برا مت ماننا۔ اس بے چاری کی بھی مجبوری ہے۔"

وہ چپ رہی۔ اسے کسی قسم کی وضاحتوں سے دلچسپی نہیں تھی۔

"یہ میری دیورانی ہے' سلمان بھائی کی بیوی اور حمزہ کی بہن' علینہ کی چچا زاد بھی ہوتی ہے۔ اس کے بھائی حمزہ سے علینہ کا رشتہ جڑا ہوا تھا۔ بہت چاہتا تھا حمزہ علینہ کو۔ اور خود یہ بھی بچپن سے علینہ کو بھابی کے روپ میں ذہنی طور پر قبول کئے بیٹھی تھی۔ بس اس ذہنی دھچکے نے اسے چڑ

"چڑا بنا دیا ہے۔" یہ کہہ کر عفرا چپ ہو گئیں اور ٹرے میں رکھی خالی پلیٹ میں اس کے لئے چاول نکالنے لگیں۔

شیزا اٹھ کر بیٹھ گئی تھی پھر شدید ترین احساس بے بسی میں مبتلا ہو کر کراہ کر بولی۔

"آپ لوگوں کو یقین کیوں نہیں آ جاتا میں علینہ کے معاملے میں بے قصور ہوں۔ میں نے اس کی کسی لمحے کسی قدم پر حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ۔"

"تم کھانا کھاؤ۔ دیکھو بھوکا رہنے سے کسی کو نہیں، تمہیں ہی نقصان ہوگا۔" جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں یا ان سنی کرتے ہوئے چکن پلاؤ سے بھری پلیٹ اس کے آگے کر دی۔ اس نے غصے سے پلیٹ ان کی ہاتھ سے لے کر ایک طرف پٹخ دی۔

"اس سے بڑا نقصان بھی کوئی اور ہوگا جو میں اٹھا چکی ہوں ولید خان کے ہاتھوں۔ وہ دن وہ لمحات کا خیال تصور میرے اعصاب کو ریزہ ریزہ کرنے لگتا ہے۔ میں زندہ رہنا بھی اب اپنی توہین سمجھتی ہوں" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

"علینہ سے تمہاری بہت زیادہ دوستی تھی بلکہ ایک تم ہی اس کی واحد فرینڈ تھیں۔"

"ہاں تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں اس کے ہر جرم میں شریک رہی ہوں۔" وہ بے بسی سے چلائی۔

عفرا نے اسے دیکھا اور اٹھتے ہوئے بولی۔

"عبید انصاری سے اس کی دوستی تم سے چھپی ہوئی تو نہ ہوگی، وہ اس کے ساتھ جس روز بھاگی اس رات اس نے میرے کمرے سے فون کیا تھا اور میرے سی ایل آئی کارڈ پر وہ نمبر جانتی ہو کس کا تھا۔ تمہارا۔"

وہ چہرہ اٹھا کر حیرت سے انہیں دیکھنے لگی پھر تاسف سے سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"مگر، مگر میری اس سے فون پر کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ ایسا قدم اٹھانے والی ہے۔ ہو سکتا ہے اس نے میرا نمبر ملایا ہو مگر مجھ سے بات کرنے سے پہلے رکھ بھی دیا ہو۔"

لاچاری اس کے لہجے سے چیخ رہی تھی۔ آنکھوں اور چہرے پر ایسا حزن تھا کہ عفرا اسے دیکھ کر رہ گئیں پھر نظریں ہٹا لیں۔ اس لمحے ہاشم خان ہلکے سے دروازہ ناک کرتا ہوا اپنی موجودگی کا احساس دلاتا اندر آ گیا۔

"کیا بات ہے، کھانا نہیں کھا رہی ہو تم۔" اس نے براہ راست شیزا کو ہی مخاطب کیا

تھا۔ سفید شلوار سوٹ میں وہ لمبا چوڑا شخص باوجود خوبصورت ہونے کے شیزا کو انتہائی بدصورت انسان دکھائی دینے لگا۔ وہ اسے دیکھ کر نفرت سے چہرے کا رخ موڑ کر کمبل ہٹا کر بیڈ سے اتر گئی۔

"دیکھو لڑکی، یہ نخرے وغیرہ سے کوئی ایمپریس نہیں ہوگا؟ کھانا آج نہیں کھاؤ گی تو کل کھانا پڑے گا۔ یوں بھی ہم تمہاری عزت اس لئے کرتے ہیں کہ بہرحال **تم ایک معتبر رشتے** سے یہاں موجود ہو۔"

"اونہہ، معتبر رشتہ، یہ رشتے کی نام نہاد ڈور کاٹ دیجئے۔ مجھ پر **عنایت ہوگی۔" اس** کا لہجہ کھولتا ہوا تھا۔ ہاشم خان ہلکے سے ہنس دیا۔

"یہ بھی ہو جائے گا۔ مگر تب تک ہم تمہیں اسی رشتے سے یہاں رکھیں گے تاکہ ہم پر کسی لڑکی کے اغوا کا الزام نہ آئے۔"

"اوف۔" اس کا دل سینے کی دیوار میں پھٹنے کو ہو گیا اس نے جلتی نظروں سے ہاشم خان کو دیکھا۔

"کس قدر سفاک اور ظالم لوگ ہیں آپ اچھا ہی ہوا علینہ آپ لوگوں کی دسترس سے دور ہے۔" اس کے اس جملے نے ہاشم خان کے چہرے کو دہکا دیا۔ ایک سرمہری کا صحرا اسکی بھوری آنکھوں میں اتر آیا۔ وہ اس کے قریب آیا تو شیزا کو لگا جیسے وہ ابھی کھڑے کھڑے اس کا کام تمام کر دے گا مگر وہ بولا تو اس کی آواز میں شعلوں کی بجائے برف چٹختی ہوئی محسوس ہوئی۔

"ہماری دسترس میں اذیتیں اٹھاتی رہو گی۔ تمہیں یہ دوستی بہت مہنگی پڑے گی۔ اور یہ وفا بھی، جو تم اس کے ساتھ نبھا رہی ہو۔ علینہ تو ہماری دسترس میں آ کر شاید معافی پا کر بہتر زندگی پا لے گی مگر تم..... تم اپنے انجام پر غور کرو لڑکی، بہت عبرتناک انجام ہوگا تمہارا۔ اب بھی وقت ہے خود کو اس دوستی کے چکر سے نکال باہر کرو۔"

شیزا کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ تاہم وہ چپ رہی۔ اب وہ کس طرح انہیں قائل نہیں کر سکتی تھی، وہ لوگ اس کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھے۔ سچ کو جھوٹ سمجھ رہے تھے۔ اب اس کے پاس ایسا کوئی ہنر نہیں تھا کہ وہ اپنی سچائی کو ثابت کر سکے۔

تھک کر اس نے خود کو کرسی پر گرا کر دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

وہ کس کس بات کا ماتم کرے۔

یوں دن دھاڑے ایک شخص کے ہاتھوں جذبوں کے لٹ جانے کا۔

اپنی قسمت کی تاریکی پر' تقدیر کی ستم ظریفی پر یا ان لوگوں کی اس بے یقینی سنگدلی پر۔

"مجھے بہت ترس آتا ہے تم جیسی اڑیل' ضدی اور چھوٹی عقل کی لڑکیوں پر۔ جن کے نزدیک اپنی جان سے بڑھ کر جذبات' احساسات اہم ہوتے ہیں۔" ہاشم خان اسکی خاموشی پر یہی سمجھا وہ علینہ کی دوستی کا دم بھر رہی ہے۔ اور یہی خیال اسے غصہ دلا رہا تھا۔ وہ اس پر ایک قہر بھری نگاہ ڈال کر کمرے سے چلا گیا۔

☆☆☆☆

میرے خلاف ہوا ہے تو اس کا ڈر بھی نہیں
یہ جانتے ہیں کہ وہ اتنا معتبر بھی نہیں
تجھے بھی دیکھ لیا شام وعدہ آخر
اب اعتبار ہمیں تیرے نام پر بھی نہیں

ولید دو دن بعد اس کے کمرے میں آیا تھا۔ یہ بھی ہاشم خان نے اسے صبح صبح لونگ روم میں گھیرا تھا۔ سلمان بھی وہیں موجود تھا۔

"اس لڑکی کے دماغ کے اسکرو جا کر اب تم ٹائٹ کرو ولید کس قدر ضدی اور اڑیل عورت ہے یہ۔" وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے جیسے خود بھی سلگ رہے تھے۔

ولید نے اخبار سے نظریں ہٹا کر دونوں بھائیوں کا چہرہ باری باری دیکھا پھر دوبارہ اخبار پر نظریں مرکوز کر دیں۔

"اسے آپ کے حوالے تو کر دیا ہے اب اور کیا کروں؟" اس کا لہجہ بے حد سپاٹ تھا۔

"کیا مطلب..... حوالے سے؟" سلمان بھائی نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔ "کیا علینہ تمہاری بہن نہیں ہے۔ کیا خاندان بھر کے طعنوں کی غلاظت تمہارے کپڑوں پر نہیں گری یہ صرف ہمارا دردسر ہے تمہاری ناک' وقار کا مسئلہ نہیں ہے۔ بھول چکے ہو تم وہ ساری بے عزتی۔"

"وہی تو نہیں بھول سکا۔ وہی تو ذہن میں کھولن مچاتی ہے۔" اس نے ڈھیلے ہاتھوں سے اخبار ایک طرف ڈال دیا اور ہاشم خان کی طرف دیکھا۔

"کیا چاہتے ہیں آپ مجھ سے؟"

ہاشم خان ایک دو پل اسے دیکھتے رہے پھر ایک ہنکارا بھر کر بولے۔

"فی الحال تو یہ کرو کہ اسے زبردستی کچھ کھلا پلا دو۔"

"کیا مطلب؟" اس نے نہ سمجھتے ہوئے انہیں حیرت سے دیکھا۔

"دو دن سے اس نے کچھ کھایا نہیں ہے۔ بہت سمجھایا مگر۔" عفرا جو آ کر صوفے پر بیٹھ گئی تھی دھیرے سے بولیں۔

یہ سن کر ولید کے اعصاب پر ایسا اثر ہوا جیسے وائلن کے تنے ہوئے تار پر کوئی کھٹ سے ہاتھ مار دے۔ دوسرے پل' اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور صوفے سے اٹھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولا۔

"آپ لوگ کیوں تردد کر رہے ہیں۔ بھوک لگے گی تو خود کھا لے گی' کتنے دن کرے گی فاقہ کشی۔"

"نہیں ولید' میں نہیں چاہتا کہ نئی مصیبت کھڑی ہو۔" ہاشم خان کا لہجہ حکمیہ تھا۔

وہ لبوں کو باہم دانتوں میں دبا کر رہ گیا پھر ایک سانس بھرتے ہوئے بولا۔

"میرا تو خیال تھا میں اپنا کریکٹر پلے کر چکا ہوں۔"

"ہاں' میرا بھی یہی خیال تھا کہ اس کے لئے اتنا ہی بہت ہوگا مگر وہ ہمارے اندازے سے کہیں زیادہ ضدی اور خود سر واقع ہوئی ہے۔ دیکھو ولید۔" ہاشم خان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "تم ایک بار پھر سمجھداری سے اسے قائل کرنے کی کوشش کرو۔ ہو سکتا ہے وہ۔"

ولید نے نظریں جھکا لیں۔

"یوں بھی تم نے خاصے خوشگوار دن گزارے ہیں اس کے ساتھ۔ ایک ہفتہ کم تو نہیں ہوتا۔" عائشہ طنز سے ہنسی۔ "کچھ وقت اور سہی' یہ پلے کر لینے میں حرج بھی نہیں۔"

"شٹ اپ۔" ولید بے اختیار اس کی سمت گھوما' اس کا چہرہ لال ہو گیا۔

"عائشہ' باہر جاؤ تم۔" سلمان بھائی نے ولید کے تیور بھانپ کر بیوی کو ڈپٹ کر باہر نکال دیا۔ ولید مٹھیاں بھینچ کر اسے جاتا دیکھتا رہا۔

"کول ڈاؤن ولید۔"

"میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا ہے کہ میں نے ایک ہفتہ محض اس کی ماں کو مطمئن کرنے کے لئے وہاں گزارا تھا کہ کسی قسم کا شک نہ ہونے پائے۔" وہ ہاشم خان کا ہاتھ اپنے کندھے سے جھٹک کر بگڑے لہجے میں بولا۔

اسے لگا اس کی چچازاد اور بھابی عائشہ نیازی نے بھری محفل میں اسے طمانچہ دے مارا ہو۔ اگر سلمان اسے کمرے سے نکال نہ دیتا تو شاید اس کا ہاتھ اٹھ جاتا اس پر۔ وہ رشتے میں بے شک بڑی تھیں مگر عمر میں بہرحال اس سے دو تین سال چھوٹی ہی تھیں۔

اس نے غصے سے تپائی پر ٹھوکر ماری اور لونگ روم کا پردہ اتنے زور سے کھینچ کر باہر نکلا کہ پردہ کلپ سے نکل کر کنارے سے لٹک گیا۔ وہ اسی غصے سے شیزا کے کمرے میں داخل ہوا۔

یہاں تو سانس بھی لینا محال لگتا ہے
ہم اس فصیل کے قیدی ہیں جس میں در بھی نہیں
محبتوں میں وفا کی سزا تو ملنی تھی
دل تباہ تیرے کام معتبر بھی نہیں

دروازہ پوری ٹھوکر سے کھلا تھا۔ وہ کھڑکی کے باہر دیکھتے دیکھتے چونک گئی۔

''تم اس طرح کے نخرے دکھا کر سمجھتی ہو ہمدردیاں حاصل کر لوگی۔''

اس کے پلٹنے سے پہلے ہی وہ اس کے سر پر نازل ہو چکا تھا۔ ''شیز اواٹ ڈو یو وانٹ۔'' اس نے کھڑکی کا پٹ کھٹاک سے بند کیا اور بازو پکڑ کر اس کا رخ جھٹکے سے اپنی سمت موڑ دیا۔

''ایک پل اس کا دل سینے کی دیوار میں معمول سے ہٹ کر دھڑکا۔ وہ اجاڑ ویران نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے گلاب پتی پتی بکھر گیا ہو۔ مگر دل پر اٹھنے والی قیامت لمحہ بھر کی تھی۔ دوسرے پل اس نے اپنے فطری جذبوں کی لگام کھینچ لی۔ اور ان کا رخ جھنجھلاہٹ اور غصے کی طرف موڑ دیا۔

نئے سرے سے وہ تلملاہٹیں رگ رگ چھیدنے لگیں۔ اس کی سوچوں خیالوں میں کھولن اتر آئی۔

وہ موت کی طرح ساکت تھی مگر اس کی آنکھوں میں نفرت کا الاؤ دہکتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے آہستگی سے اس کا ہاتھ اپنے بازو سے جھٹکا اور کھڑکی کھول کر باہر دیکھنے لگی۔

''ہمدردی وہاں حاصل کی جاتی ہے جہاں اپنائیت ہو' محبت ہو' جھوٹے فریبی اور بے حس لوگوں سے ایسی توقعات رکھنا دیوانگی ہے۔'' وہ ہنسی مگر اس کی ہنسی ٹوٹے کانچ کی طرح تھی۔

''کیوں آئے ہو میرے پاس۔ اگر یہ کہنے کے لئے میں کھانا کھالوں تو میں کھانا کھا چکی ہوں۔ وہ دیکھو۔'' اس نے ٹرے کی طرف اشارہ کیا۔ جس میں خالی برتن پڑے تھے۔ ''بس خوش۔ جاؤ جا کر ہاشم خان سے کہہ دو اور اب تم جاؤ۔'' وہ اندر سسکیاں دباتی سرد مہری سے بولی۔

ولید کا چہرہ ہلکا سا سرخ ہو گیا۔ تاہم وہ اپنے اندر کے ابال کر دباتا ہلکی ہنسی کے ساتھ اس کے قریب آیا۔

''میں تمہارا شوہر ہوں۔ تم ایسا کوئی حکم مجھے صادر نہیں کر سکتیں۔ میں اپنی بیوی کے کمرے میں آیا ہوں غیر کے نہیں۔''

''شٹ اپ۔'' وہ سلگتی کی طرح چیختی تھی۔ اس کی ہنسی اس کا جملہ کسی تلوار کی تیز دھار کی مانند اسے کاٹتا ہوا گزر رہا تھا۔ اس کا چہرہ لال بھبوکا ہونے لگا۔

''تمہاری بیوی کہلانا میں اپنی توہین سمجھتی ہوں۔ وہ شادی نہیں دھوکا' فریب تھا' جو ایک قوی مرد نے کمزور لاچاری عورت کو دیا۔ شرم آتی ہے مجھے خود کو تمہاری بیوی سمجھتے ہوئے۔''

''مگر مجھے تو تمہارا شوہر سمجھتے ہوئے فخر محسوس ہو رہا ہے۔'' اس نے اس کے غصے کو شہد کی طرح پیتے ہوئے اس کے آگے جھولتی لٹ کو ہولے سے چھیڑا۔

''چلے جاؤ یہاں سے آئی سے گیٹ آؤٹ' اس سے پہلے کہ میں نفرت اور غصے میں پھٹ کر بیٹھوں چلے جاؤ یہاں سے' میں تمہارا چہرہ بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔'' اس کی آواز میں بے پناہ کرب تھا۔ وہ رو دینے کو تھی۔

''یہ چہرہ تو تمہیں اب دیکھنا ہی پڑے گا مائی ڈیئر وائف۔'' اسے شانوں سے پکڑ کر جھٹکا دیا تو وہ ٹوٹی شاخ کی طرح لہرا کر رہ گئی۔ ''تم نے ابھی صرف میرا پیار ہی دیکھا ہے غصہ اور نفرت نہیں۔'' اس کا سرد سرد لہجہ اس کی ریڑھ کی ہڈی تک میں اتر گیا۔ اس کا دل لہولہو ہو گیا مگر وہ خود کو جوڑتی اس کا حصار توڑ کر پیچھے ہٹی اور نفرت سے ہنسی۔

''پیار؟ اس فراڈ کو تم پیار کا نام مت دو تو اچھا ہے۔ پیار کے جذبے کی توہین ہوتی ہے تم جیسے شقی القلب انسان کو محبت جیسا گداز جذبہ چھو کر بھی نہیں گزرتا' غیرت کے نام پر تم لوگ صرف قتل کر سکتے ہو' محبت و پیار نہیں۔'' اس نے اس پر ایک جھلتی ہوئی نظر ڈال کر حقارت سے رخ پھیر لیا۔

ولید کا چہرہ لال ہو گیا۔ وہ مٹھیاں بھینچتا ہوا اس کی جانب بڑھا۔ اس کی بھوری آنکھیں جلنے لگی تھیں۔

''فراڈ تو تم نے ہمارے ساتھ کیا ہے علینہ کا اس گھناؤنے کام میں ساتھ دے کر' ہماری عزت کی دھجیاں بکھیری ہیں تم نے اس کے ساتھ مل کر۔''

اسی غصے کے عالم میں چیختا ہوا اس کا بازو پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا پھر اتنے زور سے جھٹکا دیا کہ وہ دیوار سے جا لگی۔ کر اس زور سے ٹکرائی کہ تکلیف کے احساس سے اس کی چیخ نکل گئی۔

''یہ محبت نہیں تھی دشمنی تھی اس کے ساتھ بھی اور ہمارے ساتھ بھی۔'' وہ سلگتی نظروں

سے اسے دیکھ رہا تھا کہ وہ یکدم رنج کی لپیٹ میں آ گئی۔

بے بسی' بے اختیاری' دل شکستگی' سے اس کی آنکھوں کی سطح نم ہونے لگی۔

دل بہت زور سے ٹوٹا تھا مگر اس کے ٹوٹنے کی صدائیں صرف وہی سن سکتی تھی۔ دور کھڑا سفاک نظروں سے اسے چھلنی کرتا ہوا شخص نہیں۔

ایک کرب سے اس نے آنکھیں میچ کر کھولیں۔ دل کی دیواریں لہولہو ہو گئیں۔

''دوستی..... ہاکیسی دوستی ولید خان۔'' وہ ہنسی تو اس کی ہنسی بھی کراہیں سی تھیں۔ دیوار سے لگ کر اس نے بے پناہ کرب اور ماتم کناں نظروں سے اسے دیکھا۔

ایک طرف دوستی کے ہاتھوں خوار ہو رہی ہوں اور دوسری طرف محبت کے نام پر' اس بری طرح دھوکا کھا رہی ہوں کہ اب زندہ رہنا ہی عذاب لگ رہا ہے۔'' وہ افسردگی سے ہنس رہی تھی۔ یہ جو کبھی مہربان بادل کی طرح لگا تھا اب کس قدر بدلے روپ میں اس کے دل کی دنیا میں توڑ پھوڑ مچا رہا تھا۔

اس بری طرح تو وہ کبھی نہ ٹوٹی تھی۔

یہ اس کی پہلی اور آخری شکست تھی اسکے حوصلوں کی بھی چٹانیں تڑخنے لگیں۔

''تم..... آخر علینہ کے بارے میں بتا کیوں نہیں دیتیں؟'' وہ اس کی لہو رنگ آنکھوں سے نظریں چرا کر سخت تکلیف کے احساس کے ساتھ دیوار پر مکا مار' پھر جھنجلاہٹ کے ساتھ بولا۔

''ہاشم بھائی کے غصے کو ہوا مت دو۔ وہ ابھی تم سے نرمی برت رہے ہیں ایسا نہ ہو کہ......''

''اس سے زیادہ بھی ظلم کوئی اور ہوگا ولید خان۔'' وہ مجروح انداز میں اسے دیکھ کر ہنسی۔

''ہاں' تم میری نفرت کی شاید انتہا دیکھنا چاہتی ہو۔'' وہ اس کے نزدیک چلا آیا۔ میرے اندر بہت کھولن ہے شیزا۔ بہت کھولن ہے' اس سے پہلے کہ تم اس کی لپیٹ میں آ جاؤ دیکھو۔ مجھے بتا دو کہ پلیز شیزا۔''

وہ اسے شانوں سے تھام کر جھنجوڑنے لگا پھر یکدم اس کا لہجہ نرم ہو گیا۔ مگر وہ اس کی قربت کی بجائے پگھلنے کے یکدم سنگلاخ چٹان بنکر اسے زور سے دھکا دیکر ہٹایا۔ ایسا کرتے ہوئے بے شک وہ اندر سے بری طرح ٹوٹی بھی تھی اور ہانپ بھی گئی تھی۔

''دور ہٹ جاؤ میری نظروں سے' کراہیت آتی ہے مجھے تمہاری قربت سے' گھن آتی ہے مجھے خود سے بھی۔ دھوکے باز فراڈی۔ ظالم سفاک انسان۔'' وہ چلائی مگر اسکی آواز گھٹ کر رہ گئی۔

''ولید خان کا تھپڑ اتنا زوردار تھا کہ وہ الٹ کر بیڈ پر جا پڑی۔

''میں تو اپنی جان' اپنی محبت بھی غیرت پر قربان کر سکتا ہوں۔ تم کیا چیز ہو شیزا علوی۔''

وہ اسے گھورتا اس پر جھکا۔ ''ہم نے بہت اذیت اٹھائی ہے اور اٹھا رہے ہیں' بہت طعنے سنے ہیں ہماری عزت پر کیچڑ مل دی گئی ہے' اس کا سارا حساب تم سے لوں گا۔ لمحے لمحے کا حساب لوں گا تم سے۔ تم شاید نہیں جانتیں۔ ہم بہت اڑیل اور ضدی لوگ ہیں۔ محبت میں بھی اور نفرت میں بھی۔''

وہ اس کی ساکت اور متوحش سی آنکھوں میں اپنی لال آنکھیں گاڑے بول رہا تھا پھر سیدھا ہوا اور پلٹ کر باہر نکل گیا۔ جاتے جاتے پورے دھماکے سے دروازہ بند کر گیا تھا۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بند دروازے کو دیکھتی رہ گئی۔

وہ اپنے جملوں اور رویوں کی آگ اس کے چہاروں طرف دہکا گیا تھا۔ اس کا دل سینے کی دیوار میں ریزہ ریزہ ہو کر بکھرنے لگا۔

''بند دروازے کو دیکھتے دیکھتے اس کی وحشت زدہ آنکھوں سے آنسوؤں کا جھرنا پھوٹ نکلا۔

اسے لگا خود کو جوڑنے کا عمل یکسر بکھر گیا ہو۔ موہوم سی امید جو دل خوش فہم نے یونہی اس ظالم شخص سے باندھ رکھی تھی اس کا تانکا تانکا ٹوٹ گیا تھا ہو اور بوسیدہ چادر کی طرح دل پھٹ گیا تھا۔

رفاقت اتنی جان فزا نہیں جتنی جدائی جان سوز ہوتی ہے۔ لوگ جدا ہو جاتے ہیں پھر ہی تو عذاب نازل ہوتا ہے لوگوں کا بدلنا بھی تو جدائی ہی ہے نا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی' پھر سر بے جان انداز میں گھٹنوں پر ڈال دیا۔

''کاش' کاش ولید خان تم میرے سامنے آتے ہی نہ مجھے اپنی شکل دکھاتے۔ میں اپنی ہی خوش فہمیوں میں تھوڑا سا جی لیتی۔ اوف' اس نے کرب سے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

وہ جس عذاب سے گزر رہی تھی۔ جس جہنم میں پہنچ گئی تھی۔ وہاں معمولی روشنی کا نشان بھی مٹ جائے تو اذیت کا ادراک ہوتا ہے۔ وہ ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ اور وہ سہہ رہی تھی۔ اسے لگا جیسے اسے آج اس اذیت کا ادراک ہوا ہو۔

وہ آج ہی اس جہنم میں لائی گئی ہو۔

اس کے دل پر یکلخت گہری یاسیت' تھکن اُمڈ آئی۔

مایوسی اور اداسی کا دل شکن اندھیرا پھیلنے لگا۔ اسے لگا اس کا دل کسی پھول کی مانند اس

شخص نے ہاتھ میں لے کر مسلسل ڈالا ہو۔ اور وہ پتی پتی بکھر کر رہ گئی ہو۔

☆☆☆☆

''امی کہاں ہیں آپ؟'' ایک سسکاری اس کے لبوں سے آزاد ہو گئی۔ اسے امی کی یاد شدت سے آنے لگی۔ یہاں کون اس کا غمگسار تھا۔ ایسی تنہائی تھی جو رگ و جاں میں چھید ڈال رہی تھی۔

اتنا بڑا غدر مچ گیا اس کے سینے کی چار دیواریوں میں جس سے امی بے خبر تھیں۔
اور اچھا ہی ہے کہ وہ بے خبر ہیں۔
کتنی خوش تھیں اسے رخصت کرتے ہوئے' جیسے یقین ہی تو ہو کہ اب کوئی رنج' کوئی دکھ ان کی لاڈلی کو چھو کر نہ گزرے گا۔

وہ بیڈ سے بمشکل اتری اور دیوار کا سہارا لے کر واش بیسن کے پاس آ کر ٹھنڈے ٹھنڈے پانی کے تھپیڑے چہرے پر مارنے لگی۔ مگر اندر کی آگ تو جیسے اور بھی بھڑک رہی تھی۔ ہاشم خان کے رویوں نے اسے اتنا نڈھال نہیں کیا تھا' دو دن کی بھوک نے بھی یوں توانائی نہیں کھینچی تھی جتنا ولید خان کی چند لمحوں کی زیادتی نے اسے توڑ پھوڑ دیا تھا۔ دل بھی تو اس سے ٹوٹتا ہے جس سے جڑا ہوا ہو۔

جذبے اس وقت مرتے ہیں جن کے لئے پنپتے ہیں' وہی ان کی قدر نہ کرے۔
اس نے' واش بیسن کے اوپر لگے آئینے میں اپنے تپتے لال چہرے کو دیکھا خود بخود ایک مجروح مسکراہٹ لبوں پر آ کر دم توڑ گئی۔

کتنا سہل جانا تھا
خوشبوؤں کو چھو لینا
شام کا ہر اک منظر
گھر میں قید کر لینا
روشنی ستاروں کی
مٹھیوں میں بھر لینا
کتنا سہل جانا تھا
جگنوؤں کی باتوں سے
پھول جیسے آنگن میں

روشنی سی کر لینا
اس کی یاد کا چہرہ
خوابناک آنکھوں میں
جھیل کے گلابوں پر
دیر تک سجا رکھنا
کتنا سہل جانا تھا
اے نظر کی خوش فہمی
اس طرح نہیں ہوتا
تتلیاں پکڑنے کو
دور جانا پڑتا ہے
اس طرح نہیں ہوتا
اس طرح نہیں ہوتا

☆☆☆☆

در یہ بڑے دنوں بعد آئی تھی اور خاصی دیر بیٹھ کر گئی تھی۔ امی چائے اور کھانے کے جھوٹے برتن اٹھا کر کچن میں آ کر دھونے لگیں کہ دروازے پر بیل ہوئی' وہ اپنے ہی خیالوں میں تھیں' بے موقع دستک پر ہاتھ سے کپ چھوٹ کر گر گیا۔ ان کا دل سینے میں خوف سے دھڑکا۔
''اس وقت کون آ سکتا ہے؟'' انہوں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ دستک دوبارہ ہوئی تو وہ جلدی سے دوپٹے سے گیلے ہاتھ پونچھتی دروازے کی طرف بڑھیں اور دروازہ تھوڑا سا کھولا تو ان کی نظریں وہیں جم گئیں۔ وہ سفید چادر میں خود کو اچھی طرح ڈھانپے فید چہرہ والی علینہ تھی۔

''تم.... علینہ۔'' امی دروازہ جھٹکے سے پورا کھول کر تحیر آمیز بے یقینی سے اسے دیکھنے لگیں۔

''کیا میں اندر آ سکتی ہوں؟'' وہ پیشانی پر کھینچی چادر کو پیچھے کرتے ہوئے ایک آس کے ساتھ امی کا چہرہ دیکھنے لگی۔ نظریں ملیں تو اس نے نظریں جھکا لیں۔
''آں' ہاں۔ آؤ۔'' امی اپنی حیرت سمیٹتے ہوئے ایک طرف ہو گئیں۔ وہ اندر داخل ہو [illegible] نے دروازہ بند کرتے ہوئے اندھیرے میں نظریں دوڑائیں۔ پھر بند کرتے ہوئے

حیرت سے اسے دیکھا۔

''تم اکیلی آئی ہو؟ میرا مطلب ہے؟''

''ہاں۔'' وہ ایک گہری سانس بھر کر چادر اتارنے لگی۔ ''ایک بیٹا ہے اسے آیا کے پاس چھوڑ آئی ہوں۔

کل اس کی دوائی کے لئے مجتبیٰ کلینک آئی تھی' وہیں آپ کو دیکھا۔ دل چاہا اسی وقت آپ سے لپٹ جاؤں۔ مگر ضبط کر گئی۔

''آپ کو مخاطب اس لئے نہیں کیا کہ پتا نہیں آپ مجھے پہچانیں گی بھی کہ نہیں اور میں' آپ کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ آپ کا پیچھا کرتے ہوئے گھر دیکھ لیا اور آج چلی آئی۔ آپ نے میرے آنے کا برا تو نہیں مانا۔''

''آں' نہیں۔ مگر تم ..... تم تو کوئٹہ میں تھیں یہ کراچی۔'' انہوں نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

وہ اتنی بدل گئی تھی یا انہیں ہی ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے سیب کی طرح مہکتے چمکتے رخسار بالکل برف کی مانند سفید تھے۔ ہونٹوں کی سرخی میں بس ایک ہلکا سا گلابی پن رہ گیا تھا۔

وہ برف کی طرح ہی ٹھٹھری ہوئی سی محسوس ہو رہی تھی۔ جیسے جوش و جذبے کے شعلے بجھ گئے ہوں۔ آنکھوں میں کسی سرخی کی رمق نہ تھی۔

''بیٹھو۔'' ان کو اچانک خیال آیا مگر ان کے انداز میں اپنائیت مفقود تھی۔ لہجہ بالکل سپاٹ تھا۔

'' اب آ ہی گئی ہو تو میں کیا برا مانوں گی۔'' وہ سرد مہری سے بولیں تو علینہ چور سی بن گئی اور ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''میرا اس شہر میں آپ لوگوں کے علاوہ کوئی اور ہے ہی نہیں۔ یہاں نہ آتی تو کس کے پاس جاتی؟'' یہ کہتے ہوئے اس نے امی کی طرف دیکھا پھر ان کے کچھ کہنے سے پہلے بول اٹھی۔'' میں جانتی ہوں آپ اور شیزا مجھ سے بہت خفا ہوں گی۔ شیزا تو شاید مجھ سے ملنا بات کرنا بھی پسند نہیں کرے گی۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی بے چین نظریں ادھر ادھر دوڑنے لگیں مگر گھر کا جامد سناٹا امی کے اکیلے ہونے کی غمازی کر رہا تھا۔

''شیزا کہاں ہے۔ میں صرف ایک بار اس سے ملنا چاہتی ہوں پھر چاہے وہ مجھ سے منہ پھیر لے۔ آنٹی آپ۔''

''اس کی شادی ہو گئی ہے۔'' امی نے یکسر بے شفیق لہجے میں اسکی بات کاٹتے ہوئے اطلاع دی۔ ''کیا؟ اوہ' وہ کرسی سے اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گئی' ایک خوشگوار مسرت اس کے چہرے پر آ کر پھیل گئی۔ وہ نم آنکھوں کے ساتھ بے اختیار ہنس پڑی۔

''یہ..... یہ تو بڑی خوشی کی خبر سنائی آپ نے۔ کب ہوئی اس کی شادی؟ یقیناً اسکا ہر بینڈ کراچی میں ہی ہو گا تبھی آپ لوگ کراچی میں آ گئے ہیں۔ اس کے لہجے میں حقیقی مسرت ہلکورے لے رہی تھی پھر ایک طویل سانس بھر کر کرسی کی پشت سے سر ٹکا لیا۔

''یہ تقدیر بھی ہوا کے دوش پر کہاں کہاں لئے پھرتی ہے۔'' پھر یکدم آنکھیں کھول کر بولی۔ ''وہ خوش تو ہے نا اپنے گھر میں۔ اس کی میڈیکل کی پڑھائی کا کیا بنا؟ ڈاکٹر بننا تو اس کا خواب تھا جنون تھا۔ میری طرح۔''

آخری الفاظ اس کے منہ سے جیسے ٹوٹ کر گرے تھے۔ 'اپنے خوابوں کو تم نے اپنے ہاتھوں سے اجاڑا ہے۔ مگر وہ تو بے گناہ ماری گئی۔ امی کا دل سلگتی بھٹی بنکر رہ گیا ان میں دھواں اٹھنے لگا۔ ان کا دل چاہا وہ آگے بڑھ کر اس کے منہ پر کئی طمانچے مارے۔ اسے بتائے کہ اس کی وجہ سے وہ لوگ کس طرح اذیت کے پل صراط سے گزر رہے ہیں۔ راتیں اور دن کس خوف میں بتائے ہیں اور اب بھی وہ دروازے کی دستک پر خوفزدہ ہو جاتی ہیں کہ کہیں ہاشم خان نہ آ جائے۔

''تم بتاؤ کراچی کیسے آ گئیں؟'' وہ کچن کی طرف جاتے ہوئے بولیں۔ ''ہمیں تو چلو اپنی تقدیر کی گردش یہاں کھینچ لائی ہے۔'' ان کے لہجے میں اتنی سرد مہری تھی کہ علینہ ان کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔

ان کے چہرے پر شفقت' مروت کی ذرہ سی بھی رمق نہیں تھی۔ وہ سخت دل گرفتگی کے عالم میں سر جھکا کر انگلیاں مسلنے لگی۔

''میں جانتی ہوں آپ مجھ سے بہت ناراض ہیں۔ میں اسی قابل ہوں کہ مجھ سے ناراض ہوا جائے۔ مجھے بہت برا بھلا کہا جائے۔ مجھ جیسی لڑکیاں عزت کے قابل نہیں ہوتیں کسی بھی اچھے برتاؤ کی مستحق نہیں ہوتیں' مگر خدارا آپ... آپ مجھ سے ایسی لاتعلقی' بے گانگی مت برتیں۔ میں...'' وہ کرسی سے اٹھ کر ان کی طرف بڑھی۔

''میں..... میں بہت تھکی ہوئی ہوں' مجھے اچھے' ہمدرد' غمگسار کی طلب ہو رہی ہے میں بڑی امیدوں سے آپ کا اپنائیت بھرا کندھا ملنے کی خواہش میں چلی آئی ہوں۔ آپ ماں نہیں ہیں پھر بھی مگر ماں سے کم بھی نہیں ہیں میرے لئے۔'' وہ بے ساختہ ان کے سینے سے لگ کر بلک اٹھی۔

امی ششدر سے اپنی جگہ کھڑی رہ گئیں۔

اس کی آنکھوں سے روانی سے بہتے آنسوان کے کپڑے بھگو رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا وہ اپنے ساتھ آنسوؤں کا ایک تند و تیز نہ تھمنے والا طوفان لے کر آئی ہو۔

"علینہ..." ان کا ہاتھ غیر ارادی طور پر اس کے گرد حمائل ہو گیا۔ دوسرے پل پوری آمادگی کے ساتھ انہوں نے اسے خود سے لپٹا لیا تھا۔ وہ کسی ننھی بچی کی طرح بلک بلک رو رہی تھی۔

☆☆☆☆

ولید نے سگریٹ کیس سے آخری سگریٹ نکال کر لبوں سے لگائی اور اسے لائٹر کا شعلہ دکھا کر ایک گہرا کش لے کر دھواں آنکھوں کے سامنے پھیلا دیا اور ہاتھ کا تکیہ بنا کر جوتوں سمیت صوفے پر دراز ہو گیا۔ تبھی دروازے پر کھٹکا ہوا۔ کسی نے دستک دی تھی پھر دروازے کو کھلا محسوس کر کے اندر آ گیا۔ اس نے لیٹے لیٹے رخ موڑ کر دیکھا۔ عفرا بھابی اندر داخل ہوئی تھیں۔ اس نے قریب کے لیمپ کا بٹن آن کیا۔ دوسرے پل کمرے میں قدرے بہتر روشنی ہو گئی۔

"تم نے کھانا نہیں کھایا ولید۔" انہوں نے دودھ کا گلاس کارنر ٹیبل پر رکھتے ہوئے اسے فہمائشی نظروں سے دیکھا۔

"یہ آپ کو ہر ایک کے کھانے نہ کھانے کی فکر کچھ زیادہ نہیں ہو گئی ہے۔" وہ راکھ جھاڑتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ عفرا اس کے بے ضرر طنز پر مسکرا دیں۔

"کبھی اس طرف دوڑ رہی ہیں کہ اس نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا' کبھی میری طرف چلی آ رہی ہیں۔ کبھی مجازی خدا کے مزاج پرسی کو۔" اس کا انداز و لہجہ شگفتہ سا تھا مگر اس شگفتگی کا ساتھ اس کا چہرہ قطعی نہ دے رہا تھا۔ پیشانی پر پڑے بل اس کی پریشانی اور خلفشار کی غمازی کر رہے تھے۔

"کیا مجھے فکر نہیں کرنی چاہئے؟" وہ جواباً خوشدلی سے اور بولیں پھر دودھ کا گلاس اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ "یہ سگریٹ پھینکو' کم از کم یہی پی لو۔ کھانا اس لئے نہیں لائی کہ اتنی رات تم کھاؤ گے نہیں۔ مجھے پتا تھا' تمہیں اپنی اسمارٹ نیس کی بڑی فکر رہتی ہے۔ کھانے کے بعد دو گھنٹے تک تو تم چہل قدمی کرتے ہو اب رات بارہ بجے کہاں چہل قدمی کرتے پھرو گے' ناحق درختوں پودوں کی نیندیں حرام ہوں گی۔ تمہارے پیروں کی دھمک بھی تو بہت ہے۔" وہ آخری جملہ کہتے ہوئے ہنس پڑیں۔ اس نے دودھ کا گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے یکدم جھینپ کر انہیں دیکھا۔

"اوہ سوری آپ ڈسٹرب ہوتی ہیں۔" اس کا دھیان ان کے بیڈ روم کی کھڑکی کی طرف چلا گیا جو لان میں کھلتی تھی۔ اور اس سے ذرا فاصلے پر ہی وہ عموماً ورزش کرتا تھا۔

"نہیں' خیر روز تو نہیں' کبھی کبھی ہی ڈسٹرب ہوتی ہوں۔ خاص کر صبح سویرے جب تم

اپنے ورزشی ساز و سامان سمیت دھما چوکڑی مچاتے ہو۔" وہ اسے چھیڑ رہی تھیں وہ نادم ہو گیا۔

"کمال ہے آپ نے کبھی کہا ہی نہیں کہ....."

"ارے رے' بھئی میں تو مذاق کر رہی ہوں۔ اتنی صبح تو میں خود بھی اٹھی ہوئی ہوتی ہوں۔ بچوں کو اسکول جو بھیجنا ہوتا ہے۔ ہاں بس اتوار ہی ذرا۔"

وہ گلاس ایک طرف رکھ کر انتہائی نادم ہو رہا تھا جبکہ عفرا اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے کھلکھلا پڑی۔

"سوری آئندہ احتیاط کروں گا۔" وہ خاصا سنجیدہ ہو گیا۔

"بھئی مذاق کر رہی ہوں میں' اتنا سنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بتاؤ ابھی تک جاگ کیوں رہے تھے اور سگریٹیں کیوں پھونک رہے تھے۔ جانتے ہو ہاشم خان کتنے خفا ہوتے ہیں تمہارے اسموکنگ سے۔ کیا مزا ملتا ہے اس آگ کو اندر اتارتے ہوئے؟"

وہ ان کی بات کے جواب میں صوفے سے اٹھتے ہوئے صرف مسکرا دیا۔

"ولید! ایک بات پوچھوں؟" وہ اسے کھڑکی کی طرف بڑھتا دیکھتے ہوئے کچھ سوچ کر بولیں اور اس پر ایک نظر ڈالی جو کھڑکی کھول کر باہر اندھیرے میں جانے کیسے گھور رہا تھا' کیا دیکھ رہا تھا۔ شاید ان کی طرف سے کئے جانے والے سوال سے کترا رہا تھا۔

"کیا یہ جو کچھ ہو رہا ہے ٹھیک ہو رہا ہے؟"

"کیا ہو رہا ہے۔" وہ بغیر پلٹے بولا۔ اس کی آواز دھیمی مگر بھنچی بھنچی سی تھی۔

"یہی شیزا کے ساتھ۔ کیا وہ واقعی قصوروار ہے؟"

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا جس سوچ کو وہ مستقل جھٹکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جس نام کو مسلسل نظرانداز کر کے لاتعلق ہونے کی سعی کر رہا تھا وہ پھر وہی موضوع لے آئیں۔

یہ رات بارہ بجے آپ کو اس کا خیال کیوں آ گیا؟" اس نے کھٹاک سے کھڑکی بند کر دی اور ان کی طرف دیکھا۔ "جائیے اور جا کر سو جائیے۔" اس کا انداز ٹالنے والا تھا پھر اپنی جیبوں کو ٹٹول کر سگریٹ کا پیکٹ تلاش کرنے لگا۔

"ہاں اصولاً تو اس کا خیال تمہیں آنا چاہئے تھا۔" وہ ہلکے سے ہنسیں۔ اس کی ہنسی میں طنز نہیں تھا' عجیب سا بکھراؤ تھا۔ وہ ٹیبل کی دراز کھولتے ہوئے لحظہ بھر ٹھٹکا اور مضطربانہ انداز میں' دوسری ممکنہ جگہوں پر سگریٹ کا پیکٹ تلاش کرنے لگا۔ بیڈ کی سائیڈ دراز کھولی تو سامنے سگریٹ کا چمکتا ہوا پیکٹ پڑا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ جھک کر اٹھاتا' عفرا بھابی نے اچک لیا۔

''پاگل ہوگئے ہو کیا۔ دودھ کے اوپر سگریٹ پیو گے' ہاضمے کو خراب کرنا ہے کیا۔ چلو میں یہ ذکر نہیں کرتی مگر تم بھی اب سو جاؤ۔ شکل دیکھ رہے ہو اپنی۔''

''عفرا آپا پلیز۔'' اس نے سخت بے بسی سے ان کی طرف دیکھا تو انہوں نے تنبیہی آمیز انداز میں آنکھوں کو جنبش دی۔

''اوں ہوں' آپا نہیں بھابی۔ اب میں تمہاری صرف پھوپھی زاد نہیں ہوں' بھابی بھی ہوں۔''

''جی' مجھے پتا ہے بھابی آپ بارہ سال سے ہیں' پورے بارہ سال سے۔ دماغ کھا رہی ہیں برائے مہربانی اس وقت بخش دیجیے۔''

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

''شکر ہے تمہیں یاد ہے میری شادی کو بارہ سال ہو گئے ہیں۔ ایک وہ تمہارے آدم بے زار بھائی ہیں' انہیں یاد دلاؤ تو کہیں گے اچھا بارہ سال ہو گئے ہیں۔ میں تو سمجھ رہا تھا صدیاں بیت گئی ہیں۔'' وہ کچھ ایسے سڑے انداز میں بتانے لگیں کہ ولید کو باوجود جھنجلاہٹ کے ہنسی آ گئی۔

''ٹھیک ہی لگتا ہوگا انہیں۔ آپ کے ساتھ بارہ سال بارہ صدیاں ہی لگی ہوں گی انہیں۔ ہائے بے چارے ہاشم بھائی۔''

کیا...... کیا کہا تم نے۔'' انہوں نے مارے جوش کے ہاتھ میں پکڑا سگریٹ کا پیکٹ اسکو دے مارا۔ جسے اس نے فوراً کیچ کر لیا۔

تھینک یو ویری مچ۔'' مسکرا کر انہیں مزید چڑایا تھا۔

''ابھی جا کر تمہاری شکایت لگاتی ہوں۔ تمہارے بھائی سے کہ یہ لڑکا ساری رات سگریٹ پھونکے گا۔'' وہ مصنوعی خفگی سے اسے گھورتی دروازے کی طرف بڑھیں۔

''اس کا مطلب ہے مجھے اجازت ہے ساری رات سگریٹ پھونکنے کی۔'' وہ انہی کے انداز میں آخری الفاظ بولا تھا۔ وہ جاتے جاتے رک کر دروازے کو پکڑ کر ذرا سا پلٹیں۔ ان کے مسکراتے لبوں سے مسکراہٹ یکلخت معدوم ہو گئی۔ ایک عجیب سی دل گرفتگی سے بولیں۔

''مجھے معلوم ہے تم آج ساری رات یہ زہر اتارو گے۔'' یہ کہہ کر وہ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے کو ٹھہریں نہیں۔ دروازہ ہلکے سے بند کر کے چلی گئیں۔ وہ عجیب سے احساس کے ساتھ بند دروازے کو دیکھتا رہ گیا۔

★ ★ ★ ★

اس نے سخت بے بسی' بے چارگی آمیز کرب سے دروازے کو دیکھا' پھر رخ پھیر کر کچھ دیر کھڑکی کے پاس کھڑا باہر کے اندھیرے کو گھورتا رہا۔

ایک اضطراب تھا جو رگ وجاں سے اُمڈ رہا تھا۔ اس نے جھک کر جوتے اتارے اور بیڈ پر دراز ہو گیا۔

وہ کیوں مضطرب ہے؟

وہ کیوں جاگ جاگ کر اپنے ذہن کو تھکا رہا ہے؟

''سلگنا' کڑھنا تو اب اسے ہوگا۔ ہاں شیزا کو۔

اس کا خیال آتے ہی پھر وہی تلملاہٹیں اُمڈ اُمڈ کر زخمی کرنے لگیں۔

اپنی اور اپنے بھائیوں کی بے عزتی۔

وہ ساری کیچڑ جو خاندان والوں نے ان پر اچھالی تھی۔

وہ سارے طعنے جو انہوں نے سنے تھے۔

یاد آ کر سینے میں کھولن پیدا کرنے لگے۔

علینہ کا چہرہ ہر طرف دکھائی دینے لگا۔

اس کی انا۔

خودداری۔

اس کی غیرت آگ بن کر اس کی رگوں میں دوڑنے لگی۔

اس کی سوچوں میں آگ سی بھر گئی۔

اب وہ شیزاء کی بجائے علینہ کے متعلق سوچ رہا تھا کہ اسے کیسے کس طرح' حاصل کرے؟

خلاف توقع رات دیر تک جاگنے کے باوجود صبح سویرے ہی گھر سے نکل گیا تھا۔ ہاشم اور سلمان بھی ناشتا سے فارغ ہو کر چلے گئے تھے۔ عفراء بھابی ڈائننگ ٹیبل پر اپنے اور عائشہ کے لئے ناشتا سجاتے ہوئے بولی۔

''عائشہ جا کر شیزاء کو بھی بلالو۔ اچھا ہے وہ ہمارے ساتھ ہی ناشتا کرے۔ آخر اسے اسی گھر میں رہنا ہے۔''

''کیا؟ میں اسے بلاؤں؟'' عائشہ تنک گئی اور کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ ''مجھے تو معاف کیجئے۔ مجھ سے اس محترمہ کے نخرے نہیں اٹھائے جاتے۔ اس کی اصل جگہ وہی قید خانہ ہے۔''

''عاشی۔'' انہوں نے تنبیہی نظروں سے اسے دیکھا اور کیتلی اسٹو سے اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔

''اتنی پڑھی لکھی ہونے کے باوجود تم کتنی جاہلانہ باتیں کر رہی ہو اور خاص کر ایک عورت ہو کر تم پر یہ شقی القلبی بالکل نہیں اچھی لگتی۔ یہ درست نہیں کہ ہم بلا ثبوت اسے مجرم تصور کریں۔'' ان کے لہجے میں فہمائش بھی تھی اور دل گرفتگی بھی۔

عائشہ جھٹکے سے کرسی کھینچ کر اٹھ گئی۔

''میرا دل آپ کی طرح گداز نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ وہ میرے بھائی کی مجرم ہے میں صرف آپ کا دل رکھنے کے لئے اسے بلا لاتی ہوں۔'' وہ پلٹ کر قدم اٹھاتی ڈائننگ روم سے چلی گئی۔ پھر کچھ دیر بعد واپس آئی کرسی کھینچ کر عفراء کی اٹھتی ہوئی نگاہوں کے جواب میں بولی۔

''وہ مہارانی ہاتھ لے رہی ہے۔''

''عفراء کے لبوں پر دھیمی مسکراہٹ لہرا کر گم ہو گئی۔ پھر اس کے آگے آملیٹ کی پلیٹ رکھتے ہوئے بولیں۔ ''تم علینہ کا سارا قصور اس کے کھاتے میں کیوں ڈال رہی ہو؟ اگر اس نے

علینہ کا ساتھ بھی دیا ہے تو سراسر قصوروار وہ تو نہیں۔ پہلا قدم علینہ نے ہی اٹھایا تھا۔ حمزہ کا دل اس نے نہیں علینہ نے توڑا ہے۔ تم حمزہ کی بربادی کا ذمہ دار اسے کیوں ٹھہرا رہی ہو؟''

''علینہ کو تو میں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ مگر جب اسے دیکھتی ہوں تو مجھے علینہ ہی نظر آنے لگتی ہے اور میرے اندر نفرت کا دریا امڈنے لگتا ہے۔'' وہ یکلخت دل گرفتگی کی زد میں آ کر روہانسی ہو گئی۔

''حمزہ بھائی کتنے بدل گئے ہیں۔ آپ نہیں جانتی' نہیں دیکھتیں انہیں' کیا سے کیا ہو گئے ہیں وہ۔''

عفرا نے تسلی دینے کے انداز میں اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

''بے شک۔ مگر حمزہ کا بھی قصور ہے۔ اس نے جب شادی کر ہی لی تھی تو اسے نبھانا چاہئے تھا۔ بچے وچے ہو جاتے تو وہ یقیناً بہل جاتا۔''

''ہرگز نہیں۔ انہوں نے یہ شادی محض احتجاجاً اور ضد میں آ کر ایک بے کار سی آوارہ لڑکی سے کی تھی جو گھر بنا کر اور بسا کر رہنا جانتی ہی نہیں تھی۔ وہ امریکا کی آزاد فضاؤں میں حمزہ بھائی کو بھی اڑا کر لے جانا چاہتی تھی۔ جب کہ حمزہ بھائی کا مزاج ایسا نہیں ہے اور پھر طلاق کا مطالبہ بھی اسی کی طرف سے ہوا تھا۔ حمزہ نے ایسا نہیں چاہا تھا۔ مگر محض آئے دن کی جھگڑوں اور دباؤ میں آ کر طلاق دی تھی۔ یہ بات تو آپ بھی جانتی ہیں اور پورا خاندان۔''

''ہاں مگر جاننے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم اپنے زخموں کو کریدتے رہیں ان پر کھرنڈ آنے ہی نہ دیں۔ پاگل ہر درد آخر کار ختم ہو جاتا ہے اگر اس کی دوا کی جائے۔''

''یہ بات آپ مجھے نہیں' حمزہ بھائی کو سمجھایئے۔'' وہ ان کی بات کاٹ کر بولی اور آملیٹ کی پلیٹ کھینچ کر بے دلی سے کھانے لگی۔

''ان کی بات چھوڑو۔ تم سے مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ تم اپنا غصہ شیزاء پر اتار کر اس سے نفرت کر کے خود کو گناہ گار مت بناؤ۔ ضروری نہیں کہ وہ مجرم ہو۔''

''آخر آپ کو اس میں کیا نظر آ گیا ہے کہ اس کی حمایت میں بول رہی ہیں۔'' عائشہ نے جھنجلا کر اور قدرے تلخی سے کہا تو ایک گہری سی سانس ان کے لبوں سے نکل گئی۔

''میرے دین نے مجھے یہی سکھایا ہے کہ بلا ثبوت کسی پر الزام نہ لگاؤ۔ بہتان اور تہمت نہ رکھو اور جرم واضح ہو جائے تو معاف کرنے کا حوصلہ رکھو۔ جب ہم گناہ کبیرہ کر کے اللہ سے معافی کی امید رکھتے ہیں تو پھر ایک دوسرے کے چھوٹے قصور معاف کیوں نہیں کر سکتے؟''

''کیا؟ یہ چھوٹا قصور ہے۔ محض غلطی ہے؟'' عائشہ کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔ اس نے عفراء کو یوں دیکھا جیسے اس کی دماغی حالت پر شک ہو۔

''اچھا چھوڑ دو۔ ناشتا کرو۔'' عفراء نے اس پر ایک نظر ڈالی اور سلائس پر جیم لگانے لگی۔

عائشہ انہیں شکوہ کناں نظروں سے دیکھتی رہی پھر سر جھٹک کر بولیں۔

''ارے ہاں' آج تو گل اور شہریار کا رزلٹ ڈے ہے۔''

''ہاں مگر اس کے پاپا کے پاس ٹائم نہیں ہے۔ آج ان کی کوئی ضروری میٹنگ تھی میں نے ولید سے کہا تو ہے کہ تم ہو آنا۔ پتا ہے گل کیا کہتی ہے۔''

''مما فیل ہونے والے بچوں کے بھی پیرنٹس آتے ہیں اور میں یعنی کہ گل اندام ہاشم خان موسٹ بریلینٹ اسٹوڈنٹ آف اسکول کے پیرنٹس نہیں آئے۔ وری شیم۔'' عفراء اسی کے انداز میں بتاتے ہوئے ہنس دیں۔ بیٹی کے ذکر پر اس کا چہرہ چمکنے لگا تھا۔

''پھر کچھ شرم ورم آئی۔ ہاشم بھائی کو؟'' عائشہ بھی ہنسی اور دلچسپی سے یہ ذکر کرنے لگی۔

''کہاں۔ البتہ ولید اور سلیمان کچھ کچھ شرمندہ ہوئے۔ ولید کو یاد تو دلایا ہے۔ اب دیکھو میرا خیال ہے وہ ضرور جائے گا۔ ورنہ گل بھی اس کی بھتیجی ہے جو پیچھا پکڑے گی اپنے چچا کا تو خیر نہیں۔''

''ہاں' یہ تو ہے۔'' عائشہ سر ہلانے لگی۔ چائے کا مگ بھرتے ہوئے اس کی نظریں شیزاء پر پڑیں تو مسکراتے لب بھنچ گئے۔ وہ ڈائننگ روم میں داخل ہوئی تھی۔ سادہ سے سفید ملتانی کڑھائی کے سوٹ میں تھی۔ گیلے بال پشت پر کالی مخمل کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ چہرے پر کمزوری اور حزن کی آمیزش کے باوجود اس کے چہرے اور سراپا میں ایسا سحر ضرور تھا جو دیکھنے والے کی آنکھ کو توصیفی رنگ دینے پر مجبور کر جاتا تھا۔

''ارے شیزاء آؤ۔'' عفراء کی نظریں اس پر اٹھیں تو وہ دوستانہ انداز میں مسکرائیں۔

عائشہ کو ان کا یہ انداز اچھا خاصا بدمزہ کر گیا۔ وہ کرسی دھکیل کر کھڑی ہوگئی اور چائے کا مگ اٹھا کر وہاں سے چلی گئی۔ جب کہ شیزاء نے اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا یا عادی ہوگئی تھی اس سلوک کی۔

ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے وہ چلتی ہوئی میز تک آئی۔

''میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔ اچھا ہوا تم آگئیں۔ ساتھ ہی ناشتا کر لیں تو اچھا' آؤ بیٹھو۔'' انہوں نے اپنے پاس والی کرسی دور کھسکائی۔

''میں ناشتا نہیں کروں گی بس ایک کپ چائے کا مل جائے' سر میں بڑا درد ہے۔'' وہ دوپٹہ سر پر ڈالتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئیں۔

''ناشتا نہیں کرو گی تو سر میں درد بڑھے گا۔'' انہوں نے اپنائیت سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ ''چائے تو میں تمہیں دیتی ہوں مگر' ارے تمہیں تو بہت تیز بخار ہے۔'' انہیں اپنا ہاتھ یکدم جلتا ہوا محسوس ہوا۔ یوں لگا جیسے سلگتی انگیٹھی پر ہاتھ جا پڑا ہو۔

''نہیں میں ٹھیک ہوں۔ بس یونہی سر میں بھاری پن محسوس ہو رہا ہے۔'' اس نے نرمی سے اپنا ہاتھ ان کی گرفت سے کھینچ لیا۔ ''یہ درد تو اب عمر بھر کا ہے۔'' اس کا انداز خود کلامی سا ہو گیا۔

عفراء اس کے لئے چائے مگ میں نکالتے ہوئے افسردگی کے سحر میں جکڑی کچھ کہنا چاہا مگر ارادہ ترک کر کے چائے کا مگ اس کے آگے رکھا۔

''چائے سے بھی درد میں افاقہ تو ہوگا مگر تم ایسا کرو۔ کمرے میں آرام کرو میں کوئی میڈیسن لاتی ہوں اور ساتھ ناشتا بھی۔ کمزوری کی وجہ سے تکلیف بڑھ سکتی ہے۔''

''نہیں پلیز مجھ سے کچھ نہیں کھایا جائے گا۔ یہ چائے بس بہت ہے۔'' اس کا لہجہ ملتجی تھا۔ عفرا اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ پھر بھی سانس بھرتے ہوئے بولی۔

''اچھا چلو۔ میڈیسن تو لے سکتی ہو نا۔ میں ابھی لاتی ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر سرعت سے اٹھ کر ڈائننگ روم سے نکل گئیں۔ شیزاء عجیب بوجھل احساسات کے ساتھ ہلتے پردے کو دیکھنے لگی۔ اتنے دنوں میں پہلی بار اپنائیت آمیز لہجہ سننے کو ملا تھا مگر۔

آہ اب کہاں آرزو رہی تھی کسی ہمدرد غمگسار کی۔ ایک کرب کے ساتھ وہ چائے اٹھنے والی بھاپ کو دیکھنے لگی۔

اسے لگا یہ بھاپ چائے کے مگ سے نہیں اس کے دل کے اندر سے اٹھ رہی ہو۔

عفرا میڈیسن لئے آئی تو شیزا موجود نہیں تھی وہ پانی کا گلاس ساتھ لیے اس کے کمرے میں چلی آئی۔

تب وہ انہیں باتھ روم کی بیسن کے پاس کھڑی الٹیاں کرتی نظر آئیں۔

''ہاضمہ اس قدر کمزور ہو رہا ہے کہ تمہیں کچھ ہضم نہیں ہو رہا ہے۔'' تشویش سے اس کی پشت سہلانے لگیں۔ ''لو پانی پیو۔'' وہ کھلے نل پر ہاتھ سے پانی کا گلاس تھام لیا۔ اندر باہر ایک آگ سی لگی محسوس ہو رہی تھی۔ ٹھنڈا پانی کسی حد تک سکون بخش تھا۔ عفرا اسے تھام کر بیڈ پر لائی تو وہ نڈھال سی ہو رہی تھی بدن سارا تندور کی طرح دہک رہا تھا۔

''میں اس ہمدردی کی قابل کہاں ہوں۔'' وہ مجروح انداز میں ہنسی اور عفرا کی طرف دیکھا جو نظریں ملنے پر دکھ کے گہرے احساس کے ساتھ لب دانتوں میں دبا کر اسٹریپ سے گولی نکالی پھر اس کی طرف بڑھا دی۔

''یہ پی لو آرام آ جائے گا۔''

شیزاء بے اختیار ہنس دی اس کی نظریں اس ننھی منی سی گولی پر ٹھہر گئیں اس کی ہنسی ایسی تھی جیسے پیتل کا خالی برتن جو ٹھوکر کھا کر لڑکھڑا جائے اور ذرا سا ٹھن ٹھن بج کر تھم جائے۔

''اس گولی سے آرام آ جائے گا۔'' وہ شاید خود آزادی کی کیفیت سے گزر رہی تھی۔ عفرا اضطرابی انداز میں اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔ ''تم خود پر کیوں ظلم کر رہی ہو۔ علینہ تو یقیناً اپنے گھر میں اپنی محبت کے ساتھ خوش و خرم ہو گئی۔ مگر تم' تم محض اسی کا پردہ رکھنے میں آپ پر ظلم کر رہی ہو دوستی بھی ایک حد تک وفا مانگتی ہے بھلا اپنی جان سے بڑھ کر۔''

''آپ بھی یہی سمجھتی ہیں' مجھے ہی قصور وار سمجھ رہی ہیں؟'' اس نے بے حد دل فگی سے نگاہیں اوپر اٹھائیں پھر لب بھینچ کر اذیت سے آنکھیں میچ لیں۔

''یقین کریں' میں نے دوستی نبھائی ہی نہیں ہے۔ وہ .. وہ' دوستی کے زعم میں ہی تو میرے پاس آئی تھی۔ مگر۔ میں نے اسے دھتکار دیا۔ میں نے کہاں نبھائی دوستی' کب دوستانہ حقوق ادا کیے۔ اس کی ساری امیدوں کو بکھیر دیا۔ اسے پناہ نہ دیکر۔ شاید دوستی پر داغ لگایا ہے۔'' اس کے لبوں سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے اور آنکھوں سے پانی کے قطرے ٹھہر ٹھہر کر اس کے سرخ رخساروں پر پھیل رہے تھے۔

پھر وہ آنکھیں کھول کر کرب سے چلائی۔

''آخر آپ لوگ یقین کیوں نہیں کر لیتے۔'' اس نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے' مجھے ہمدردی نہیں چاہئے' مجھے صرف اور صرف سکون چاہیئے مجھے میرا یقین چاہئے' میرا اعتبار چاہئے جو ولید خان نے لوٹا ہے۔ میں علینہ کو بھی کبھی معاف نہیں کروں گی اس نے میرے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے۔'' وہ اپنے اندر کی درد کی لہروں کو برداشت کرتے ہوئے بری طرح ٹوٹ رہی تھی۔

عفرا نے دیکھا اس کی آنکھوں میں حزن ہی حزن تھا۔ چہرے پر بلا کی پژمردگی اتر آئی۔

دھیرے دھیرے سسکیاں بھرتے بھرتے یکدم کھل کر رو پڑی تھیں۔ شاید آنسوؤں پر اس کا اختیار بالکل ہی ختم ہو گیا تھا۔ وہ جس ذہنی آزار سے گزر رہی تھی اس کا اندازہ اس کے چہرے سے بخوبی ہو رہا تھا۔

اس کے اعصاب جواب دے چکے تھے۔

عفرا لب دبائے نادم سی اسے خستہ دیوار کی طرح ٹوٹتے پھوٹتے دیکھ رہی تھیں۔

اس کے باطن کی سچائی۔

اس کی روح کی پاکیزگی۔

اس کے شفاف بے ریا آنسوؤں سے ظاہر تھی جو اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

''آئی ایم سوری شیزا۔ میرا مقصد تمہاری دل آزاری نہیں تھا۔'' انہوں نے ندامت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلکے سے دباؤ ڈالا۔

''تم آج سے مجھے اپنا دوست سمجھو۔ میں علینہ کے معاملے میں تمہیں قصور وار ہرگز نہیں سمجھتی۔''

اس کی آنکھوں سے بھل بھل بہنے والی لہروں کی طغیانی میں ٹھہراؤ آ گیا۔ اس نے بے اختیار سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ نظریں ملنے پر انہوں نے پلکوں کو ہلکی سی جنبش دیں۔ پھر اپنی انگلیاں اس کی نازک انگلیوں سے مس کرتے ہوئے بولیں۔

''میرا اعتبار کرو۔ مجھے اپنا ہمدرد سمجھو' میں تمہارے لئے فائٹ کروں گی' اس گھر کے مرد دل کے اتنے برے نہیں ہیں بس ذرا شدت پسند ہیں ہر جذبے میں۔ پلیز میرا اعتبار کرو۔'' انہوں نے اسے پیار سے سہلاتے ہوئے اسٹریپ سے دوسری گولی نکال کر کھلائی۔

وہ بس انہیں دیکھ کر رہ گئی پھر تکیے پر سر ڈال کر چھت کو گھورتے ہوئے مجروح انداز میں مسکرائی۔

میرا اعتبار کیسے لوٹے گا' ولید خان کا بت' جو میرے دل کے مندر پر سجا تھا ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا ہے وہ کیسے جڑے گا' میرے خواب کرچیوں کی صورت میری روح کی رگ رگ میں اتر گئے ہیں انہیں کون نکالے گا۔

میرے زخم کس طرح سلیں گے؟

کیسے آئے گی ان پر کھرنڈ۔

کون رکھے گا ان پر مرہم۔

اور کیسے آرام آئے گا۔

آنسو بے آواز آنکھوں کے گوشوں سے نکل کر تکیے میں جذب ہو گئے اس نے آنکھیں موند کر جیسے خود سے بھی فرار چاہی۔

☆☆☆☆

علینہ بہت سارونے کے بعد ٹھنڈی برف سی ہو گئی تھی۔ امی نے اسے پانی پلایا اور کرسی پر بٹھایا۔ وہ اب قدرے پرسکون نظر آ رہی تھی اور اس بادل کی طرح ہلکی پھلکی ہو گئی تھی جو خوب برس چکا ہو۔

کمرے میں دو ذی نفوس کی موجودگی کے باوجود گہری اور مکمل خاموشی طاری تھی جیسے دونوں کے پاس کہنے کو کچھ نہ رہا ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا۔

امی کے اندر سوالوں' شکووں' شکایتوں کا ایک ریلا تھا مگر وہ اس پر باندھ باندھے ہوئے تھیں اور ادھر علینہ کو اتنے عرصے بعد کوئی اپنا ملا تھا۔ ایک آشنا غمگسار کندھا میسر آیا تھا وہ سر رکھ کر ساری تھکن بہانا چاہتی تھیں مگر الفاظ اسکی گرفت میں نہیں آ رہے تھے۔

ایک گہری سانس بھر کر اس نے امی کی طرف دیکھا جو فرش پر نظریں جمائے کسی گہری سوچ میں گم تھیں۔

''مجھے یاد ہے شیزا نے ایک بار کہا تھا کہ تمہارے نصیب کے دکھ سکھ تمہارے ساتھ ہی سفر کریں گے' اگر تمہارے نصیب میں خوشی اور محبت ہو گی تو تمہیں حمزہ سے ہی ملے گی اور اگر دکھ ہو گا تو وہ تمہیں تمہاری چاہت عبید انصاری کے ہمراہ بھی ملے گا'' یہ کہہ کر اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا لیا۔

امی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

وہ ہلکے سے ہنسی۔

''ہاں شیزا نے یہ کہا تھا۔ وہ بہت سمجھدار تھی آنٹی میں نے ایک بہت اچھی رفیق کو کھو دیا ہے شاید آہ۔'' اس نے جلتی آنکھیں موند لیں۔ پھر دل کے اندر کے شور کو دباتے ہوئے بولی۔

''کیا شیزا سے میری ملاقات ہو سکتی ہے؟ میں ایک بار اس سے ضرور ملنا چاہوں گی۔ کیا یہ ممکن ہے۔'' اس نے بڑی آس مندانہ نظروں سے امی کو دیکھا۔

امی نے نظریں چرا لیں اور کرسی دھکیل کر کھڑی ہو گئیں۔

''میرا خیال ہے نہیں۔'' ان کا لہجہ قطعی تھا۔ علینہ تڑپ سی گئی۔

''کیوں' کیوں آنٹی؟'' وہ اذیت کے عالم میں انہیں دیکھتی کرسی سے خود بھی اٹھ کر ان کے نزدیک چلی آئی۔

''وہ یہاں کراچی میں نہیں ہے۔ شادی کے ایک ہفتہ بعد کوئٹہ چلی گئی ہے۔'' انہوں نے بغور اس کی طرف دیکھا جیسے کوئٹہ کے نام پر اس کے چہرے کے تاثرات کو جاننا چاہ رہی ہوں۔ ایسا ہی ہوا وہ بری طرح چونکی مگر دوسرے پل چہرہ جھکا گئی۔

''وہ بہت خوش ہے اور میں نہیں چاہتی کہ اب کسی دکھ کی پرچھائیاں اس پر پڑیں۔ تمہارا سایا بھی اس پر پڑے۔ سن لو تم بھی کہ ہم نے' ہم نے بہت دکھ اٹھائے ہیں تمہارے اس اقدام سے تمہارے بھائیوں کے ہاتھوں ہم نے گھر بدری کا عذاب سہا ہے' گھر میں قیدیوں کی طرح رہے ہیں۔ خوف کی آہٹ میں دن بتائے ہیں۔ ایک ایک لمحہ عذاب میں گزرا ہے ہمارا۔ کتنی مشکلوں کے بعد سکھ ملا ہے کہ تم پھر آ گئیں۔'' امی گویا پھٹ پڑی تھیں۔ ان کا لہجہ ہی نہیں انکی آنکھیں بھی آگ اگل رہی تھیں۔ پھر وہ ایک سسکی لے کر کرسی پر ڈھے سی گئیں اور غم سے نڈھال ہو کر بولیں۔

''چلی جاؤ تم یہاں سے۔ تمہیں دیکھ کر میرے اندر کے زخم ہرے ہونے لگے ہیں' وہی آگ بھڑکنے لگی ہے جسے بڑی مشکل سے ٹھنڈا کیا ہے۔ میں تھک گئی ہوں اعصاب شکن لمحات سے لڑ لڑ کر۔ اب کہیں دو لمحات چین کے ملے ہیں تو تم پھر آ گئیں۔'' علینہ اذیت کے عالم میں سکتے کی سی کیفیت میں کھڑی رہ گئی۔

سر پر ہزار پتھر لڑھک گئے تھے۔

''جاؤ خدا کے لئے چلی جاؤ۔'' وہ جذباتی انداز میں چلائیں تو وہ سہم کر پیچھے ہٹی پھر گھبرا کر پلٹی اور بھاگ کر دروازے سے باہر نکل گئی۔

امی کھلے دروازے کو زخمی نظروں سے دیکھنے لگیں۔ دیکھتے دیکھتے اچانک انہیں احساس ہوا کہ انہوں نے شاید اچھا نہیں کیا۔ اتنے اندھیرے میں وہ اکیلی کہاں جائے گی؟'' یہ خیال آتے ہی وہ تیزی سے کرسی سے اٹھ کر دروازے کی طرف آئیں۔ مگر باہر گلی میں مہیب اندھیرے کے ساتھ ساتھ ویرانی اور سناٹا تھا وہ یقیناً بھاگتی ہوئی گلی پار کر گئی تھی۔

بے چارگی آمیز کرب کے ساتھ وہ ایک سانس بھر کر رہ گئیں۔

☆☆☆☆

بالوں پر برش پھیرتے ہوئے عفرا کا ذہن شیزا اور اس کو درپیش حالات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

ایک اداسی' ایک دکھ' اور بہت کچھ کرنے کی خواہش مگر کچھ نہ کر سکنے کی بے بسی رگ رگ کو کاٹ رہی تھی۔

"بچے سو گئے ہیں کیا؟" ہاشم خان واش روم سے نکلا اور تولیہ ایک طرف ڈال کر اس کی طرف چلا آیا۔

"آں۔ ہاں دونوں ہی سو گئے ہیں۔" وہ برش رکھ کر بال لپیٹنے لگیں۔ ہاشم خان نے کلائی سے گھڑی اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اپنی من موہنی بیوی کو دیکھا اور ایک دھیمی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں کے گوشوں پر پھیل گئی۔ اس نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیے۔ اس کے لمس پر عفرا نے چونک کر پلکیں اٹھائیں۔ سامنے بڑے آئینے میں ہاشم خان اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتا ہوا نظر آیا۔ نظریں ملیں تو اس کی پلکوں کی جھالریں ایک خوش نما بوجھ سے جھک گئیں۔ رخساروں کی رنگت میں ہلکا گلابی پن اتر آیا۔

"کیا سوچ رہی تھیں؟" وہ جھک کر پوچھ رہا تھا۔ وہ سٹپٹا گئی۔

"نہیں' کچھ نہیں وہ بچوں کا پھر خیال آ رہا تھا۔" وہ صاف چھپا گئی کہ اس کا ذہن شیزا کے بارے میں الجھا ہوا ہے۔ اس کا دل اس پیاری سی معصوم بے قصور لڑکی کے دکھ پر رو رہا ہے جو بلاتقصیر کے ستم سہہ رہی ہے۔

اس نے چور نظروں سے ہاشم خان کو دیکھا۔

کتنا محبت کرنے والا' چاہت دینے والا شخص تھا مگر شیزا کے لئے کتنا ظالم بنا ہوا تھا۔

اتنا سفاک تو اس نے کبھی ہاشم خان کو نہیں دیکھا تھا ہاں غصے کا تیز تھا مگر غصے اور نفرت میں انتہا کر دے گا اسے تو کبھی گمان میں بھی نہ تھا۔

علینہ کے عمل کی جوابدہ بہرحال شیزا یا کوئی اور نہیں تھا' خاندان والوں کی باتیں' اس کے طعن تشنیع کا حساب شیزا سے لینا کہاں کا انصاف تھا وہ اس سارے معاملے میں واقعی بے قصور اور لاتعلق ہو یا نہ ہو۔ ان کا دل تو گواہی دے رہا تھا کہ وہ جو کہتی ہے وہی سچ ہے۔

خدایا! ان مردوں کی آنکھوں سے نفرت اور غصے کی پٹی اتار دے۔"

اس نے محسوس کیا ہاشم خان کا موڈ خوش گوار ہے سو اس موضوع کو چھیڑا جا سکتا تھا۔

"گل کا رزلٹ تو بہت اچھا آیا ہے اب گفٹ بھی تو سوچنا ہے کیا دوں۔ شہریار پر البتہ ابھی محنت کرنا ہو گی اس کے رزلٹ سے میں مطمئن نہیں ہوں۔ کیا خیال ہے؟" وہ بیڈ کی طرف جاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ہوں۔" وہ صرف ہوں کر کے رہ گئی پھر بالوں میں بل دیتے ہوئے ڈریسنگ کی ریوالونگ چیئر پر بیٹھے بیٹھے اس کی طرف رخ کرتے ہوئی بولی۔

"میں نے گل سے وعدہ کیا تھا کہ وہ فرسٹ آئے گی تو ہم پارٹی کریں گے اس خوشی میں مگر۔"

"ہاں تو ضرور کریں گے۔" ہاشم خان نے سرہانے سے کتاب اٹھائی اور کھولی۔

"مگر اب یہ ممکن نہیں ہے۔" وہ ہلکے سے سانس بھر کر کھڑی ہو گئی۔

"کیوں۔ اب کیوں ممکن نہیں ہے؟" اس نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔

عفرا کے چہرے پر رنج بکھر آیا۔

"کیسے ممکن ہے کہ ایک بے قصور لڑکی کمرے میں بند سسک رہی ہو' مظالم سہہ رہی ہو اور ہم گھر میں خوشیاں منائیں۔" وہ اسے احساس دلاتے ہوئے بولی۔

کھلی ہوئی کتاب ہاشم خان نے دھپ سے بند کر دی۔ اس کے چہرے کے زاویے میں کھنچاؤ آ گیا۔

ہونٹ بھینچے بھینچے اس نے کتاب ایک طرف پٹخی اور پاس رکھا سگریٹ کا پیکٹ اٹھا لیا۔

"وہ مظلوم نظر آتی ہے تمہیں' ابھی تو ہم نے اس پر کوئی ظلم کیا ہی نہیں ہے۔" اس کی نگاہوں میں درشتگی تھی عفرا نے افسردہ سے استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

"کیا ابھی ظلم شروع نہیں ہوئے ولید نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ جیتے جی اس مار دینے کو کافی نہیں ہے کیا؟"

"اور علینہ نے ہمارے ساتھ کیا ہے وہ ہمیں زندہ رکھنے کو کیا ہے۔" وہ دہاڑا۔

"وہ علینہ نے کیا ہے شیزا نے نہیں۔" جواباً وہ دھیمے مگر مضبوط لہجے میں بولی۔ وہ اپنے اندر کی تمام تر ہمتوں کو یکجا کر کے پہلی بار اپنے شوہر کی مخالفت میں کھڑی ہوئی تھی۔

ہاشم خان اسے خفگی آمیز نظروں سے دیکھنے لگا۔ غصہ اس کی کھڑی ناک پر آ کر ٹھہر گیا۔ پیشانی کی رگیں تن گئیں۔

"تمہیں اس معاملے میں مداخلت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ چلتا ہوا اس کے نزدیک آیا۔

"لمحہ بھر عفرا کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ اترتی محسوس ہوئی۔ اسے لگا ہاشم خان کا ہاتھ اٹھے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ یوں بھی بارہ سالہ ازدواجی زندگی میں اس نے ہاشم خان کو لاکھ غصے

میں دیکھا تھا مگر آج تک اس نے کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا تھا وہ ہاتھ اٹھانے کو مردانگی نہیں سمجھتا تھا۔ اس کے خیال میں عورت تو اتنی کمزور سی شے ہے کہ اسے مار کر ڈرانے کی کیا ضرورت ہے وہ تو مرد کے چہرے کے بگڑے زاویوں سے ہی ڈر جاتی ہے۔ عفرا کی ذرا ہمت بڑھی وہ اس پر ایک غصیلی نگاہ ڈال کر واپس بیڈ پر جا لیٹا تھا۔

''لائٹ بجھاؤ اور مجھے سونے دو۔ اس موضوع پر میں تم سے بات کرنا نہیں چاہتا۔''

اس کی توانا ہوتی ہمتیں پھر سے جھاگ کی طرح بیٹھ گئیں۔ اس کا لہجہ اتنا سرد اور تند تھا کہ وہ مزید کوئی بات کرنے کا حوصلہ نہ کر پائی۔ بس دل گرفتگی سے اس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی جو کروٹ بدل کر لیٹ گیا تھا۔

☆☆☆☆

صبح ناشتے کی میز پر عفرا چپ چپ سی تھی اور ہاشم خان کا انداز بھی کھنچا کھنچا سا تھا۔ عائشہ کو کسی گڑبڑ کا احساس ہونے لگا۔ وہ کبھی اپنے جیٹھ ہاشم خان کو کبھی عفرا کو دیکھ کر رہ جاتی اور جوں ہی وہ آفس کے لئے نکل گئے وہ تیر کی طرح عفرا کے کمرے میں آئی۔ وہ تو یوں بھی برداشت کے معاملے میں صفر لڑکی تھی۔

اس کی اس شورش پر عفرا ایک ملول سی سانس بھر کر وارڈ روب بند کر کے پلٹی۔

''میں نے تو صرف احساس دلانا چاہا کہ شیزا بے قصور ہے اس پر ہم سب مل کر ظلم ڈھا رہے ہیں اور یہ خفا ہو گئے۔'' وہ بیڈ کے پاس آئی اور بیڈ شیٹ اتارنے لگی۔

''دماغ خراب ہوا تھا کیا آپ کا۔ کیا ضرورت تھی آپ کو ہاشم بھائی سے اس لڑکی کے لئے الجھنے کی۔ وہ قصوروار ہے سراسر قصوروار ہے اور آپ ہیں کہ۔''

''عاشی۔'' انہوں نے سخت تنبیہی نظروں کی پروا نہ کرتے ہوئے بولی۔

عفرا نے بیڈ شیٹ کا گولا بنا کر ایک طرف پھینکا۔

''کیا ثبوت ہے تمہارے پاس اس کے اس اقدام کا کہ اس نے علینہ کو برباد کیا ہے؟''

''تو کیا ثبوت ہے آپ کے پاس بھی اس کی بے گناہی کا؟'' عائشہ دو بدو بولی۔

عفرا ایک سانس بھر کر رہ گئی پھر بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔ اس کے تصور میں شیزا کا سراپا لہرا گیا۔ اسکی خوش نما آنکھوں سے چھلکتا حزن اور وہ آنسو جو اس کی بیگناہی کے ترجمان تھے۔ اس کا دردانگیز لہجہ ان کی سماعتوں پر اتر آیا۔

''آنکھیں ہی ہمارا سچ ہیں۔ یہ دل سے مشروط ہوتی ہیں۔ جھوٹ صرف زبان پر ہوتا ہے دل میں نہیں۔ جب دل میں سچ ہو تو آنکھوں میں وہ سچ دکھائی دینے لگتا ہے۔'' اس کا لہجہ دھیما اور شیزا کے دکھ پر بین کرتا ہوا تھا۔ پھر وہ عائشہ کی طرف دیکھنے لگیں۔ ''تم خود سوچو کوئی لڑکی ایسے حالات میں سچ کو کب تک چھپا کر رکھ سکتی ہے۔ اسے علینہ سے کوئی آفاقی قسم کی محبت تو ہرگز نہیں ہوئی کہ وہ اس کی خاطر یہ روگ لگا بیٹھے۔ جب کہ علینہ خوش ہو کتنی احمقانہ بات ہے کہ ہم اپنا سارا زور سارا نفرت ساری کڑواہٹ اس کی جھولی میں ڈالتے جا رہے ہیں۔ بلا تحقیق اور بلا ثبوت۔'' پھر اچانک وہ جیسے کسی خیال کے تحت جھٹکے سے کھڑی ہو گئیں۔

''ساری پکڑ ولید کی ہو گی۔ وہ عاقبت نااندیش سمجھ رہا ہے یہ مردانگی ہے۔ یہ فتح ہے اسے نکاح کے تین بولوں سے فتح کر کے وہ مسرور ہو رہا ہے حالانکہ ایک عورت اس کے نکاح میں آئی ہے اب اس پر جتنے مظالم ہوں گے جن جن کے ہاتھوں، جوابدہ ولید ہو گا حشر کے دن اور اس نے تو حد سے زیادہ بے غیرتی کا ثبوت دیا ہے۔ میں پوچھتی ہوں اسے یا مجھے ہاشم خان کی بجائے اس کا گریبان پکڑنا چاہیے۔''

''بھابھی۔'' عائشہ نے اسے کسی تند لہر کی طرح کمرے سے نکلتے دیکھا تو سرعت سے اس کی راہ میں آ گئی۔

''ہٹ جاؤ عاشی۔ میرے راستے سے میں اس گھر میں یہ ظلم ہوتا نہیں دیکھ سکتی۔'' اس نے عائشہ کا ہاتھ درشتگی سے ہٹایا۔ ''وہ تین دن سے بخار میں پھنک رہی ہے، ذہنی اور جسمانی اذیت نے اسے بے حال کر دیا ہے میں عورت ہو کر ایک عورت کو یوں تڑپتا سسکتا نہیں دیکھ سکتی۔''

عائشہ بادل نخواستہ راستہ سے ہٹ گئی۔ وقتی طور پر ہی اس کے دل پر بھی عفرا کے الفاظ نے اثر تو کیا تھا۔ بس چپ چاپ وہ ایک طرف ہو گئی اور عفرا دروازے سے نکل گئی۔

ولید ابھی نہا کر نکلا تھا۔ گیلا تولیہ اس کے شانوں پر پڑا تھا۔ وہ شرٹ کے بٹن بند کرتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا تھا جب عفرا دروازہ ہلکا سا بجا کر اس کے ''کم ان'' کہنے پر اندر آئی تھی۔

وہ تیزی سے آخری بٹن بھی بند کرتا ہوا ان کی طرف پلٹا۔

سیاہ ٹراؤزر اور اسکن کلر کی شرٹ میں وہ خاصا تر و تازہ دکھائی دے رہا تھا۔ یہ نہانے کا اثر تھا یا اس کے اندر کی طمانیت اس کے چہرے پر در آئی تھی۔ بہرحال یہ تازگی اور طمانیت عفرا کے دل پر تیر کی طرح پیوست ہو گئی۔

اس نے بڑے دکھ سے ولید کو دیکھا۔

اتنا خوبصورت چہرہ اور دل اس قدر بدصورت۔ ایسا شاندار سراپا کہ دیکھ کر رشک آئے۔ مگر باطن اتنا بدہیبت کہ سوچ کر کراہیت آئے۔ عفرا پہلی بار اپنے بھائی جیسے دیور کیلئے اپنے دل میں ایسے جذبات اٹھتے محسوس کر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر غصہ کا ابال اٹھ رہا تھا۔

"خیریت کوئی کام ہے کیا؟" وہ انہیں اپنی طرف ایک ٹک دیکھتا پا کر غیر محسوس طور پر سنبھل گیا۔ جھک کر برش اٹھاتے ہوئے یونہی مسکرایا۔ اتنی خوب صورت مسکراہٹ تھی مگر انہیں زہر سے بھی زیادہ بری لگ رہی تھی۔

"ہاں اللہ کا شکر ہے سب خیریت ہے اور تمہاری خیریت خداوند سے مطلوب ہے۔"

وہ اندر آ گئیں۔

ولید نے چونک کر دیکھا۔ ان کے لہجے سے ٹپکتا طنز بہت واضح تھا۔ تاہم وہ کچھ بولا نہیں۔ چند لمحے خاموشی کے بعد وہ بولیں۔

"کتنے افسوس اور دکھ کی بات ہے ولید کہ جسے تم مردانگی سمجھ کر فخر سے اکڑتے پھر رہے ہو وہ تو بڑی بزدلی ثابت ہوئی ہے اپنی ساری مردانگی کا غصہ' ناکامی کا دھواں' شکست اور کھساہٹ کی ساری چھبن ایک کمزور عورت پر نکال کر تم پستی سے بھی نیچے اتر گئے ہو۔ ولید خان یہ مردانگی نہیں ہے غیرت مندی نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔"

علینہ نے بھی اتنا گھٹیا کام نہیں کیا جتنا آپ مرد لوگ۔"

"شٹ اپ۔" اس نے برش دیوار پر دے مارا عفرا نے ہاتھی دانت کے مضبوط برش کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا پھر ہلکی سی سانس بھر کر اس کے سرخ چہرے کی طرف دیکھا۔

"سچ اتنا ہی کڑوا ہوتا ہے۔"

"یہ آپ کا خیال ہے۔" وہ شاید یکدم امڈ آنے والے غصہ اور اپنے لہجے کی تندہی کو محسوس کرتے' قدرے سنبھل کر بولا۔ "سچ سننے کا بہت حوصلہ ہے ہم میں۔ مگر وہ بھی سچ بولے تب نا۔ وہ ایک بار سچ بول دے۔ اسے اس حالت سے نجات مل جائے گی۔ مگر شاید اسے اپنے اعصاب کا امتحان مقصود ہے۔"

عفرا نے بڑے دکھ سے اسے دیکھا۔

"سچ اور کیا ہوتا ہے۔ ولید کس طرح بولا جائے' کیا وہ جو کہہ رہی ہے وہ سچ نہیں ہو سکتا۔ سچ اسے کسی اونچی عمارت سے چھلانگ لگا کر ثابت کرنا پڑے گا۔

کس طرح تم لوگوں کو یقین آئے گا کہ؟"

وہ لمحہ بھر رکیں پھر ایک افسردہ ہنسی کے ساتھ استہزائیہ انداز میں بولیں۔

"بڑے افسوس کی بات ہے کہ کچھ لوگ اچھی نظر رکھنے کے باوجود سچائی کو نہیں پہچان سکتے۔"

ولید نے سخت بے آرامی کی کیفیت سے گزرتے ہوئے انہیں دیکھا اس کے اعصاب پر زبردست ضرب لگی تھی۔ اس کا اضطراب اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا۔

وہ چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے رخ موڑ کر رسٹ واچ اٹھا کر کلائی میں باندھنے لگا۔

"میری بات کا جواب دو ولید تم اتنے بے رحم تو کبھی نہ تھے" وہ جیسے رو دینے کو تھیں۔

وہ ہلکے سے ہنسا۔

"لوگوں کی زبانوں نے مجھے یہ خول پہننے پر مجبور کر دیا ہے جس کے اندر آگ بھر گئی ہو بہت تپش بھر گئی ہو' اس کا وجود پانی کیسے ہو سکتا ہے۔ میرا پورا وجود چٹختا ہوا سلگتا ہوا انگارہ ہے آپ اسے نہ ہی چھیڑیں تو اچھا ہے۔"

اس کا لہجہ سرد اور بے مہر تھا۔

"ایک نظر اسے دیکھ تو لو۔ وہ تین دن سے بخار میں پڑی ہے۔"

"تو جائیں کسی ڈاکٹر کو بلا کر اسے دکھا دیں۔ مجھے کیوں بتا رہی ہیں۔" اس نے پرفیوم کی بوتل اٹھا کر واپس ٹیبل پر پٹخی تھی۔ پھر جھنجلاہٹ کے عالم میں دراز کھینچی اور سیٹی پر بیٹھ کر جوتے پہننے لگا۔

"بہت بہت شکریہ اس مشورے کا۔" عفرا کڑکڑاہٹ کے ساتھ ہنسی اور کمرے سے نکل گئیں۔

مگر اپنے پیچھے جو وہ دھواں چھوڑ گئی تھیں وہ ولید کو اپنی آنکھوں میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے اپنی پتلیوں میں آگ جلتی محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ اٹھ کر کمرے میں بے قرار روح کی طرح چکر کھانے لگا پھر پیشانی کی ابھری رگوں کو دباتے ہوئے دروازے کی طرف دیکھا اور بے ارادہ ہی باہر نکل آیا۔

اس کے قدم اس کے کمرے کی طرف بڑھے مگر دوسرے پل یکدم اپنے منہ زور منفی جذبے کے ہاتھوں بے دم ہو کر قدموں کا رخ باہر کی طرف کر دیا اور بڑے بڑے قدم اٹھاتا لابی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆

عفرا اسے بے حد اصرار کر کے لان کی کھلی فضا میں لائی تھی۔ ان کا کہنا تھا کمرے کی گھٹن تمہیں اور بیمار کر ڈالے گی جبکہ یہ کھلی فضا طبیعت پر اچھا اثر ڈالے گی۔

وہ مجروح انداز میں مسکرا کر رہ گئی۔

اس کوٹھی کے باغ میں حقیقتاً بہار نغمہ ریز تھی۔ کچی ہری ہری گھاس ہوا کے جھونکوں سے لہرا کر آنکھوں سے روح تک میں تراوٹ انڈیل رہی تھی۔

پھولوں سے ڈالیاں لدی ہوئی تھیں اور ان کو ہوا چھو کر گزرتی تو فضا مہک جاتی۔ ہر طرف خوشبو بکھر جاتی۔

یہ بہار کے دن تھے' گلاب کی بے پناہ کثرت تھی ہر پھول مسکراتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

اس نے خالی خالی نظروں سے اس نظارے کو دیکھا مگر اس کے اندر کوئی تازگی سی نغمگی کا احساس نہیں جاگا۔

شاید بہار کا احساس بھی دل سے مشروط ہوتا ہے پھولوں کی کھلکھلاہٹ بھی نگاہوں میں بسی کھلکھلاہٹ سے مشروط ہوتی ہے۔

دل کی کلی مرجھا گئی ہو۔ روح کی خوشبو مر گئی ہو' جذبوں کے پھول پتی پتی بکھر گئے ہوں تو بہار کا احساس کس طرح جاگے۔

''دیکھو کتنا اچھا موسم ہو رہا ہے نا۔''

وہ ایک گہری سانس بھر کر صرف سر ہلا کر ہلکے سے مسکرا دی اسے عفرا بھابی پر بے تحاشا رحم آیا۔ وہ بے چاری اپنے تئیں اس کے زخموں پر مرہم رکھنے کے جتن کر رہی تھیں۔ مگر وہ کیسے بتاتی کہ اس کے زخم پر اب شاید ہی کوئی مرہم اثر کرے۔

اب نگاہوں پہ نہ خواہش ہے نہ حسرت نہ ملال
اب یہاں لب پہ کہاں حرف سوال آتا ہے
ہم نے اپنے آپ کو بہت دیر سنبھالا لیکن
دل ہے پتھر تو نہیں اس میں بھی بال آتا ہے
اب ہمیں کس کی محبت کا یقین آئے گا
ان کی بے زار نگاہوں کا خیال آتا ہے

وہ دونوں گلاب کی کیاری کے نزدیک سنگ مرمر کی بنی کرسیوں پر آ کر بیٹھ گئیں۔

عفرا ادھر ادھر کی باتوں سے اس کا دل پرچانے کی سعی کرتے ہوئے علینہ کا ذکر لے آئی۔ اسی کی باتیں کرنے لگی پھر بولی۔

''علینہ کو اس گھر میں بہت پیار ملا۔ وہ سب کی آنکھوں کا تارا تھی۔ اس کی ہر ضد پوری کی گئی۔'' وہ ایک پل رکیں شیزا ان کی طرف دیکھ رہی تھی نظریں ملیں تو وہ پلکیں جھکا کر انگلیاں اضطرابی انداز میں ایک دوسرے سے ملاتے ہوئے بولیں۔

''کیا عبید انصاری بہت خوب صورت تھا؟'' ان کے لہجے میں اضطراب ہلکورے لے رہا تھا' ہزار سوال چیخ رہے تھے۔ پھر ہلکے سے ہنسیں۔ ''ظاہر ہے حمزہ جیسے شخص پر اس نے اسے فوقیت دی ہے تو یقیناً وہ بہت۔''

''نہیں وہ تو بہت عام سا تھا۔'' وہ ان کی بات پوری ہونے سے پہلے بولی۔

ایک افسردگی کا سحر اسے اندر ہی اندر جکڑنے لگا۔

اس نے عفرا بھابی کی تحیر سے بھری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''وہ واقعی بہت عام سا تھا شکل میں ہی نہیں کردار میں بھی۔ اس میں اگر کوئی خوبی ہو گی تو بھی کم از کم میرے نزدیک ظاہر نہیں تھی۔''

''تو تو علینہ کو اس میں کیا نظر آیا؟'' عفرا کی آواز تحیر سے چیختی ہوئی تھی۔ ان کی آنکھوں میں حیرت کا ایک جہان گویا ہلکولے لینے لگا تھا۔

''اس میں کوئی خوبی نہیں تھی مگر علینہ میں ایک خاص کمزوری تھی کہ وہ لفظوں سے متاثر ہو جانے والی لڑکی تھی' اس کے پاس کسی کو جاننے پہچاننے کیلئے اس کا لہجہ ہی پیمانہ تھا۔ اسے خوب صورت الفاظ متاثر کرتے تھے اور عبید انصاری لفظوں کا ماہر کھلاڑی تھا۔ وہ اسے اپنے لفظوں کی شعبدہ بازی سے متاثر کرتا رہا تھا۔ ڈھیر سارے الفاظ کی ضرورت تو وہیں پیش آتی ہے ناں جہاں ملا آپ کے پاس دکھانے اور متاثر کرنے کو کچھ نہ ہو۔'' یہ کہہ کر وہ رکی اور استہزائیہ ہنسی۔

عفرا پلکیں جھپکے بنا اسے تکے جا رہی تھی۔ گویا وہ بھی تحیر کے سمندر میں غرق تھی۔ شاید انہوں نے خیال ہی خیال میں عبید انصاری کا خاکہ کچھ اور ہی تراش لیا تھا۔ جس کے ٹوٹنے کا غم منا رہی تھیں یا حیرت۔

اس دنیا میں صرف علینہ ہی نہیں شاید ہر عورت کہیں نہ کہیں کبھی نہ کبھی الفاظ کی اصنام گری سے متاثر ہو کر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتی ہے میں' میں بھی ولید خان کی باتوں کی جادوگری میں الجھ گئی۔'' اس کی آواز میں بے پناہ کرب تھا۔ اس نے یہ کہہ کر لب بھینچ لیے اور ایک پل کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لی۔

عفراء کے ہاتھ کا نرم دباؤ اپنے ہاتھ پر محسوس کر کے اس نے آنکھیں کھولیں پھر ہلکے سے ہنسی۔

''شاید مرد عورت کی اس کمزوری سے باخوبی واقف ہیں یا پھر الفاظ کا جادو ہوتا ہی اتنا اثر انگیز ہے یا؟'' اس کی ہنسی میں افسردگی سمٹ آئی ایک تاسف ہلکورے لینے لگا۔

''خود کو ناقابل تسخیر سمجھنے والی کتنی آسانی سے مرد کے جال میں آ گئی۔ عورت' عورت شاید اڑتی ہوئے چڑیا کی طرح بزدل ہوتی ہے اور مرد عالم سکرات میں بھی گردن فراز کیے رہتا ہے۔''

اس کی یہ باتیں۔ اس کی یہ بکھری ٹوٹی ہنسی عفراء بھابی کے دل کو گداز کر گئیں۔ یہ خوب صورت چہرے اور سحر طراز آنکھوں والی لڑکی انہیں بے حد مضبوط اعصاب کی معلوم ہوئی۔ شاید اس کی جگہ کوئی اور ہوتی تو ٹوٹ کر بکھر چکی ہوتی۔ وہ بکھر بکھر کر پھر خود کو جوڑنے لگتی اور جڑ کر جیسے کسی کمزور لمحے کی گرفت میں آ کر پھر بکھر جاتی۔ کتنا اذیت آمیز ہوتا ہے دل کے بکھرنے کے باوجود بظاہر خود کو جوڑے رکھنا۔ کتنے لمحے دونوں کے درمیان گہری اور مکمل خاموشی طاری رہی۔ اچانک اس خاموشی کا سینہ ملازمہ کی آواز نے چیرا۔ وہ عفرا کو فون کا بلاوا دینے آئی تھی۔ عفرا کا دل تو نہیں چاہا کہ وہ اٹھ کر اندر جائے فون اس کے میکے سے تھا۔ وہ اسے معذرت خواہانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''تم بیٹھو میں آتی ہوں اور دیکھو یہ چائے بھی ٹھنڈی کر دی تم نے۔'' اس نے ملازمہ کو دیکھا۔ ''صواب بی بی یہ چائے گرم کر کے لے آؤ؟'' وہ چائے پی کر کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئیں۔

شیزا یونہی کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر بیٹھی رہی۔ ہاں اس کا دل عفرا کے لئے بڑی عقیدت محسوس کر رہا تھا۔ اس گھر میں ایک انہیں کا وجود تھا جو تپتی دھوپ میں کچھ سائبانی کا احساس دلاتا تھا۔ وہ بظاہر نازک سراپا والی تھی مگر ان کا دل گھنے درخت کی مانند تھا۔

اس نے سوچا کہ ان کا وجود نہ ہوتا تو شاید وہ ذہنی حالت کی خستگی کے باعث بری طرح بکھر چکی ہوتی' بے شک وہ ان کے زخموں کو مندمل نہیں کر سکتی تھیں مگر اس ناقابل برداشت درد میں ان کا وجود پین کلر کی طرح وقتی درد کم کر دیتا تھا۔

شام کو سرمئی اندھیرا لان میں قدم رکھ چکا تھا اس نے ڈوبتے سورج پر نظریں جما دیں۔ اورنج گولا۔ دھیرے دھیرے پہاڑوں کے سینہ میں اترتا جا رہا تھا۔ وہ خالی ذہن سے اس گھٹتی روشنی کو دیکھتی رہی کہ اچانک اسے محسوس ہوا کہ وہ کسی نگاہوں کی زد میں ہے۔ پھر اسے کسی

کے قدموں کی دھمک بھی محسوس ہوئی جو ذرا فاصلہ پر ٹھہر گئی تھی۔ اس نے چہرہ موڑ کر دیکھا تو دل سینہ میں ڈوبنے لگا۔ وہی دشمن جان کھڑا اس کی بے بسی کا تماشا دیکھ رہا تھا اسے تو کچھ ایسا ہی لگا۔

نظریں ملیں مگر اس نے فوراً ہی نگاہوں کے ساتھ چہرہ بھی موڑ لیا۔ دل کے اندر ایک درد پورے زور سے اٹھنے لگا۔ اچانک اسے قدموں کی دھمک پھر سنائی دی جو بے حد نزدیک آ کر ٹھہر گئی۔ گویا وہ اس کے بالکل نزدیک چلا آیا تھا۔ وہی مانوس سی مہک اس کے اطراف پھیل کر اسے مضطرب کر گئی۔

اس نے چاہا اس سے پہلے وہ ہمکلام ہو وہ اٹھ کر اندر بھاگ جائے مگر اس کا دل سینے کی دیواروں میں دب کر رہ گیا۔ سانس اٹکتی محسوس ہونے لگی اور سارا وجود پتھر ہو کر رہ گیا۔

''کس بات کا سوگ منا رہی ہو؟'' اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر رہ جھکا اس کے چہرے کو دیکھا۔

اس کے رخساروں پر بڑی تیزی سے سرخی امڈ آئی۔ پتا نہیں یہ اس کی استہزائیہ ہنسی پر خفت سے ابھری تھی یا دل ٹوٹنے کی تھی۔

یکدم اس کے اندر سے غصے کا ابال اٹھا۔ وہ چہرہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگی اور استہزائیہ ہنسی۔

''سوگ منانے کے لئے تو بہت کچھ ہے' آپ مجھے کس سوگ میں گرفتار دیکھ کر زیادہ مسرور ہونا چاہتے ہیں؟''

''مجھے تو سوگ کی ہر کیفیت پیاری لگتی ہے تمہارے چہرے پر وہ ہلکے سے ہنسا تھا۔

اف اس کا دل' اس کی سفاکی پر لہولہو ہو گیا۔

''ہاں ایک بے رحم اور انتہا پسند آدمی سے اس کے علاوہ اور توقع بھی کیا کی جا سکتی ہے۔'' اس کی استہزائیہ ہنسی افسردگی میں ڈھل گئی۔

وہ لب بھینچ کر جھٹکے سے سیدھا ہو گیا۔ تاہم نگاہیں بدستور اس کے چہرے پر جمائے رکھیں۔ پھر ایک ہلکی سی سانس بھری۔

''تم نے ابھی میری انتہا پسندی دیکھی ہی کہاں ہے؟'' اس کا لہجہ عجیب کھولتا ہوا سا تھا پھر اس کی حزیں اداس آنکھوں میں اپنی سرد سرد آنکھیں جیسے گاڑ دی تھیں۔

اس کا دل سینے کی دیوار میں بری طرح ریزہ ریزہ ہوا تھا تاہم وہ خود کو سنبھال کر بینچ سے کھڑی ہو گئی۔

''تو یہ بھی دیکھا دیجئے تا کہ کوئی حسرت نہ رہ جائے اور میرے اندر خوش فہمی کی معمولی رمق بھی نہ رہے' یہی اچھا ہے۔''

اسے اپنا چہرہ اس کی سفاکی پر تپا تپا محسوس ہو رہا تھا ایسا لگ رہا تھا اندر باہر آگ ہی آگ ہو۔ بلکہ چاروں طرف سے دہکتی آگ امڈتی جا رہی ہو۔

وہ جانے کو مڑی مگر اس نے اس کے بازو کو پکڑ کر ایک جھٹکا دیا تھا وہ توازن نہ رکھ پائی اور لہرا کر دوبارہ بینچ پر گر گئی۔

''کس بات پر اتنی اکڑ دکھا رہی ہو؟'' وہ اس پر جھکا اسے سخت تیوروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ پلکوں کے ساتھ چہرہ بھی جھکا گئی۔

بے بسی کی اذیت آمیزی نے اس کے چہرے پر سرخی بھر دی۔

''یہ سمجھ رہی ہو کہ میں تمہیں آزاد کر دوں گا تو یہ بھی تمہاری بھول ہے۔'' وہ عجیب سے انداز میں ہنسا۔ وہ پلک ایک پل اٹھائی اسے دیکھ کر پھر جھکا گئی اور افسردگی سے ہنسی۔

''جانتی ہوں میں اتنی خوش قسمت کہاں۔''

اس نے دیکھا ہی نہیں ولید کے چہرے پر عجیب سا رنگ آ کر گزر گیا تھا۔

''میرے لئے اب کوئی دکھ دکھ نہیں رہا۔ جو بکھر گیا ہو اسے مزید کیسے توڑو گے۔ مگر یاد رکھنا ولید خان ٹوٹا ہوا کانچ کہیں تمہیں بھی زخمی نہ کر دے۔'' پھر وہ جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھی۔

''میرے سامنے مت آیا کرو میں تمہارا چہرہ بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔''

وہ بوگن ویلیا کی باڑھ پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا اور وہ سلگتی لکڑی کی طرح چیخ رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا۔ چٹان کی طرح ایستادہ اس شخص کو دھکا دے کر ایک طرف ہٹا دے۔ مگر وہ جانتی تھی ایسی کسی کوشش میں وہ کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ سو دھیرے سے بولی۔

''میرے راستے سے ہٹ جایئے۔''

''تمہارا ہر راستہ مجھ تک ہی آتا ہے مائی ڈیئر وائف' میرے راستے سے ہٹنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ یوں ہنسا جیسے اس کی بے بسی پر حظ اٹھا رہا ہو' اس کے سلگتے تڑپنے کا تماشا دیکھ کر لطف اٹھا رہا ہو۔

''دکھ تو صرف اس بات کا ہے کہ مجھ جیسی لڑکی نے بھی کتنا بڑا دھوکا کھا لیا۔'' ایک متاسفانہ سانس سینے کی تہہ سے نکل گئی اس نے ولید خان کے خوب صورت سراپا کو دیکھا۔

''پتہ نہیں میری ماں کی دعاؤں میں کوئی کمی رہ گئی تھی یا مجھے میرا اعتماد ہی لے ڈوبا۔

علینہ کو تو آخری دنوں تک یہ سمجھاتی رہی کہ تم دھوکا کھا رہی ہو۔ خوب صورت چہرے اور خوب صورت الفاظ طلسم کدے ہوتے ہیں' ان کے اندر کوئی چلا گیا تو پھر نہیں بچتا اس کے سحر سے یہ کیسی احمقانہ اور اذیت آمیز بات ہے کہ میں' میں اسے یہ سب کہتی رہی تھی۔'' وہ زور سے ہنسی اس کی ہنسی بے حد ٹوٹی اور خود آزاری تھی جیسے وہ خود پر ہی ہنس رہی ہو۔ بین کر رہی ہو' ہزار ماتم تھے اس کی ہنسی میں۔

ولید نے ایک جھٹکے سے بوگن ویلیا کی باڑھ سے ہاتھ ہٹایا تھا کہ اس کے کاغذی پھول کتنے ہی اس جھٹکے کی تاب نہ لا کر گھاس کے فرش پر ادھر ادھر بکھر گئے۔

اس کے دل پر عجیب سی کیفیت حملہ آور ہوئی تھی تاہم اس نے اندر کی لہروں کو اندر ہی دبا لیا اور سرد مہری سے اسے دیکھا

''شاید اسی بات کا سوگ منا رہی تھیں۔ یہاں بیٹھی ہوئی؟'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی دونوں ہتھیلیاں اس کے کندھے پر جما دیں شیزا کو لگا یہ انگلیاں نہ ہوں لوہے کی سخت تاریں ہوں جو اس کے کندھے کے نرم و نازک گوشت میں پیوست ہوتی جا رہی ہوں۔

''جب اس طلسم کدے میں آ ہی چکی ہو تو جانتی بھی ہو گی کہ باہر نکلنے کا اس میں کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ ہاں تمہارے لئے بھی کوئی راستہ نہیں ہے جب تک میں نہ چاہوں۔'' وہ اسی سرد مہری سے ہنسا۔ اس کی یہ ہنسی شیزا کو اپنے خون میں اترتی محسوس ہوئی اور رگوں میں خون جمتا ہوا محسوس ہوا۔

ایک اذیت کے عالم میں اس نے پلکوں کی باڑھ جھکا لی وہ خود کو اس کی گرفت میں مجروح پرندے کی طرح محسوس کر رہی تھی اور جہاں تک لفظوں سے مدافعت کا تعلق تھا سو وہ بھی بکھر گیا تھا اس کی آنکھوں میں غصے اور نفرت کی سرخ تمتماہٹ نے اس کی مدافعت کی طاقت کو چوس لیا تھا۔

''میں تم پر زندگی بہت تنگ کر دوں گا شیزا' تمہاری ساری اکڑ فوں میری نرمی کا نتیجہ ہے شاید میں خاموش ہوں تو صرف اس لئے کہ تمہیں مہلت دے رہا ہوں ورنہ تمہاری حیثیت میرے نزدیک کیا ہے۔''

''چپ ہو جاؤ۔ خدا کے لئے چپ ہو جاؤ۔'' وہ رنج والم سے یک لخت چیخ پڑی۔ ''کچھ تو بھرم رہنے دو اپنا۔'' اسے اپنا وجود ایک ان دیکھی آگ میں دھڑ دھڑ جلتا ہوا لگ رہا تھا۔

اس نے چپ کی سلگتی نظروں سے اسے دیکھا پھر بوگن ویلیا کے بکھرے پھولوں کو اپنے

قدموں سے روندتا ہوا اندر چلا گیا وہ دکھ کے بے پناہ احساس کے ساتھ نڈھال سی وہیں گھاس پر بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی۔

اس سفاکی نے اسے نئے سرے سے توڑا تھا۔

وہی لہجہ جو امرت بن کر اب بھی دل کے گوشے میں محفوظ تھا وہ محبت لٹاتی نگاہیں اب بھی تصور کے کسی خانے میں بسی تھیں وہ کس طرح یقین کر لے کہ وہ لہجہ آگ بن کر اب مستقل اسے جھلساتا رہتا ہے۔ وہی نگاہیں نفرت کے تیر ترازو کرتی ہیں۔

"کیا ہوا شیزا؟" عفرا بھابھی کی آواز سنائی دی۔ تشویش سے اس کے قریب گھاس پر بیٹھ کر اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر اسے ہلایا۔

"عفرا' عفرا پلیز اسے کہیے کہ وہ میرے سامنے نہ آیا کریں۔" اس نے روتے روتے سر اٹھایا۔

"کون' کسے کہوں کہ؟" عفرا نا سمجھ آنے والی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"ولید' جس نے میرے اندر سے جینے کی امنگ تک چھین لی ہے' آئی ہیٹ ہم۔" اس نے نڈھال انداز میں ان کے کندھے پر سر رکھ دیا اور نئے سرے سے رو دی۔

عفرا کو دھچکا سا لگا۔ اس کی نظریں بے ارادہ پورچ کی طرف اٹھ گئیں اور وہاں ولید کی گاڑی دیکھ کر انہوں نے گہری سانس لی۔ مضمحل اور طویل سی نظروں سے شیزا کو دیکھا پھر اس کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا خفیف سا دباؤ ڈال کر بولیں۔

"آؤ اندر چلیں۔ خنکی بڑھ رہی ہے اور تمہیں یوں بھی بخار ہے۔" وہ اسے نرمی سے تھام کر زبردستی اندر لے گئیں۔

☆☆☆☆

دریہ صبح سے آئی ہوئی تھی۔ شیزا کی شادی کی سارے فوٹو لے کر آئی تھی جو اس نے اپنے کیمرے سے کھینچے تھے۔

"آنٹی! آج میں تو ریل دے کر بھول بھال ہی گئی تھی کہ واپسی بھی لینی ہیں۔ بے چارے کمال اسٹوڈیو کے مالک نے فون کر کے یاد دلایا کہ تصویریں دھل کر آ گئی ہیں لے جائیے۔" وہ ہنسی۔

"بس آفس کی مصروفیت نے سر اٹھانے ہی نہ دیا آج کل ہمارے باس بہت سخت گیر ہو گئے ہیں۔"

"تم یہ ایک طرف رکھو میں اطمینان سے دیکھوں گی' پہلے کچھ چائے پانی کا انتظام کر لوں۔" امی تصویروں کے البم اس کے ہاتھ سے لے کر کانچ کی تپائی پر رکھ کر اٹھنے لگیں تو اس نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"آپ بیٹھیں تو ابھی کوئی چائے وائے نہیں پینی' جناب لنچ کر کے جاؤں گی اور مل جل کر پکا لیں گے۔ آپ یہ بتائیے کہ آج آپ اتنی اداس کیوں لگ رہی ہیں۔ شیزا یاد آ رہی ہے کیا؟" وہ امی کا چہرہ بغور دیکھنے لگی۔

"وہ کب یاد نہیں آتی۔" امی ہلکی سی سانس بھر کر مسکرا دیں۔

"فون وون کرتی ہے یا نہیں؟"

"بس کوئٹہ پہنچ کر ولید نے ہی کیا تھا۔ کہہ رہا تھا ہم لوگ شاید ہنی مون پر ملک سے باہر بھی جائیں اور کہہ رہا تھا۔

آپ پریشان نہ ہوئیے گا میری فیملی بہت اچھی ہے شیزا تو چند گھنٹوں میں ہی ایڈجسٹ ہو گئی ہے اور کہہ رہا تھا۔" یہ بتاتے ہوئے امی کے چہرے پر اتھاہ سکون دکھائی دینے لگا۔

دریہ بھی مطمئن انداز میں سر ہلانے لگی۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ ہوسکتا ہے آج کل وہ ملک سے باہر ہی ہوں اور تین چار ماہ تو لگ ہی جائیں گے۔"

"ہاں۔ بس جہاں رہے خوش رہے میری تو ایک ہی دعا ہے۔"

انہوں نے تصویروں کا البم اٹھا لیا۔

مایوں مہندی' شادی ہر تصویر میں شیزا اتنی پیاری لگ رہی تھیں۔ کہ امی کے چہرے کی چمک ہر تصویر دیکھ کر بڑھ جاتی۔

ایک تصویر تو وہ دیکھتی رہیں وہ ولید کے ساتھ کی تھی جس میں وہ شرمائی شرمائی مسکرا رہی تھی اور ولید ڈنر سوٹ میں بے پناہ خوب صورت دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی بھوری آنکھیں شیزا پر جذبے لٹا رہی تھیں۔

دوسری تصویر میں شیزا ساڑھی باندھے ولید کے پہلو میں کھڑی بڑی مطمئن اور شاد نظر آ رہی تھی۔ یہ تصویر دریہ نے شادی کے دوسرے دن کھینچی تھی۔

"اچھی ہے نا؟" دریہ بھی ان کے ساتھ ساتھ دیکھتی جا رہی تھی۔

''ہوں۔ بہت اچھی ہیں۔'' امی نے چونک کر سر ہلایا اور طمانیت سے مسکرانے لگیں۔

''چاند سورج کی جوڑی لگ رہی ہے دونوں کی۔'' دریہ دوسرا البم اٹھا کر دکھانے لگی۔ ''یہ غالباً اس کی منجھلی بھابھی ہیں یہ بھی خاصی اچھی شکل وصورت کی ہیں۔ کچھ ریزروسی معلوم ہو رہی تھیں۔''

وہ ساتھ ساتھ تبصرے بھی کرتی جا رہی تھیں۔ پھر امی لنچ تیار کرنے اٹھ گئیں دریہ بھی ان کا ہاتھ بٹانے لگی۔

لنچ کے بعد دریہ آدھا گھنٹہ مزید بیٹھی اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد چلی گئی۔

امی نے البم سمیٹ کر دراز میں رکھ لیے اور گھر کی ترتیب کرنے لگیں تصویریں انہوں نے علینہ کو دکھانے کیلئے رکھ لی تھیں۔ حالانکہ انہیں احساس بھی تھا علینہ کے ساتھ انہوں نے جو سلوک کیا تھا وہ اب دوبارہ نہیں آئے گی۔ مگر جانے کیوں دل کو اس کے آنے کی موہوم سی امید بھی تھی۔

اسے گھر سے نکالنے کے بعد وہ ایک لمحہ بھی چین سے نہ بیٹھی تھیں۔ رہ رہ کر اس کے آنسوؤں سے بھیگا چہرہ یاد آتا رہتا۔ اس کے الفاظ سماعت میں گونجتے رہتے اور انہیں اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس شدید ہو جاتا۔ کم از کم وہ اس سے شکوہ شکایت کر لیتیں یوں گھر سے نکل جانے کو نہ کہہ دیتیں۔ جانے کتنی آس لیے وہ ان کے پاس آئی تھی۔ اس کی حالت بتا رہی تھی وہ خوش نہیں ہے وہ انہیں شیزا کی طرح ہی تو پیاری تھی پھر انہوں نے دل اتنا سخت کیوں کر لیا تھا اس کے لئے۔

خدا جانے۔ کیا حال ہوگا اس کا کہاں ہوگی وہ پہلے ہی پریشان آئی تھی۔

دریہ کے جانے کے بعد عدان کے ذہن پہ پھر علینہ سوار ہو گئی۔ کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ ایسے میں وہ وضو کر کے سورۂ یاسین کی تلاوت کرنے لگیں۔ پھر عصر کی اذان ہوئی تو نماز پڑھنے لگیں۔

کسی حد تک دل کی بے قراری اور اضمحلال میں کمی آئی تو سجدے سے سر اٹھا کر تسبیح لے کر بیٹھ گئیں۔

عبادت بھی کیا شے ہے۔ اس کے حضور جھکنے سے سلگتا دل ٹھنڈی پھوار سے بھیگ جاتا ہے۔

انہوں نے سوچا اگر مسلمانوں کے پاس یہ روحانی سہارا نہ ہوتا تو مجھ جیسے کیا کرتے۔

کتنے بدبخت اور بدنصیب کم عقل نادان ہوتے ہیں وہ لوگ جو اپنی پریشانیوں کے لئے

اللہ کا سہارا چھوڑ کر ادھر ادھر بھاگتے پھرتے ہیں۔ وہ ایک گہری سانس بھر کر جائے نماز لپیٹنے لگیں کہ دروازے پر دستک سنائی دی۔ ان کے دل میں بے اختیار خیال آیا کہ یقیناً علینہ ہوگی۔

دستک دوبارہ ہوئی تو وہ دعا مانگتی ہوئی دروازے کی طرف لپکیں کہ خدا کرے علینہ ہو اور جیسے شاید وہی دعا کی قبولیت کی گھڑی تھی۔ علینہ ان کے سامنے کھڑی تھی مگر آج وہ اکیلی نہیں تھیں اسکی گود میں ایک بے پناہ خوب صورت بچہ بھی تھا۔ سیاہ جرسی سوٹ میں سرخ وسپید رنگت اور بھوری آنکھوں والا بچہ بالکل علینہ کی تصویر تھا۔

انجانی جگہ پر وہ شاید سہم گیا تھا علینہ کے سینے سے بالکل چپک گیا تھا۔

''السلام علیکم۔'' وہ انہیں گم صم دیکھ کر کچھ خفیف سی ہو گئی۔ تب امی خوش گوار حیرت سمیٹنے لگیں۔

''میں آپ کے منع کرنے کے باوجود پھر چلی آئی ہوں یہ سوچ کر کے۔ مجھے تو اپنے کیے کی بہت سی معافیاں مانگنی ہیں آپ سے۔''

اس نے بڑی آس مندانہ نظروں سے امی کی طرف دیکھا تو اور وہاں قدرے حوصلہ افزا تاثر دکھائی دیا وہ دو قدم آگے آئی۔

''آؤ اندر آجاؤ۔'' امی کی نظریں اسکی گود میں چڑھے خوب صورت سے بچے پر جم گئیں۔ خود بہ خود ہی مشفقانہ مسکراہٹ ان کے لبوں کو چھو گئی۔

''ماشاءاللہ بہت پیارا بچہ ہے۔ بالکل تمہاری شکل کا ہے؟'' انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس کے نرم نرم روئی جیسے گالوں کو چھوا بچے کے پتلے پتلے سرخ ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر آئی اور امی کو لگا جیسے ہر طرف اجالا ہو گیا ہو۔

انہیں بے اختیار شیزا کا بچپن یاد آ گیا۔

''خدا اس کے نصیب میرے جیسے نہ کرے۔'' وہ تھکے تھکے قدموں سے اندر آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

جیسے طویل مسافت کر کے یہاں پہنچی ہو۔ اب پیروں میں جان نہ رہی ہو۔

امی نے چونک کر اسے دیکھا۔

''میں لاشعوری طور پر تمہاری ہی منتظر تھی۔ پتا نہیں کیوں میرا دل کہہ رہا تھا تم آج ضرور آؤ گی۔ دریہ آئی تو میں وقتی طور پر تمہیں بھول گئی اس کے جاتے ہی تم پھر میرے ذہن پر سوار ہو گئیں۔''

''آپ..... آپ خفا تھیں نا مجھ سے؟''

''پگلی میں کیا خفا ہوں گی۔تم شیزا کی بہت اچھی سہیلی ہو۔ میں تم سے روٹھ کر بھی نہیں روٹھ سکتی۔ ہوسکتا ہے وہ یہاں ہوتی تو تمہیں معاف کر دیتی۔ اس کا رویہ تمہارے ساتھ مجھ سے مختلف ہوتا۔تم تو جانتی ہونا اسے۔ وہ کتنی ہمدرد اور محبت کرنے والی لڑکی ہے۔ زیادہ دیر وہ کسی سے خفا رہ ہی نہیں سکتی۔ پھر تم سے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

علینہ کے دل کو ڈھارس ملی۔ اس کا دل گداز ہوگیا۔ اس نے اپنے بیٹے کو نیچے قالین پر بٹھا دیا اور پرس سے ایک کھلونا نکال کر اسے دے کر خود امی کے قدموں میں آ کر بیٹھ گئی۔

''یہاں کیوں بیٹھ رہی ہو؟ اوپر بیٹھو نا ارے ارے۔'' امی لب دانتوں میں دبا کر رہ گئیں۔

وہ ان کے گھٹنے پر اپنی پیشانی ٹکا کر سسکیاں بھرنے لگی تھی۔

''آ.... آپ نے میری وجہ سے بہت تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ میں خود غرض ہوگئی اور سوچا بھی نہیں شیزا کا اور آپ کا' یقین کریں میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہاشم بھائی آپ لوگوں کو.....'' اس کی آواز بھرا گئی۔

امی کرب سے لب دبائے صوفے کی پشت سے لگ کر اذیت کے احساس میں گھر گئیں۔

''کیا ہاشم بھائی نے بہت ظلم کیے ہیں آپ پر؟'' وہ دکھ اور حیرت سے پوچھنے لگی۔

اس کے ایک سوال سے ماضی کے گزرے ہوئے شب و روز امی کے ذہن میں فلم کی طرح چلنے لگے۔

''مگر آپ لوگوں کا اس معاملے سے کیا تعلق تھا؟ شیزا نے تو اسی رات مجھے گھر میں قدم بھی نہیں رکھنے دیا تھا۔'' وہ سر اٹھا کر امی کی طرف دیکھنے لگی پھر خیال آنے پر بولی۔ ''آپ نے ہاشم بھائی سے کہا کیوں نہیں کہ شیزا تو علینہ کو عبید انصاری سے ملنے پر بھی روکتی تھی' خفا ہو جایا کرتی تھی اور۔'' وہ بولتے بولتے یکدم کسی گہری آزردگی کی لپیٹ میں آ کر سر جھکا کر لب کاٹنے لگی۔

آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔

''سچ ہی کہتی تھی شیزا رات کے اندھیرے میں تمہیں گھر سے بھگانے والا رہبر نہیں لٹیرا ہوسکتا ہے جو عزت کے ساتھ بے خوف و ڈر جس لڑکی کو اس کے گھر سے رخصت کر کے نہ لے جا سکے وہ تا عمر اسے عزت نہیں دے سکتا۔ ایک سسکاری اس کے لبوں سے آزاد ہوگئی۔

امی خاموش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں' اس کی اجڑی زندگی کا عکس اس کی بھوری کانچ سی آنکھوں میں سمٹ آیا تھا۔

وہ اس گھائل پرندے کی طرح لگ رہی تھی جو ڈار سے بچھڑ گیا ہو۔

اس آنسو کی مانند دکھائی دے رہی تھی جو آنکھ سے لڑھک کر متوحش سا کسی ٹھکانے کی تلاش میں ہو۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

مضمحل۔

اداس۔

اور ویران خاموشی۔

امی حیرت سے سوچنے لگی کہ یہ لڑکی اتنی اجڑی کیوں دکھائی دے رہی ہے۔

عبید انصاری کہاں تھا اور اس کے ساتھ کیوں نہیں آیا یا وہ خوش کیوں نہیں ہے۔

''آنٹی۔'' علینہ نے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر کہا' تو ان کے خیالات کا تسلسل چھن سے ٹوٹ گیا۔ وہ ایک گہری سانس بھر کر رہ گئیں۔

''کیا ہاشم بھائی آپ سے میرا پتا پوچھ رہے تھے؟''

امی نے اسے دیکھا پھر اثبات میں ہلا دیا۔

وجود پر دبی دبی تھکن اُمڈنے لگی۔

''صرف تم سے دوستی کی سزا کاٹی ہے شیزا نے۔''

ان کی آواز افسردگی کی لپیٹ میں آ کر دھیمی ہوگئی پھر انہوں نے دھیرے دھیرے اسے تمام گزرے حالات بتا دیے۔ اس رات سے جس رات علینہ ان کے یہاں عبید انصاری کے ساتھ پناہ مانگنے آئی تھی۔ وہاں سے شیزا کی شادی تک کے واقعات۔

ولید کا ذکر آیا تو ان کے بجھے لہجے میں کھنک سی اتر آئی اور آنکھوں میں چھائی دھند چھٹ گئی اور سطح چمکنے لگی۔ وہ ولید کی تعریفیں کرنے لگیں۔ پھر یکدم انہیں تصویروں کا خیال آ گیا۔

''ارے ہاں۔ تمہیں میں تصویریں تو دکھانا ہی بھول گئیں۔ آج ہی در یہ دے گئی ہے میں ابھی لائی۔'' امی وہاں سے اٹھ گئیں سارے واقعات حالات سننے کے بعد علینہ دل گرفتگی' آشفتگی کی زد میں آ گئی تھی۔

ندامت دل پر ہلکورے لینے لگی۔

اس کے تو گماں میں بھی نہیں تھا کہ شیزا اس کی وجہ سے دکھ اٹھائے گی۔

دربدری کا عذاب اس کی جھولی میں آ گرے گا۔

اس کا دل دکھ کی کراتھاہ گہرائی میں ڈوب کر آبدیدہ ہو رہا تھا۔

''جو ہو گیا اسے بھول جاؤ علینہ میری بیٹی کو اس کے صبر کا پھل مل گیا ہے۔ کالے دن کاٹ لیے ہم نے۔ اب اجالے ہمارے اردگرد بکھرے ہیں وہ خوش ہے اپنے گھر میں بہت خوش۔ یہ خوشی یہ طمانیت میرے لئے کم ہے کیا؟''

امی صوفے پر آ کر بیٹھیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ جو سر جھکائے آنسو ضبط کرنے میں لگی تھی۔

''دیکھو گی نہیں تصویریں؟''

وہ روتے ہوئے مسکرا دی۔ پھر جلدی جلدی آنسو پونچھنے لگی۔

''کیوں نہیں آنٹی۔ ضرور دیکھوں گی بار بار دیکھوں گی۔'' اس نے اشتیاق سے صوفے پر بیٹھ کر البم اٹھا لی۔

مایوں کے زرد کپڑوں میں شیزا اس کی نگاہوں کے سامنے تھی کتنی شرمائی ہوئی۔

ہنستی مسکراتی کہیں کہیں مسکراہٹ دبائے۔

اس کے نازک نازک شفاف ہاتھوں میں مہندی بے حد رچ رہی تھی۔

پھر دلہن بنی وہ اتنی دلربا لگ رہی تھی کہ وہ اسے دیکھے گئی اس نے ہمیشہ شیزا کو بے حد سادگی میں ہی دیکھا تھا۔

کالج فنکشن میں بھی اس نے کبھی میک اپ یا زیورات کا استعمال نہ کیا تھا۔

اس کا کہنا تھا درس گاہیں فیشن اسپاٹ نہیں ہوتیں وہ سادگی، سنجیدگی، متانت کی متقاضی ہوتی ہیں۔ فیشن کرنے کے لئے خاندان کی تقاریب کافی ہوتی ہیں۔ جس میں ہر لڑکی کا ہر شوق پورا ہو ہی جاتا ہے۔ پھر ان جگہوں کے تقدس کو کیوں آلودہ کیا جائے۔

آج دلہن بنی وہ نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ اس پر ٹوٹ کر روپ آیا تھا۔

اس کی معصومیت میں ایک نکھار آ گیا تھا۔

اس نے تصویر پلٹی۔ تو سر پر آسمان آ گرا۔

اس کی آنکھیں ساکت رہ گئیں، پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔

'یہ شیزا کا دولہا ہے اور یہ دو اس کے ساتھ بیٹھیں خاتون ہیں نا یہ اس کی منجھلی بھابی ہیں نا شیزا کی جٹھانی ہوتی ہیں بے چاری خود نئی بیاہی ہوئی ہیں اس لئے چپ چاپ شرمائی شرمائی سی

ساری تقریبوں میں رہیں۔ پانچ چھ ماہ ہی ہوئے ہیں اس کی شادی کو۔ باقی لوگ تو آئے نہیں تھے اپنی اپنی مصروفیات کی وجہ سے۔''

امی اس کے دل پر اترنے والے طوفان سے بے خبر بولے جا رہی تھیں۔ اور یہ تصویر کو وہ محبت پاش نظروں سے دیکھ دیکھ کر ولید کی تعریفیں بھی ساتھ ساتھ کیے جا رہی تھیں۔ وہ دیکھ کہاں رہی تھی کہ علینہ پر ہزار پتھر لڑھک گئے ہیں۔

اس کی انگلیاں البم پر کانپ رہی ہیں اور دل سینے میں رنج سے پھٹنے کو ہو گیا ہے۔

ولید اس کا سگا بھائی دولہا بنا شیزا کے پہلو میں فاتحانہ انداز میں بیٹھا تھا۔

اس کا دل چاہا وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر بلک بلک کر رو دے۔

یہ.... یہ کیا کر دیا آنٹی آپ نے؟ یہ کیا ہو گیا شیزا کے ساتھ؟ گویا ہاشم بھائی نے جو جال بنایا تھا اس میں آخر کار وہ شیزا کو جکڑ کر لے گئے۔

اس نے تصویر پلٹی نہیں بلکہ البم بند کر کے اس پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے اذیت سے آنکھیں میچ لیں۔

مگر وہ کوئی خواب تو نہیں تھا کہ آنکھ کھلنے پر گم ہو جاتا۔

کوئی خیال نہیں تھا کہ وہ جھٹک دیتی۔

وہ حقیقت تھی سفاک حقیقت۔

''کیا کیا ہوا؟ دیکھو نا تصویریں ابھی تو بہت ساری پڑی ہیں یہ تین تین البم بھرے پڑے ہیں۔'' امی نے دو البم بھی اس کی گود میں ڈال دیے پھر اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھ کر ہلکی سی سانس بھر کر ہنس دیں۔

صبر کرنا پڑتا ہے بیٹیاں تو آنگن کی چڑیا ہوتی ہیں اڑنا ہی تو ہوتا ہے پر کاٹ کر پنجرے میں رکھ دینے کی تو نہیں ہوتیں۔

خدا اسے خوش و خرم رکھے۔ بس یہی میری دعا ہے اور ولید تو میرے گمان سے بھی اچھا اور پیارا بچہ ہے۔ اس نے تو ہمارے دل جیت لیے۔

علینہ کا دل چاہا زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے یا یہ چھت اس پر آ گرے اور وہ ہمیشہ کے لئے ابدی نیند سو جائے۔

اس نے لرزیدہ ہاتھوں سے البم دوبارہ کھولی اور پتھرائی ہوئی نظروں سے ہر تصویر کو تکتی رہی۔

اس کا بھائی ولید شیزا کے پہلو میں بیٹھا کیسا مسکرا رہا تھا شرما رہا تھا اسے میٹھی نظروں سے تک رہا تھا۔

اس کا دل لہولہو ہو گیا۔

مہذب معاشرے کے معزز لوگ۔ انا اور غیرت کے زعم میں پستی کی اس نہج میں اتر جائیں گے۔

''اس کا دل کٹنے لگا۔

''ارے دیکھو ذرا ان تصویروں میں پڑ کر تو میں نے تمہیں چائے پانی تک کا پوچھا ہی نہیں۔ تم اطمینان سے تصویریں دیکھو میں ابھی آئی۔ امی کو اچانک ہی اس کی خاطر مدارت کا خیال آ گیا پھر نظر اس کے بچے پر پڑی۔ جو کھیلتے کھیلتے سو گیا تھا۔

''یہ بھی بے چارہ سو گیا اسے تم اٹھا کر صوفے پر لٹا دو۔ بلکہ اندر پلنگ پر جا کر سلا آؤ تو اچھا ہے۔'' انہوں نے اٹھتے اٹھتے علینہ سے کہا مگر اس نے جواب نہیں دیا۔ وہ سن ہی کہاں رہی تھی۔ وہ تو اپنے اندر کے طوفان سے نبرد آزما تھی جو رگ رگ کو روندتا ہوا گزر رہا تھا۔

اس میں اتنا حوصلہ بھی نہیں تھا کہ وہ امی سے اس حقیقت کا انکشاف کرتی کہ ولید اس کا سگا بھائی ہے۔ اسی ہاشم خان کا بھائی جو ان کے خون کے پیاسے بنے پھر رہے تھے جو خوف بن کر ان کی زندگیوں میں اتر آیا تھا۔

اس نے البم نفرت سے ایک طرف پھینک دیے اسے یکدم کراہت آنے لگی اپنے بھائیوں سے خود اپنے آپ سے۔

کیا تھے وہ سب؟

پستی کی کیچڑ سے بھی گئے گزرے۔

خوش نما لباس پہن کر اپنے اندر کی آلودگی کو چھپائے ہوئے۔

''میرے خدا یہ کیا ہو گیا ہے؟'' بے بسی سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کو اتنا چاہنے والے' اتنے مخلص نظر آنے والے' پیار کرنے والے اتنے [illegible] مزاج بھی ہوں گے۔ کہ اس سے وابستہ رشتے کو اپنی انا اور غیرت کی بھینٹ چڑھا دیں گے۔ مگر اگر وہ ہے تو انتقام کا نشانہ بھی اسے ہی بننا چاہیے شیزا کیوں بنی۔

ان کے انتقامی رویوں کا سوچ کر اس کی ریڑھ کی ہڈی تک میں سنسناہٹ دوڑ گئی

اگر وہ ان کے سامنے جائے گی تو خدا جانے وہ اس کے ساتھ کیا سلوک روا رکھیں گے۔

اس نے جھرجھری لے کر بے اختیار اپنے بچے کی طرف دیکھا۔

پھر سانس بھر کر صوفے کی نرم پشت سے کمر اور سر ٹکا لیا۔

''وہ ضرور جائے گی اب جو ہو سو ہو۔ زیادہ سے زیادہ اس کے غصے سے بلبلاتے بھائی اسے زندگی کے اس بوجھ سے آزاد ہی کر دیں گے ناں۔'' اس نے یکدم فیصلہ کر لیا۔

''یوں بھی وہ کون سے خوش گوار حالات میں سانس لے رہی تھیں۔ اپنی اس زندگی سے خود تنگ آئی ہوئی تھی۔

زندگی ایک سلگتی سی چتا ہے ساحر شعلہ بنتی ہے نا یہ بجھ کے دھواں ہوتی ہے ایک افسردگی میں ڈھلی پھیکی مسکراہٹ اس کے خشک ہونٹوں کے گوشوں میں جیسے کراہ کر رہ گئی۔ اس نے جلتی آنکھوں کو میچ لیا۔

☆☆☆☆

''دیکھو عفرا تم اس لڑکی کی ہمدرد بننے کی کوشش مت کرو' اپنے کام سے کام رکھا کرو۔ مجھے غصہ مت دلاؤ ورنہ میں بہت بری طرح پیش آؤں گا تمہارے ساتھ۔'' ہاشم خان اس روز غصے سے آؤٹ ہو گیا جب عفرا نے شیزا کا موضوع چھیڑا تھا وہ بھی چھٹی کے روز لنچ پر۔

''تمہیں میں نے اس سے علینہ کا پتا اگلوانے کا کام سونپا تھا اس کی ہمدرد بننے کو نہیں کہا تھا۔''

''وہ جس اذیت سے گزر رہی ہے اس کا اندازہ نہیں ہے آپ کو۔ بلکہ کسی کو بھی۔'' وہ چمچہ پلیٹ میں رکھ کر کھڑی ہو گئی۔

اور ولید پر ایک ملامت آمیز نگاہ ڈالی۔ جو لاتعلق بنا خاموشی سے کھانے میں مصروف تھا۔

اس کے چہرے پر بہت سکون تھا۔ پتا نہیں وہ اتنا ہی پرسکون تھا یا ظاہر کر رہا تھا۔

''اور ہم جس اذیت سے گزر رہے ہیں گزر چکے ہیں وہ' وہ تمہاری نظر میں کچھ نہیں۔ وہ ذلت' خواری وہ جلن تڑپ ایک ایک پل بے عزتی کی تڑپ میں گزر رہا ہے وہ۔''

سلمان نے بھی کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

دونوں بھائیوں کے تیور دیکھ کر عائشہ گھبرا کر عفرا کی طرف بڑھی پھر اس کے کندھے پر ہاتھ کا دباؤ ڈال کر اسے بولنے سے باز رکھنا چاہا۔

مگر اس نے عائشہ کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''وہ اذیت ہمارے اپنے ہاتھوں کی لی ہوئی ہے' جب کہ وہ بغیر قصور کے ہمارے ظلم و ستم سہہ رہی ہے۔'' اس کے لہجے میں رنج تھا۔

''وہاٹ۔'' ہاشم کو گویا پتنگے لگ گئے وہ اتنے زور دار جھٹکے سے کرسی سے اٹھا کہ کرسی پیچھے الٹ گئی۔

''ادھر دیکھو۔ ذرا کیا کہا تم نے؟'' اس نے عفرا کا بازو پکڑ کر جھٹکے سے اس کا رخ اپنی طرف کیا تھا اور اسے یوں دیکھا جیسے اس پر ہنس رہا ہو۔ مگر اسکی ہنسی استہزائیہ نہیں سلگتی ہوئی تھی۔

''ہاں یہی سچ ہے۔'' وہ بے خوفی سے سر ہلانے لگی پھر ایک گہری سانس بھر کر بولی۔

''ہم نے علینہ پر بہت زیادہ دباؤ ڈال دیا' اس پر سخت پہرے بٹھا دیے۔ حالانکہ اسے پیار و محبت سے کچھ درشتگی سے سمجھانا تو دور کی بات اسے خوف میں مبتلا کر کے اس سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں تک چھین لیں اس کے پر کاٹ کر اسے اچانک ہی پنجرے میں ڈال دینا چاہا اور ان حالات میں خوف کی فضا میں اسے کوئی راہ نہ سجھائی دی سوائے اس کے کہ وہ اپنے پر سنبھال کر اس پنجرے سے اڑ جائے۔ اسے موقع تو دیتے سچ جھوٹ میں' اندھیرے روشنی کا فرق تو سمجھاتے اور سمجھنے کا وقت دیتے بغاوت کے علم وہیں بلند ہوتے ہیں جہاں ناجائز دباؤ شروع ہوتا ہے۔ نرمی اور سختی میں توازن نہ رہے پھر تو شاید یہی کچھ ہوتا ہے۔'' ان کی آواز بھرا گئی۔ اس نے ہاشم خان پر ایک نظر ڈالی جو لب بھینچے اسے سخت تیوروں سے دیکھ رہا تھا۔ جب کہ ولید کا سکون بھی غارت ہو گیا اس نے اپنے آگے رکھی پلیٹ زور سے دھکیل دی۔

''عفرا آپا پلیز اس موضوع کو ختم کیجئے آپ مت مداخلت کیجئے۔ جو کام آپ کے کرنے کا نہیں اس میں مت شامل ہوئیے۔'' اس کے لہجے میں چھپی التجا تھی ایسی بے بسی تھی جو اسے ہی کاٹ رہی تھی۔

عفرا نے بڑی دل گرفتگی سے اس کی طرف دیکھا۔

عائشہ نے بھی محسوس کیا کہ بظاہر سب بھائیوں کے چہروں پر غصے کی سرخی تھی مگر بات ان کے دلوں کو لگی تھی۔

ولید کا اضطراب تو سب سے زیادہ تھا۔

اس کے اندرونی خلفشار کی سوزش اس کے چہرے سے عیاں ہو رہی تھی۔

''ولید نے ان کی طرف بے ساختہ دیکھا تھا پھر سر جھکا لیا تھا جب کہ عفرا کے ساتھ عائشہ کو بھی اپنے دل پر سناٹا اترتا محسوس ہوا اس نے بے ساختہ ہی عفرا کے بازو پر ہاتھ رکھا تھا اور ولید کے چہرے پر آئے رنگ کو دیکھا۔

عفرا ایک متاسفانہ سانس بھر کر ڈھیلے قدموں سے پلٹی۔

ڈور بیل کب سے بج رہی تھی اس نے ملازمہ کو آواز دینے کے لئے باہر جھانک کر دیکھا جنت گل بوکھلائی بوکھلائی ان سے آ ٹکرائیں پھر ہانپتی کانپتی آواز میں بولیں۔

''عفرا بی بی وہ... وہ علینہ بی بی آئی ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی باچھیں کانوں تک جا پہنچی۔ ''میں نے خود انہیں اندر آتے دیکھا ہے ان کے .... ان کے ہاتھ میں۔'' وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔

لابی کا دروازہ دھکیل کر علینہ اندر آتی دکھائی دی۔

* * * *

عفرا بھابی کی نگاہیں تحیر آمیز بے یقینی سے علینہ پر جم گئیں۔ حد سے زیادہ حیرت کے صدمے سے ان کے لب کھلے رہ گئے۔

دراصل ان کی نظریں علینہ کی گود کے بچے پر تھیں اس سے پہلے کہ وہ حیرت کے شدید ترین احساس سے باہر نکل کر کچھ کہتیں کہ وہ ان کے نزدیک آ کر رک گئی۔

"یہ میرا بیٹا ہے عفان۔" وہ دھیرے سے بولی اور جیسے عفرا کے سوئے ہوئے اعصاب جنبش کھا کر بیدار ہو گئے۔ تاہم وہ مکمل طور پر اپنی حیرت سمیٹ نہیں پائی تھیں۔ شاید وہ اس غیر متوقع صورت حال کے لئے ذہنی طور پر بالکل تیار نہیں تھیں۔ دراصل انسان تصور بھی نہیں کر سکتا کہ آنے والے لمحات کے دامن میں آپ کے لئے کیا حیرت چھپی ہو گی۔ مگر باوجود حیرت کے وہ اس غیر متوقع ملنے والی خوشی کو دبا نہ سکیں اور بے تابانہ بانہیں وا کر کے اس کی طرف بڑھیں مگر علینہ ان سے نظریں ہٹا کر اب سامنے دیکھ رہی تھی اس کے چہرے پر خوف کی زردی پھیل گئی اور ہونٹ کچھ کہنے کی کوشش میں صرف کپکپا کر رہ گئے۔

"مجھے یقین تھا تم خود چل کر یہاں آؤ گی۔" ہاشم خان کی گونجیلی آواز نے عفرا کو بھی ساکت کر دیا اس نے خوفزدہ ہوتی نظروں سے پلٹ کر دیکھا اور جیسے اسے اپنے سینے میں سانس رکتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ وہ تینوں بھائی اس کے پیچھے کھڑے علینہ کو خون آشام نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

علینہ کسی خوف کے زیر اثر دو قدم پیچھے ہٹی پھر گود میں تقریباً سوئے ہوئے بچے پر ایک نظر ڈال کر اسے اور بھی بھینچ لیا۔ جیسے خوف کی اس دبیز تاریکی میں بچاؤ کی یہی موہوم سی روشنی ہو۔ ڈوبتے کے لئے یہی تنکے کا سہارا ہو۔

اسے لگا جیسے اس کی ساری ہمت' سارے حوصلے ریت کی دیوار کی طرح بیٹھتے جا رہے ہوں۔

جس حوصلے سے وہ یہاں تک پہنچی تھی وہ ریزہ ریزہ ہو رہا ہو۔ پہلی بار اسے ان محبت کرنے والی آنکھوں سے خون ٹپکتا دکھائی دے رہا تھا۔

وہ جذبات کی رو میں یہاں تک آ تو گئی تھی مگر اب اسے اپنا انجام کسی خوفناک منہ کھولی ہوئی اندھیری کھائی کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔

"میں' میں معافی مانگنے آئی ہوں۔" مارے خوف کے اس کی آواز لرزنے لگی۔ "یہ' یہ میرا بیٹا ہے۔" اس نے ہاشم خان کے قدم بڑھانے پر جھٹکے سے اپنے بیٹے کو سامنے کر دیا۔ نیند میں ڈوبا ہوا بچہ جھٹکا لگنے پر بیدار ہو گیا۔

"آپ کو اس کا واسطہ' میری.... میری بات پہلے سن لیں' پھر..... پھر مجھے آپ کی ہر سزا منظور ہے۔" وہ یکدم رو پڑی۔ ہاشم خان کی نگاہیں خوابیدہ بچے کے چہرے پر جم گئیں۔

سنہری سنہری آنکھوں میں نیند کے خمار کے ساتھ ہلکورے لیتا خوف' تخلیق کار کی بہترین اور انتہائی معصوم تخلیق کا شاہکار تھا۔ وہ چاہنے کے باوجود فوراً اس کے چہرے سے نگاہیں نہ ہٹا سکا۔ آہستہ آہستہ چہرے کا تناؤ ڈھیلا پڑنے لگا اور وہ یکدم مضطرب دکھائی دینے لگے۔

"یہ تمہارا بچہ ہے۔" اس نے ایک جھٹکے سے بچے کے معصوم چہرے سے نگاہیں ہٹا کر علینہ پر جما دیں۔ وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

"اسے اس کے باپ کے پاس کیوں نہیں چھوڑ آئیں۔ کیوں لے آئی ہو اسے یہاں؟" وہ یکدم غصے سے دھاڑا۔

علینہ سہم کر بچے کو گود سے اتارنے لگی تھی کہ عفرا نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے کسی متاع کی طرح اسے تھام لیا۔

"اس کے لئے میری گود ہی واحد پناہ گاہ ہے' اسے آپ یتیم ہی سمجھ لیجئے۔" وہ بچے پر ایک نظر ڈال کر رو پڑی۔

''بچہ نا مانوس گود میں قدرے مضطرب دکھائی دے رہا تھا۔ تاہم عفرا کے تھپکنے پر اس نے رونے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

علینہ کی بات پر سب کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزرا تھا۔ عفرا اور عائشہ نے بے ساختہ ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر علینہ کو دیکھنے لگیں۔

''ہمیں اس سے غرض نہیں ہے کہ وہ رذیل' بے غیرت' بے حمیت شخص زندہ ہے یا مر گیا ہے۔ مگر تم' اگر کسی خوش فہمی میں یہاں تک آئی ہو کہ تمہیں پناہ ملے گی' تمہارے کئے کی معافی مل جائے گی تو یہ تمہاری سب سے بڑی بھول ہے۔'' ہاشم خان کا لہجہ بے مہر' بے لچک تھا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

''تم نے اپنے ہاتھوں سے اس محبت کا گلا گھونٹا ہے۔ ان رشتوں کو' محبتوں کو پامال کیا ہے۔ اب تمہارے لئے سوائے غصہ' نفرت اور بے زاری کے ہمارے پاس کوئی جذبہ نہیں ہے' تم قابل سزا ہو علینہ' تم نے جس طرح ہماری عزت کو روندا ہے' خاندانی وقار کی دھجیاں بکھیری ہیں اس کے بعد بھی یہ توقع کر کے چلی آئی ہو کہ تمہیں ہم سر پر بٹھائیں گے تمہیں سینے سے لگائیں گے' تم ... تم ایک ...'' شدید غصے کے عالم میں ہاشم خان آگے بڑھا اور دوسرے پل ایک زناٹے دار تھپڑ علینہ کے منہ پر دے مارا۔ یہ طمانچہ اس قدر غیر متوقع اور زوردار تھا کہ وہ اپنا توازن نہ رکھ سکی اور الٹ کر پیچھے صوفے پر گری۔

عفرا اور عائشہ کے دل سینے کی چہار دیواری میں لرز کر رہ گئے۔

ہاشم خان کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ عفرا نے اس کی طرف پیش قدمی کرنی چاہی تھی کہ ولید نے پیچھے سے ان کا بازو پکڑ کر انہیں پیچھے کھینچ لیا۔

''آپ لوگ اندر جائیے۔'' اس کا لہجہ ایسا سرد' سرد تھا جیسے اس نے ڈھیر ساری برف چبالی ہو۔

''نہیں .... نہیں ولید رحم کرو اس پر۔'' وہ بے اختیار سسک پڑیں۔

ولید لب بھینچ کر ان کی طرف رخ موڑ کر علینہ کی طرف بڑھا جو صوفے پر گری خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی' پھر سسکتے ہوئے بولی۔

''میں اپنے پیچھے جو آگ دہکا کر گئی تھی اس کی تباہی کا مجھے بہت بعد میں خیال آیا مگر تب تک میں خود بھی جل چکی تھی۔ میں وہ بدنصیب لڑکی ہوں جو دعاؤں کی بجائے بددعاؤں کی دھوپ میں رخصت ہوئی تھی۔ مجھ جیسی لڑکی کا انجام یقیناً عبرت ناک ہونا چاہئے۔''

اس نے سر اٹھا کر ولید کو دیکھا۔

''میں ہر سزا کے لئے تیار ہوں' میں کسی خوش فہمی کو لے کر نہیں آئی اس چوکھٹ پر' نہ اپنی بدنصیبی کا ماتم کرنے آئی ہوں' نہ اپنی شکست پر آنسو بہانے کے لئے کسی ہمدرد' غمگسار کندھے کی طلب میں آئی ہوں کہ جانتی ہوں یہ میرا مقدر نہیں ہے' اپنے مقدر کی روشنیوں کو میں خود اندھیری قبر میں اتار چکی ہوں۔ میں تو صرف شیزا کے لئے آئی ہوں۔ مجھے پتا چلا ہے وہ یہاں پر ہے۔ اسے یہاں لایا گیا ہے اور اگر اسے۔'' وہ جھٹکے سے صوفے سے اٹھی اور ساری ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے بولی۔

''اسے یہاں کیوں لایا گیا ہے ولی بھائی؟ اس کے ساتھ یہ دھوکا کیوں کیا گیا ہے۔ جبکہ وہ بے قصور ہے' میرے اس فعل کی وہ قطعاً ذمے دار نہیں ہے بلکہ اس نے مجھے ہر قدم پر روکا' اس کے علم میں یہ بات تھی بھی نہیں بلکہ اس نے مجھے اور عبید انصاری کو اپنے گھر پناہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس رات۔ بلکہ مجھے واپس گھر لوٹ جانے کا مشورہ دیا تھا۔ میں سچ کہہ رہی ہوں وہ شبنم کی طرح پاک وصاف ہے۔'' وہ ولید کا بازو پکڑ کر چیخنے لگی۔ ولید پر جیسے موت کا سناٹا چھا گیا۔ اس کی نظریں بے ارادہ ہاشم خان کی طرف اٹھیں پھر جھک گئیں۔

''تمہیں کس نے بتایا کہ شیزا یہاں پر ہے؟'' ہاشم خان اس اعصابی جھٹکے سے فوری طور پر سنبھل کر بولے۔ اس کے لہجے میں شک ہلکورے لے رہا تھا۔ اس کی چبھتی ہوئی نگاہیں علینہ کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''میں کراچی سے ہی آئی ہوں۔'' وہ ایک سانس بھر کر ہلکے سے بولی۔ ولید کو یکدم اپنی کنپٹیاں یوں سلگتی محسوس ہونے لگیں جیسے دو انگارے دائیں بائیں رکھ دیئے گئے ہوں۔

''شیزا کی والدہ سے ملاقات ہوئی تھی میری' انہوں نے مجھے شیزا کی شادی کا بتایا' وہ بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔ ان کے خیال میں ان کی بیٹی کو بہت اچھا داماد ملا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے علینہ نے نظریں اٹھا کر ولید کو دیکھا جو پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔ پھر نظریں جھکا کر بولی۔ ''انہوں نے مجھے دکھ کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ میری وجہ سے انہیں کتنی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا' بے قصور ستم سہنے پڑے۔ گھر بدری کی ٹھوکریں کھانی پڑیں۔ صرف اس لئے کہ وہ میری کالج فرینڈ تھی۔''

اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا گئے۔ اس نے شدت کرب سے لب دانتوں میں دبا لئے۔ ''کتنے لوگوں کی مقروض ہو گئی ہوں میں۔'' اس کی روح غم کے بوجھ سے تڑپنے لگی۔ ''انہوں نے مجھے شیزا کی شادی کی تصویریں دکھائیں تب مجھے پتا چلا کہ شیزا کی شادی میرے بھائی

سے ہوئی ہے مگر شیزا کی امی بے خبر ہیں۔ اس سانحے سے‘ اس دھوکے سے جو انہیں انجانے میں دیا گیا ہے۔“

”ہاں تو تم بتا دیتی انہیں۔ کس نے روکا تھا تمہیں۔“ ہاشم خان مٹھیاں بھینچے کڑک کر بولا۔ شاید علینہ کی باتوں سے پڑنے والی ضربوں نے اس کے اعصاب کو منتشر کیا تھا۔

”کیسے بتا دیتی انہیں‘ مجھ میں حوصلہ ہی نہیں تھا کہ سچ کی تلوار سے اس کی روح کو کاٹتی‘ ان کی خوشیوں کو نوچ لیتی۔ وہ اس خوشی کے سہارے تو اپنے پیروں پر کھڑی ہیں اور جی رہی ہیں‘ کیسے میں انہیں بے موت مار دیتی۔“ اس نے حد درجہ دکھ سے ہاشم خان کی طرف دیکھا پھر یکدم رو پڑی اور ان کا بازو تھام لیا۔

”خدا کے لئے ہاشم بھائی‘ مجھے جو جی چاہے سزا دے لیں اس لئے کہ میں قصور وار ہوں مگر شیزا کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے مجھے اتنا گناہ گار مت کریں‘ شیزا بے قصور .....“ وہ یکدم ٹھٹھر سی گئی۔ اس کی ڈبڈباتی نظریں سامنے اٹھیں اور جھپکنا بھول گئیں۔ سامنے شیزا ایستادہ تھی۔

وہ بھی علینہ کو دیکھ کر دروازے پر ہی ساکت و صامت کھڑی رہ گئی تھی۔

زندگی سے بھرپور علینہ خزاں کی زد میں آئے پھول کی طرح بے رونق‘ بے خوشبو اور بیرنگ دکھائی دے رہی تھی۔ اس سے نظریں ملتے پر وہ اپنی حیرت سمیٹ کر یکدم مضطرب سی دکھائی دینے لگی۔ پھر یہ اضطراب ایک مانوس سی آگ میں ڈھلنے لگی اور جیسے رگ رگ میں جلن ہونے لگی۔

اس کی آنکھوں کی تہوں میں اس کے لئے نفرت امڈنے لگی‘ اور یہ نفرت شدید ہو گئی‘ اس سے پہلے کہ اس میں ابال آتا وہ یکدم منہ پھیر کر واپس کمرے میں چلی گئی اور دھاڑ سے دروازہ بند کر دیا۔

”علینہ۔“ اس نے کرب سے یہ نام دہرایا اور لب بھینچ لئے۔

رواں رواں مانوس سی آگ میں جلتا ہوا لگنے لگا۔

یہ شعلہ اس کا تو بھڑکایا ہوا تھا جو آج الاؤ بن کر اس کے اطراف دہک رہا تھا۔ جس میں اس کے سارے کونپل کونپل خواب جھلس کر رہ گئے تھے۔

اس کی پوری ہستی جل کر رہ گئی تھی۔

وہ کھڑکی میں کھڑی ہو کر گہری گہری سانسیں بھرنے لگی۔ اندر کے حبس سے اس کا دم گھٹنے لگا تھا پھر آنکھیں موند کر تکلیف دہ احساس سے چھٹکارا پانے کی شعوری کوشش کرنے لگی مگر علینہ کی بلند و بانگ سسکیاں اس کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح گر رہی تھیں۔ وہ رو رو کر

چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔ ”شیزا بے قصور ہے۔ اس کا کوئی قصور نہیں ہے خدارا اسے معاف کر دیجئے۔“

ایک مجروح مسکراہٹ اس کے لبوں پر لہرا کر منجمد ہو گئی آنکھوں کے بند گوشوں سے آنسو لڑھکنے لگے۔ وہ اس کا نجات دہندہ بن کر آئی تھی۔

اس کی رہائی کی نوید بن کر آئی تھی۔

اس کے سچ پر مہر ثبت کرنے آئی تھی۔

سچ کتنا دکھی اور زخمی ہے آج کے زمانے میں سچ کو ثابت کرنے کے لئے کتنے ہی ہزاروں سہاروں کی ضرورت رہتی ہے۔ کتنے دکھ کی بات ہے لوگ اچھی نظر رکھنے کے باوجود سچائی کو پہچان نہیں سکتے‘ اسے ماتھے پر لکھا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔

اسے آنکھوں میں نہیں سائن بورڈ کی طرح چہرے پر چمکتا ہوا لکھا دیکھ کر پڑھنا چاہتے ہیں۔

آنکھیں رکھنے کے باوجود بینائی سے محروم ہیں لوگ‘ تو وہ اندھوں کے اس شہر میں اپنا سچ کس طرح ثابت کر سکتی تھی۔ سو ثابت نہیں کر سکی اور آج علینہ اس کے اپاہج سچ کی بے ساکھی بن کر آئی تھی۔

اس کا دل چاہا وہ خوب اونچے اونچے قہقہے لگائے۔

اچانک اسے عفرا کی چیخ سنائی دی۔ اس کا دل زور سے کانپا۔

یہ چیخ بے اندازہ دل دوز تھی۔ اس کی ہنسی تھم گئی اور آنکھوں سے لڑھکتے آنسو بھی ٹھٹھر گئے۔ اس نے خوفزدہ نظروں سے دروازے کو دیکھا۔ بے ارادہ اس کے قدم دروازے کی طرف اٹھنے لگے۔ دوسرے پل اس نے لرزیدہ ہاتھوں سے دروازہ کھول دیا۔

باہر کا منظر دیکھ کر اسے اپنے پیروں سے زمین سرکتی محسوس ہوئی۔

ہاشم خان کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ جس کا رخ علینہ کی طرف تھا۔ اور علینہ موت کو اتنے نزدیک دیکھ کر موت سے پہلے شاید مر رہی تھی۔ اس کا چہرہ خطرناک حد تک سپید تھا جیسے سارا خون رگوں سے نچوڑ لیا گیا ہو۔

عائشہ ایک طرف کانپتی سلمان کے سامنے ہاتھ جوڑے‘ واسطہ دے رہی تھی۔ اس کی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی۔ جبکہ عفرا ہاشم خان کا وہ بازو پکڑے اپنی تمام تر طاقت کو بروئے کار لاتے ہوئے ہر ممکن کوشش کرتے ہوئے اسے قتل عمد سے روک رہی تھی اور ولید ایک طرح مجسے کی

طرح بے حس وحرکت کھڑا تھا۔

ایسا روح فرسا منظر تھا کہ شیزا کو اپنی روح میں سناٹا اترتا محسوس ہوا۔

ویران‘ بنجر‘ ہولناک سناٹا

اچانک اس کے اندر کا سناٹا کانچ کی طرح ٹوٹا۔ وہ علینہ کی جانب بھاگ آئی۔

”علینہ کا جرم قابل مذمت ضرور ہے مگر اس کی سزا موت ہرگز نہیں ہو سکتی۔“ وہ چلائی اور علینہ کے آگے آ کر کھڑی ہو گئی۔

”تم... تم خدا نہیں ہو ہاشم خان کی اس کی زندگی لینے کا حق رکھتے ہو۔ تم بشر ہو‘ قتل کے بدلے تمہارا قتل پھر واجب ہو جائے گا۔“ وہ زہریلے لہجے میں اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

”شٹ اپ‘ ہٹ جاؤ شیزا میں کہہ رہا ہوں سامنے سے ہٹ جاؤ۔“ ہاشم خان کے تیوروں میں خطرناک حد تک اشتعال آیا ہوا تھا۔ وہ عفرا کو ایک طرف دھکیل چکا تھا۔ ولید نے پتھرائی ہوئی نظروں سے شیزا کو دیکھا۔

”کتنے کم ظرف ہو تم لوگ۔ اپنے بڑے بڑے گناہوں پر تو اللہ سے معافی کی امید رکھتے ہو‘ اس کے سامنے گناہوں کے گٹھڑے اٹھا کر پہنچ جاؤ گے معافی کی خواہش میں خدا کے پاس مگر ایک کمزور عورت جب اپنے گناہوں سے نادم ہو کر معافی کی طلب میں چلی آئی تو اسے معاف کرنے کی بجائے اس کی جان لے کر اس معاشرے سے معافی‘ رحم‘ وسعت قلبی جیسی صفات کو بھی جڑ سے اکھاڑ دینا چاہتے ہو۔ غلطی پر نادم ہونے اور گناہ کے اعتراف کی اتنی بڑی سزا۔ جبکہ ندامت خود ایک سزا ہے۔“ اس نے دکھ‘ ملال اور رنج سے ہاشم خان کو دیکھا پھر ولید کی طرف ایک نفرت انگیز نظر ڈال کر بولی۔

”قتل کرنا ہے تو پہلے اس شخص کو کیجئے ہاشم خان جس نے ایک عورت کی عزت‘ وقار جذبوں اور اس کے دل کو روندا ہے‘ غیرت کا قتل یہاں سے شروع کرو‘ جس نے غیرت کے نام پر بے غیرتی کی انتہا کر دی‘ عزت کے نام پر عزت کا جنازہ نکال دیا ہے‘ یہ روح کا قاتل ہے۔ پہلے اسے سزا ملے گی۔“ اس کی آنکھوں میں گویا دہکتی آگ امڈ آئی جس کے شعلوں نے ولید کو دم بخود کر دیا۔

اسے لگا جیسے ان شعلوں کی لپیٹ میں گھر کر اس کا رواں رواں جلنے لگا ہو اور روح میں اچانک ہی بہت سا دھواں بھر گیا ہو۔

وہ شل اعصاب کے ساتھ شیزا کو تکتا رہ گیا۔

مداخلت کے لئے الفاظ اندر ہی گھٹ کر رہ گئے۔ لب کھلے مگر الفاظ گرفت میں نہ آ سکے۔

ہاشم خان کے ہاتھ میں دبا ریوالور بھی ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ اس نے شیزا کی سلگتی نظروں سے نظریں چرا لیں۔

”تم اس معاملے میں مت آؤ شیزا۔“ وہ بولا تو اس کی آواز میں وہ ترخ دم توڑ چکی تھی۔ تاہم وہ پوری کوشش کر رہا تھا کہ لہجہ تند اور بے لچک ظاہر ہو۔

”کیا... کیا میں اس معاملے میں نہیں آؤں میں۔“ اسے ہاشم خان کے جملے نے جھلسا کر رکھ دیا۔ کچھ ایسی نظروں سے اس نے ہاشم خان کو دیکھا کہ وہ جز بز ہو کر رہ گیا۔

”کیا میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں؟ کیا میری یہاں اس قید خانے میں موجودگی اس تعلق کا سبب نہیں۔“ وہ استہزائیہ لہجے میں بولی۔ ”میں نہ آؤں اس معاملے میں۔“ اس نے ملامت آمیز نظروں سے ولید کو دیکھا۔ اور ولید کو لگا جیسے اس کی روح پر چھید پڑ گئے ہوں۔ اس نے نظروں کا رخ پھیر کر لب دانتوں میں اس سختی سے دبائے کہ یوں لگا جیسے ابھی ان سے خون چھلک آئے گا۔

”ہمارا مطلب ہے علینہ کے ساتھ ہمارا جو سلوک ہو اس سے تمہیں سروکار نہیں ہونا چاہئے۔ تمہارا فیصلہ ہم بعد میں کریں گے۔ پہلے اس سے نمٹ جائیں۔“ سلمان نے آگے آ کر دفاع کیا۔

”علینہ کا معاملہ میرے ساتھ نمٹے گا۔ اسے جو سزا ہو گی وہی ولید خان کو بھی ہو گی اور مجھے بھی ہو گی‘ اس لئے کہ ہم تینوں ہی خطاوار ہیں۔“ اس کا لہجہ قطعی اور بے لچک تھا۔ عفرا اور عائشہ ورطہ حیرت میں غرق تھیں۔ اس کمزور سی لڑکی میں جانے اتنی ہمت کہاں سے آ گئی تھی‘ کہ وہ ان مردوں کے سامنے ڈٹ گئی تھی۔

”ہم تم سے شرمندہ ہیں‘ تمہارے ساتھ جو ہوا‘ لاعلمی میں ہوا۔ شک کی وجہ سے ہوا‘ علینہ نے ہمیں۔“

”ہاں علینہ نے آپ کو بینائی دے دی ہے‘ سچ اور جھوٹ میں فرق کرنے والی آنکھ نواز دی ہے۔“ وہ سلمان کی بات کاٹ کر بولی۔

”شٹ اپ‘ اپنی حد میں رہو شیزا۔“ ولید چیخ کر رہ گیا۔ اسکا چہرہ فرط ضبط سے لال انگارہ ہو رہا تھا۔ اس قدر بے بس لاچار آج سے پہلے اس نے کبھی خود کو محسوس نہیں کیا تھا۔

”میری حد کا تعین کرنے والے تم کون ہوتے ہو؟ ہمارے مابین ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے‘ جس کا لحاظ بھی مجھ پر واجب ہو۔ یوں بھی دشمنی اور نفرت کے جذبے سیلاب کی طرح ہوتے

ہیں ولید خان' ان کے آگے بند باندھنا سراسر حماقت ہے۔" وہ پھنکاری۔ پھر یکلخت علینہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹتی ہوئی کمرے میں لے گئی۔ کوئی اس کی راہ میں نہ آیا۔

عجیب بے بسی کی گرفت میں وہ سب تھے۔ وہ یکلخت اتنی آہنی دیوار بن گئی تھی کہ اسے روکنے کی جسارت کسی میں نہ ہو سکی۔

☆☆☆☆

ڈال دو اپنی محبت کے چند سکے اس میں
پھیلا ہوا میرے ہاتھوں کا کشکول بہت ہے
شاید تجھے ہو جائے میری در بدری کا احساس
کہ میرے پاؤں پہ جمی دھول بہت ہے

"میں تو تمہاری مجرم ہوں شیزا۔ تم مجھے کیوں بچانا چاہتی ہو؟" بہت سارو نے کے بعد اس نے شیزا کی گود سے اپنا اشک آلود چہرہ اٹھایا۔

شیزا قالین پر ساکت بیٹھی تھی۔ جیسے علینہ کا رونا نہ ہونا دیکھ رہی ہو' اس کی نظریں دیوار پر مرکوز تھیں مگر بالکل خالی اور ویران تھیں۔

پھر ایک ہلکی سی سانس بھر کر اس نے نظروں کا رخ موڑا۔

"اب تو آنکھوں کے سوتے بھی خشک ہو گئے ہیں' پانی بچا ہی نہیں یا غم کی کڑی جھلتی دھوپ نے سارا سکھا دیا ہے ورنہ اس اشکباری میں' میں تمہارا ساتھ ضرور دیتی۔" وہ مجروح انداز میں ہنس پڑی۔

وہ جس ذہنی آزار سے گزر رہی تھی اور گزر چکی تھی اس کا اندازہ اس کے چہرے سے ہوتا تھا۔

اس کی اجاڑ زندگی کا عکس اس کی آنکھوں میں تھا۔

اس کی ہنستی مسکراتی' ذہین آنکھیں درد کی تصویر بن کر رہ گئی تھیں۔ علینہ کے دل پر چوٹ پڑی۔

"مجھے معاف کر دو شیزا۔"

اس نے افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ علینہ کو دیکھا پھر اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو تھام کر کھول دیا۔

"ہم انسانوں سے اتنی معافیاں مانگتے ہیں اگر اس طرح گڑگڑا کر اللہ کے سامنے

معافی مانگتے تو اتنے رسوا نہ ہوتے زمین پر انسان۔" وہ پھیکی ہنسی ہنس کر کھڑی ہو گئی اور کھڑکی کا سلائڈ کھول کر باہر اندھیرے کو بے سبب گھورنے لگی۔

اتنے بڑے بنگلے میں موت کا سا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ایک اداسی' دل و جاں کے ساتھ بنگلے کی ایک ایک دیوار پر محیط تھی۔

"انسانوں کے ساتھ کی گئی ناانصافیاں اور ظلم انسان جب تک معاف نہیں کرے گا اللہ کیسے معاف کرے گا' بندوں کے گناہ بندوں سے بخشوانے بھی تو ضروری ہیں۔" علینہ آنسو پونچھتی دل گرفتگی سے بولی۔

شیزا لب دانتوں میں دبائے اس پر ایک نگاہ ڈال کر رہ گئی۔ پھر بولی۔

"امی سے ملاقات ہوئی تھی تمہاری؟"

"ہاں... انہیں سے تو پتا چلا کہ تمہاری شادی ہو گئی ہے۔ تمہاری شادی کی تصویریں دکھائی تھیں۔ انہوں نے مجھے۔" یہ بتاتے ہوئے اس نے چہرہ جھکا لیا۔ اور قالین پر انگلیاں پھیرنے لگی۔

شیزا نے ایک کرب سے اس کے جھکے سر کو دیکھا پھر آہستہ آواز میں بولی۔

"انہیں شک تو نہیں ہوا کہ ولید کون ہے؟"

"نہیں... اور نہ مجھ میں ہمت تھی کہ ان کے چہرے پر سجی خوشی اور طمانیت کو نوچ لوں۔ بس اپنے دل پر بوجھ لئے چلی آئی یہاں۔" اس نے سر اٹھا کر شیزا کو دیکھا۔ پھر ایک افسردہ سانس بھر کر صوفے کے پائے سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

"کوئی نہیں جان سکتا کہ آنے والے لمحات ہماری جھولی میں کیا کچھ ڈال جائیں گے۔ وقت کے پردے میں ہمارے لئے کیا چھپا ہے' خوشیاں' غم' مسکراہٹیں' آنسو۔"

اس کا لہجہ آنسوؤں میں ڈوبا ہوا تھا۔

"وقت ہمارے عمل کا رد عمل ہی ہماری جھولی میں ڈالتا ہے۔ چاہے وہ عمل ہمارے اپنے ہوں' ہمارے پیاروں کے یا رشتہ داروں کے ہوں۔"

اس نے پلکیں جھپک کر بڑی اداس نظروں سے شیزا کو دیکھا اور چہرہ جھکا لیا۔

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو' ہم اپنی لغزشوں کو تقدیر کا نام دے کر اپنا دامن بچانا چاہتے ہیں۔ ہمارے بد اعمال جب ہمارے سامنے آتے ہیں تو ہم انہیں پہچان نہیں پاتے۔ ان کی بدہیتی ہمیں خوفزدہ کر دیتی ہے۔ ہم اپنا جرم تقدیر پر تھوپ دیتے ہیں اسے قصوروار گردانتے ہیں۔"

شیزا خاموش رہی۔ بس اس کا اداس ملول چہرہ دیکھتی رہی جو از خود اپنی داستان کہہ رہا تھا۔

زرد زرد چہرہ یوں لگ رہا تھا رگوں سے خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ سنہری آنکھوں کی ساری چمک، رونق جانے کب کی گزری یاد ہو کر رہ گئی تھی۔

شیزا بے اختیار اس کے قریب آ کر بیٹھی اور اس پر جھکی۔

"علینہ! عبید انصاری کہاں ہے؟ اس نے تم سے شادی تو.....؟"

اس کی آواز اپنے ہی اندیشوں اور خوف سے کانپ کر ٹھٹھر گئی۔

علینہ نے اس کی طرف دیکھا اور ہلکے سے ہنس پڑی۔ مگر اس کی ہنسی بڑی بے رنگ تھی، جیسے خالی برتن میں بہت سے پتھر لڑھکا دیئے گئے ہوں۔ مگر دوسرے پل اس کی آنکھوں میں دھند کا غبار پھیلنے لگا۔ اس نے نظریں سامنے دیوار پر جما دیں۔

"شادی خوابوں کی تکمیل کا نام تو نہیں ہے، شادی صرف شادی ہے دو جسموں کا ملاپ، شوریدہ جذبوں کی تسکین کا نام۔" اس نے گھٹنے اٹھا کر اس کے گرد اپنے بازو حمائل کر دیئے پھر اس پر اپنا چہرہ ٹکا لیا۔

شیزا سن سی بیٹھی رہ گئی۔

"ایسی ہی شادی میری بھی ہو گئی مگر... شادی دو روحوں کے ملنے کا نام نہیں ہے، ذہنوں کی ہم آہنگی کو نہیں کہتے، خوابوں کی تکمیل اور آرزو اور تمناؤں کی تعبیر کا نام نہیں ہے۔ تن کی طلب پوری ہوتی ہے من کی ہو ضروری نہیں، وجود کی تکمیل کا نام تو شاید ہے مگر روح کا گمشدہ حصہ ساتھی کی صورت مل کر نئی شخصیت تشکیل پائے یہ ضروری نہیں۔"

"کھل کر بات کرو علینہ۔" شیزا اس کی دل شکستگی اور اتنے بکھراؤ پر خود بھی بکھرنے لگی۔ اس نے سر اٹھا کر شیزا کا چہرہ دیکھا اور کرب سے سسک پڑی۔

"شیزا! میں نے ایسی شادی کے خواب تو نہیں دیکھے تھے، مسکراہٹ کے بدلے آنسوؤں کا خزانہ ملے، چاہت کے بدلے رنج کے پتھر جھولی میں پڑیں۔"

"بس علینہ، انسانوں کی محبت پانی کا بلبلہ ہی ہوتی ہے۔ ایک حباب جو ذرا بوجھ پڑنے پر ٹوٹ جاتا ہے۔ ایک پرندہ منڈیر پر بیٹھا دل آویز گیت سنا رہا ہے قریب ہوں تو اڑ جانے والا انسان کی محبت سانس کی طرح ہے ابھی چل رہی ہے ابھی ٹوٹ گئی۔"

وہ دنیا کی بے ثباتی پر ہنس رہی تھی، پھر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اس کی نظریں علینہ پر نہیں سامنے دیوار پر غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں۔

"اس لئے تو کہنے والے نے کہا ہے کہ "انسان اپنے احساسات کو کسی نہ کسی کے نام کرنا چاہتا ہے تو کیا ہی اچھا ہو کہ آپ اپنے ہر احساس کو اللہ کے نام کر دیں" آپ کو درجہ بندی بھی نہیں کرنا پڑے گی۔" اس نے رخ موڑ کر علینہ کی طرف دیکھا جو اب بھی گھٹنے پر تھوڑی ٹکائے سسکیاں بھر رہی تھی۔

"آہ، ہم انسان مشروط محبت کرنے کے عادی ہیں۔ جواب میں زیادہ نہیں تو اتنی ہی طلب ضرور کرتے ہیں جو دوسرے انسان سے ملنا بالعموم ناممکن ہوتا ہے۔ مگر اپنے رب سے کی جانے والی محبت مشروط بھی ہو تو طلب سے بڑھ کر ملتی ہے، آرزو سے زیادہ سوچ سے بڑھ کر ملتی ہے۔"

علینہ کرب سے لب کاٹنے لگی، چہرے پر لاحاصلی اور نارسائی کی پھیلی دھوپ میں اضافہ ہو گیا۔

"شیزا! میری سمجھ میں تمہاری باتیں کبھی نہیں آئیں اور جب آنے لگیں تب بہت دیر ہو چکی تھی۔ میں ایسے بھنور میں گھر چکی تھی جہاں ساحل کی امید رکھنا سراسر نادانی تھی۔" اس کی آواز میں بے پناہ کرب تھا۔ پچھتاوے چیخ رہے تھے۔ وہ لحظہ بھر چپ ہوئی، شیزا اس کی طرف دیکھنے لگی، اس کے بولنے کا انتظار کیا۔ وہ ایک توقف کے بعد خود کو مزید بولنے کے لئے تیار کرنے لگی۔ اس کے حلق میں آنسوؤں کا پھندہ تھا اور دل میں حشر برپا تھا۔

شاید وہ ماضی میں جھانک رہی تھی۔

☆☆☆☆

"تمہارے گھر سے جانے کے بعد، تمہارے پناہ نہ دینے پر میں اور عبید انصاری بہت پریشان تھے۔ عبید تو میرے اس جذباتی قدم سے خاصا نالاں تھا مگر وہ مجھے واپس لوٹ جانے کا نہیں کہہ سکتا تھا اس لئے کہ میں واپسی کے سارے راستے بند کر آئی تھی۔ اپنی ساری کشتیاں جلا آئی تھی۔ ہماری پریشانی دیکھ کر عبید کے دوست فیصل نے اپنی کسی عزیزہ کے فلیٹ کی چابی ہمیں دے دی مگر یہ کہہ کر کہ اس فلیٹ کے مکین نیروبی گئے ہیں اور ہفتہ بھر بعد ان کی واپسی ہونی ہے۔ ایک ہفتے کا آسرا بھی ہمارے لئے بہت تھا۔ خاص کر اتنی اندھیری رات میں تو یہ سہارا بڑا غنیمت تھا۔ مجھے پہلی بار پتا چلا کہ عبید کا اس شہر میں اپنا ذاتی کوئی گھر نہیں ہے، وہ چند دوست مل کر ایک کمرے میں رہتے تھے۔ شاید وہ سبھی اس کے گاؤں والے ساتھی تھے۔ جو تعلیم کے سلسلے میں آئے تھے۔ کچھ روزگار کے لئے آئے تھے۔

خیر ہمارا نکاح بھی ہو گیا۔ اس کا انتظام بھی عبید کے دوستوں نے ہی کیا تھا۔" بولتے بولتے اس کی آواز بے حد دھیمی ہو گئی۔

اجنبی کتنا اکیلا ہے محبت کا سفر
تو میرے ساتھ نہ ہوتا تو میں ڈرتا رہتا

محبت کو پا لینے کی خوشی،
خوابوں کی تعبیر کے روپ میں دیکھنے کی سرشاری علینہ خان کی سنہری آنکھوں میں ستاروں کی مانند پھوٹ رہی تھی اس کا انگ انگ روپہلا ہوا جا رہا تھا۔ عبید انصاری کی محبت امرت بن کر اسکی رگوں میں اتر رہی تھی اور وہ خود کو خوش نصیب ترین سمجھ کر مغرور ہوئی جا رہی تھی۔
وہ اس سے یکسر بے نیاز، بے خوف تھی کہ وہ اپنے پیچھے کتنے ماتم بچھا آئی ہے کتنے سروں کو جھکا آئی ہے۔ کس کس کی عزت روند آئی ہے، کون سلگ رہا ہے کون تڑپ رہا ہے، اس کی آنکھوں کے آگے تو محبت کا دریا بہہ رہا تھا۔ تشنگی دم توڑ رہی تھی۔
اس کی آرزوؤں کی تکمیل اس کے سامنے تھی۔ جو چاہا پا لیا اور پا لینے کی خوشی اس کے ہر انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

محبت ایک وعدہ ہے
جو سچائی کی ان دیکھی کسی ساعت میں ہوتا ہے
کسی راحت میں ہوتا ہے
مجھے محسوس ہوتا ہے
محبت کم نہیں ہوگی
محبت ایک موسم ہے
کہ جس میں خواب اگتے ہیں
تو خوابوں کی ہری شاخیں
گلابوں کو بلاتی ہیں
انہیں خوشبو بناتی ہیں
یہ خوشبو جب ہماری کھڑکیوں پر
دستکیں دے کر گزرتی ہے
مجھے محسوس ہوتا ہے
محبت کم نہیں ہوگی

عبید انصاری لفظوں کے موتی پرو رہا تھا، مٹھاس کا دریا بہہ رہا تھا۔
یہی دریا، جس کی تند و تیز موجوں اور روانی میں بہتی وہ یہاں تک چلی آئی تھی۔
دریا بہتا رہے تو آسودگی ہے۔
رواں رہے تو سرسبزی اور شادابی ہے۔
مگر جونہی سوکھنے لگتا ہے اطراف کی بدصورتی اجاگر ہونے لگتی ہے۔ سوکھ جائے تو بنجر، بے آب و گیاہ صحرا میں تبدیل ہو جاتا ہے۔
یہی حال علینہ کا ہوا، بہت جلد وہ پیار کے دریا کا اتار دیکھ رہی تھی۔
وہ فلیٹ خالی کرنا پڑا اور اسکی جگہ جہاں اسے لایا تھا وہ بے حد تنگ اور زندگی کی ضروریات سے خالی گھر تھا۔
"یہ گھر کچھ... میرا مطلب ہے زیادہ چھوٹا اور تنگ نہیں ہے۔" اسے جھرجھری آ گئی۔ اس سے بڑے تو اس نے اپنے ملازموں کے کوارٹرز دیکھے تھے۔ کندھے سے بیگ اتارتے ہوئے بالکل بے ارادہ اس کے منہ سے نکلا تھا۔ عبید انصاری نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔
گھر کی خستہ حالی بدحالی تو اس کے دماغ پر بھی کھولن بھر گئی تھی مگر اس کی مجبوری تھی کہ اپنی مالی پوزیشن کے حساب سے وہ اس طرح کے گھر کا کرایہ ادا کر سکتا تھا۔
"یہ تو ہونا تھا مائی ڈیئر وائف۔ تمہاری جلد بازی یہی دکھا سکتی تھی ہمیں۔" وہ جیب سے رومال نکال کر ایک اسٹول کی گرد جھاڑنے لگا۔
اس نے تعجب سے اسے دیکھا۔
"میری جلد بازی کیا مطلب یہ میری جلد بازی تھی؟"
"آف کورس۔ تمہیں میں نے تو گھر سے بے سوچے سمجھے بھاگنے کا مشورہ دیا تھا۔" قدرے چبا کر بولا۔ وہ حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔
"سب کچھ تمہاری جلد بازی، بے صبرا پن اور حماقت کا نتیجہ ہے تمہارے بھائی تمہاری بو سونگھتے ہوئے گھوم رہے ہیں، مجھے کالج کو خیرباد کہنا پڑا ہے، یہ تو شکر ہے میرا آخری سال تھا، بس ایگزام ہی دینے رہ گئے ہیں ورنہ میرا کیریئر بھی تباہ ہو جاتا۔ کیا کیا خواب نہ دیکھے تھے مگر افسوس تمہاری جلد بازی۔" وہ مٹی سے اٹا رومال ایک طرف پھینک کر اسٹول پر بیٹھ گیا۔
"عبید! یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔" اس کے لہجے کی کڑواہٹ اور جملوں کی کھولن اپنے

دل پر پتھکی محسوس کر کے وہ تڑپ گئی۔ ''میرا' میرا انکاح کر رہے تھے وہ لوگ۔ میں ہمیشہ کے لئے تمہارے لئے شجر ممنوعہ ہو جاتی پھر ...''

''کچھ نہیں ہوتا' تم اگر عقل کا دامن تھامے رکھتیں' کیوں شک تک نوبت پہنچی ان لوگوں کو۔'' وہ تڑخ کر اس کی بات کاٹ گیا۔

''حمزہ سے رشتے پر انکار کرنے سے شک تو ہونا ہی تھا انہیں اور پھر تم' تم بھی تو پروپوزل لے کر نہیں آئے' کتنا کہا میں نے تمہیں کہ اپنے والدین کو بھیجو۔''

''یہی سوچا تھا میں نے مگر ذرا تحمل اور اطمینان سے۔'' وہ کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر جھٹکے سے اسٹول دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔

''اب مرو اور سڑو اس گھر میں۔'' وہ چرمی بیگ پر لات مارتا دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

''عبید۔'' وہ تڑپ کر اس کی طرف بڑھی' اس کے دل میں تیر ترازو ہو گیا تھا۔ اس نے عبید کا ایسا لہجہ ایسا رویہ جو کبھی دیکھا سنا نہیں تھا' ایسی صورت حال کا سامنا جو کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ آنسو پیتی کمرے میں آئی تو وہ کھڑکی کے پاس کھڑا' خراش زدہ شیشے سے باہر تپتے میدان کو تک رہا تھا۔

''خفا ہو گئے ہو عبید۔'' وہ اس کے نزدیک چلی آئی۔

''مجھے کوٹھی' بنگلہ' محل کچھ نہیں چاہئے مجھے تو صرف تمہاری محبت چاہئے۔ تمہاری وفا تمہاری چاہت کا یقین۔ وہ چیزیں تو پہلے بھی میرے پاس تھیں' انہیں صرف اور صرف اسی محبت کے لئے تو چھوڑ آئی ہوں' مجھے کچھ نہیں چاہئے عبید۔'' اس کی آواز جذبات سے بوجھل تھی۔

''مگر مجھے تو۔'' وہ پلٹا مگر دوسرے پل لب بھینچ لئے۔ اس کی اٹھتی نگاہوں سے نظریں چرا کر ایک گہری سانس بھر کر رہ گیا' پھر ہلکے سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبا کر چھوڑ دیا۔

علینہ قدرے مطمئن ہو کر مسکرا دی۔

اس روز کے بعد سے اس نے کبھی اس گھر پر تبصرہ نہیں کیا بلکہ پوری جانفشانی سے وہ اس چھوٹے تنگ و تاریک گھر کو آراستہ کرنے لگی۔

جو روپے وہ ساتھ لائی تھی اسے خرچ کرنے لگی۔ عبید انصاری کے علم میں یہ بات تھی مگر وہ انجان بنا رہا جیسے وہ اس بات سے لاعلم ہی ہے۔ اس نے بھی کبھی عبید کو نہ جتایا نہ اس سے پیسوں کا مطالبہ کیا۔ وہ جانتی تھی وہ اس وقت سخت پریشان ہے' بمشکل اس گھر کا کرایہ ادا کر رہا تھا۔

اس نے سوچا ایگزام کے بعد وہ جاب ڈھونڈ لے گا اور ہاؤس جاب بھی کر لے گا۔ وہ بھول گئی کہ ڈاکٹر بننا تو اس کا بھی خواب تھا' کبھی کبھی یہ خیال آتا اور دھواں بن کر روح میں اترنے لگتا کہ وہ سر جھٹک دیتی اور گھر کی سجاوٹ' تراش خراش میں مصروف ہو جاتی۔ جونہی شام ہوتی' عبید کے آنے کا انتظار کرنے لگتی مگر لگتا تھا وہ حد سے زیادہ مصروف ہو گیا تھا یا پھر امتحانات کے بوجھ کی وجہ سے تھک جاتا تھا۔ وہ اس کی محبت بھری ایک نگاہ کے لئے ترس جاتی۔ وہ نزدیک ہوتا تو بھی بے حد چپ چاپ' خاموش' جیسے اس کے پاس الفاظ یکدم ختم ہو گئے ہوں۔

مگر محبت کا الفاظ سے کیا تعلق۔

جملوں اور لہجے سے کیا واسطہ

محبت' لفظوں' اور جملوں کی تو محتاج نہیں ہوتی۔

رویے از خود محبت کے اظہار کا سب سے خوبصورت اور پائدار ذریعہ ہیں۔''

ایک محبت آمیز نظر... ساری تھکاوٹ' سارے اندیشے' سارے خوف' یوں جھاڑ دیتی ہے جیسے بارش دیوار سے گرد کو۔ وہ بھی تو اپنی بھرپور محبت کو مسکراہٹ میں سمو کر اس کا استقبال کرتی تھی۔ تمام تر چاہت سے اس کے لئے کھانا بناتی' سجاتی اور محبت کی تمام شادابی کے ساتھ اسے پیش کرتی تھی۔

تو پھر....

اس کے رویوں میں

نظروں میں اتنا کھردرا پن' اتنا بنجر پن کیوں اتر آیا تھا؟

اس کے دل کا دریا کیوں سوکھ گیا تھا؟ یہ تپتا دھول اڑاتا ریت کا صحرا کیوں اتر آیا تھا اس کے مزاج میں' اس کے رویوں میں۔

معاشی بوجھ تو ہر کوئی اٹھاتا پھرتا ہے۔

صبح سے شام تک حلال رزق کے جزیرے میں تو ہر کوئی چکراتا رہتا ہے مگر محبت ان کے گھروں سے' ان کے دلوں سے' ان کی آنکھوں سے' ان کے رویوں سے نکل تو نہیں جاتی۔

معاشی بدحالی کے باوجود محبت کا پودا ہرا ابھرا ہے۔ تو پھر اس کے گھر میں یہ کیسی ہوا چلی ہے کہ یہ پودا سوکھ گیا ہے۔

اسے عبید انصاری کی بے زار' اکتاہٹ آمیز نظروں کا سامنا رہنے لگا تھا۔ پھیکی زرد سوکھی گھاس جیسی مسکراہٹ صلے میں ملنے لگی تھی۔ وہ ششدر رہ جاتی' خوف سے اس کا دل کانپنے

لگتا۔

''عبید! تم اتنے بدل کیوں گئے ہو۔ کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں رہی؟'' اس روز وہ اس کے روکھے رویے پر رو پڑی۔

''واٹ' نان سنس' علینہ' کیا محبت محبت کی رٹ لگائے رہتی ہو' جب دیکھو۔'' وہ جھٹکے سے بیڈ سے کھڑا ہوگیا۔ ''تم چاہتی ہو ہر وقت تمہاری شان میں قصیدہ گوئی کرتا رہوں غزلیں' گیت' نغمے سناتا رہوں۔ تمہارا دل بہلاتا رہوں' علینہ صاحبہ' ہم جس حقیقت کو فیس کررہے ہیں بلکہ حالات نے ہمیں حقیقت کی جس سخت اور کھردری سطح پر پٹخا ہے وہاں ایسا سوچنا حماقت' دیوانگی اور بےوقوفی ہے۔ کون سی ہمارے اردگرد خوشیاں' مسرتیں رقص کررہی ہیں کہ ہم ان میں مسرور ہوکر صرف اور صرف محبت کے گیت الاپیں۔'' وہ فرش پر ڈھے گئی اور اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ تحیر آمیز بےیقینی سے۔

''محبت آسودہ حال لوگوں کا شغل ہے۔''

''کیسی باتیں کرنے لگے ہو عبید؟'' وہ روہانسی ہوگئی۔

''ہم نے جو چاہا پالیا ہے عبید۔ تم میرے سامنے یقین بنکر بیٹھے ہو' میں تمہارے پاس ہوں۔ جس کو پانے کے تم خواب دیکھتے رہتے تھے' پہروں راتیں جاگ کر تڑپتے رہتے تھے' دیکھو میری طرف! ہم دونوں نے ایک دوسرے کو پالیا ہے' ہمارا خواب تکمیل پاچکا ہے' کیا یہ خوشی اور کم مسرت آمیز بات ہے۔ ہم محبت کے گیت الاپیں گے تو ہمارے اطراف اور روشنی ہوجائے گی' اور ہم۔'' وہ بولتے بولتے رک گئی۔ وہ کمرے سے باہر جارہا تھا۔ اس کے دل پر چوٹ سی پڑی۔

اس کی پکار
اس کا وجود
اس کی مسکراہٹیں
اس کے آنسو

اس کی محبت' عبید کیلئے کوئی معنی نہیں رکھتی' یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

اس کا دل حیرت و غم کی اتھاہ میں ڈوب گیا۔ اس نے بےیقینی سے خالی بیڈ کو دیکھا' چاہنے کے باوجود اس کے پیچھے نہ جاسکی۔ جانے کیوں اپنی انا کے مجروح ہونے کا احساس سا آ گیا۔

''کیسی خوشیاں' چاہئے عبید تمہیں۔ میرے علاوہ! تم نے اور میں نے تو ایک چھوٹے سے گھر کا ہی خواب دیکھا تھا' تم ہی تو کہتے تھے۔

نہ سونا نہ چاندی نہ کوئی محل جانِ من
تم کو دے سکوں گا
پھر بھی یہ وعدہ ہے تجھ سے
تو جو کرے پیار مجھ سے
چھوٹا سا گھر تجھ کو دوں گا
دکھ سکھ کا ساتھی بنوں گا

اس کی آنکھوں سے ستارے گر گر کر ٹوٹنے لگے۔ اسے بزم سخن کی وہ شام یاد آ گئی۔

عبید کا سحر طراز لہجہ۔

اسے اور صرف اسے سناتا' بہلاتا لہجہ۔ گیت کی زبان میں اپنی چاہت کا اظہار کرتا۔

جب شام گھر لوٹ آؤں گا
ہنستی ہوئی تو ملے گی
مٹ جائیں گی ساری سوچیں
باہوں میں جب تھام لے گی
چھٹی کا دن جب ہوگا
ہم خوب گھوما کریں گے
جاکر سمندر پہ دونوں
سیپوں سے موتی چنیں گے
لہروں کی پائل سنیں گے
نہ سونا نہ چاندی

وہ گیت کے بولوں پر نہیں' اس کے لہجے سے چھلکتے پیغام' آنکھوں سے نکلتی محبت آمیز شعاعوں' اور لبوں پر مہکتی مسکراہٹ کی چاندنی پر ایمان لے آئی تھی۔

اس نے گھٹنوں پر سر گرا لیا۔

کہاں کھو گیا وہ لہجہ
کہاں گم ہوگئیں وہ شعاعیں
کس بادل میں چھپ گئی وہ چاندنی

''کس بات کا سوگ منارہی ہو یہاں بیٹھ کر؟ ایک کپ چائے بنا کر دو' سر درد سے پھٹا

جارہا ہے۔'' اس کی کھردری تڑختی آواز پر اس نے سر اٹھایا۔ اس سے نظریں ملیں تو لب بھینچ کر رخ پھیر لیا اور جھٹکے سے الماری کھولی۔

وہ باورچی خانے کے حصے میں چلی آئی۔ ''مجھے لگتا ہے عبید اپ سیٹ ہیں۔ شاید وہ خود کو میرا مجرم سمجھ رہا ہے کہ مجھے مالی طور پر آسودگی نہیں دے سکتا۔ اس سخت اور نامساعد حالات نے اسے بوکھلا دیا ہے۔'' چائے بناتے بناتے اس کے دل میں یکدم عبید کے لئے پھر محبت کی لہریں اٹھنے لگیں۔

اس نے عبید کو اپنی طرف سے سمجھانے کا ارادہ باندھ لیا۔ حالات کا جائزہ لیا تو اسے عبید بے قصور نظر آنے لگا۔

اس کے اندر آزردگی کا جال کٹنے لگا۔ اسے افسوس ہونے لگا کہ ناحق وہ بھی عبید کو پریشان کرتی رہتی ہے۔ اس کے رویوں کی شکایت کرتی پھرتی ہے۔

وہ چائے بنا کر کمرے میں آئی تو وہ کپڑے چینج کر چکا تھا۔ اور اسٹول پر بیٹھا موزے پہن رہا تھا۔

''عبید! تم پریشان مت رہا کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں اس گھر میں تمہارے ساتھ بہت خوش ہوں۔'' وہ چائے کا مگ اسے دیتی ہوئی خوشدلی کے ساتھ بولی۔ جواباً اس نے پیر میں جوتے پھنساتے ہوئے اسے ایک نظر دیکھا اور چائے پر نظریں جما دیں۔

''خوشی کا تعلق تو دل سے ہوتا ہے' یہ دیواریں' چیزیں' بنگلے' شوپیس اور دوسری ساری خرافات محض جسمانی تقاضے ہیں' روح پر بوجھ ہو تو ان میں بھی انسان بے کل بے چین رہتا ہے' دل خوش ہو' روح مسرور ہو تو ریت کے ٹیلے بھی نخلستان لگتے ہیں۔'' اس کا لہجہ نرم' میٹھا اور ٹھنڈا تھا۔ وہ کمرے پر ایک نظر ڈالتے ہوئے بولی۔ ''ہم چھوٹے سے گھر کو اپنی جنت بنائیں گے۔ اس میں تم اور میں اور ہمارا پیارا سا بچہ ہوگا۔ بس اور کوئی نہیں۔'' وہ ہلکے سے ہنسی یوں جیسے اس کے تصور میں جنت ہی اتر آئی ہو۔ پھر عبید کو محبت پاش نظروں سے دیکھنے لگی۔ جبکہ عبید کو اپنی کنپٹیاں سلگتی محسوس ہونے لگیں۔

''یہ بچے کا ذکر کہاں سے آ گیا؟'' اس نے جلدی سے مگ تپائی پر رکھ دیا اور جھٹکے سے اسٹول سے کھڑا ہو گیا۔

علینہ نے چہرہ جھکا لیا۔ اس کی سیاہی مائل بھوری پلکیں رخساروں پر کانپنے لگیں۔

''وہ مسز خان کہہ رہی تھیں کہ تم ڈاکٹر سے چیک اپ کرا لو۔ دراصل کئی دنوں سے میری طبیعت کچھ گری گری رہنے لگی ہے۔'' اس سے عبید کی طرف دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ ''اگر آپ کے پاس فارغ وقت ہو تو ہم شام کو چلے چلیں۔''

''علینہ۔'' وہ اس کے نزدیک آیا اس کی آنکھوں میں تپش اتر آئی تھی۔ تاہم وہ لہجے کو حتی المقدور نرم رکھتے ہوئے بولا۔

''ہم ان حالات میں بچہ افورڈ نہیں کر سکتے۔ تم' تم اس پر سوچنا بھی مت۔'' اس کا لہجہ نرم ضرور تھا مگر اس میں لچک نام کو نہ تھی۔ وہ بے یقینی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ کچھ کہنا چاہا مگر لب صرف کانپ کر رہ گئے۔

''اور سنو۔'' وہ کمرے سے نکلتے نکلتے کچھ سوچ کر رکا۔

''مسز خان' کے ساتھ جا کر چیک اپ کرا لو۔ یہ کہہ کر وہ رکا نہیں اور باہر نکل گیا۔ جبکہ وہ وہیں دیوار کے ساتھ لگ کر فرش پر بیٹھ گئی۔

وہ کہنا چاہ رہی تھی کہ ''عبید بچہ تو اپنا رزق لے کر خود آتا ہے اور ہو سکتا ہے بچے کے نصیب سے ہی رزق کے دروازے کھل جائیں' اور یہ کہ اولاد کی نعمت سے' کون کفران نعمت کرتا ہے۔ سوائے نادانوں' جاہلوں کے...''

مگر وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی' اس کی آنکھوں کی سرد سرد جھیلوں میں اس کے احتجاج کی ساری لہریں دم توڑ گئیں۔

مسز خان بہت اچھی پڑوسن تھیں۔ وہ اس کے ہمراہ جا کر اپنے سارے چیک اپ کروا آئی تھی اور اب مثبت رپورٹ ملی تو وہ رو پڑی۔ مسز خان اس کے رونے پر ٹپٹا گئیں۔

''ارے' ارے علینہ' یہ تو خوشی کی نوید ہے اس میں رونے کا کیا سوال۔ پگلی ابھی تو تمہارے ہزبینڈ کو خبر ہو گی تو وہ کتنا خوش ہوگا۔ تم ادھر ڈر رہی ہو۔''

''ہاں میں ڈر رہی ہوں' میں خوفزدہ ہوں مسز خان۔'' وہ اور زور و شور سے رونے لگی اور مسز خان کو عبید کی ناراضگی کا بتا دیا۔ وہ سن کر ششدر رہ گئیں۔

''او مائی گاڈ' یہ کیسا آدمی ہے جو بچے کی خواہش نہیں رکھتا۔ پہلے بچے کی تو چاہ ہر کوئی کرتا ہے۔ پیسہ کیا ہے۔ کیا غریب بے اولاد رہتے ہیں۔ بے اولادی تو خود سب سے بڑی غریبی ہے سب سے بڑا دکھ ہے۔ پیسہ تو آنے جانے والی چیز ہے۔''

''مگر وہ یہ سب باتیں نہیں سمجھیں گے۔'' وہ اسپتال کی راہداری کے ستون سے لگ کر دل گرفتگی سے بولی۔

گی تو وہ ضرور خوش ہوگا۔" مس خان اسکی ہمت بندھانے لگیں تو اسے بھی قدرے حوصلہ ملا۔

راستہ بھر وہ اس کے اندر نئی توانائیاں بھرتی رہیں گھر پہنچتے پہنچتے وہ کس حد تک پرسکون ہو چکی تھی اور اس میں اتنی ہمت تھی کہ وہ یہ خبر بے حد خوشی کے ساتھ عبید کے گوش گزار کر سکتی تھی۔ اس کے اندر عبید کو ہر طرح سے قائل کرنے کا عزم بھی پیدا ہو گیا تھا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا جس کا مطلب تھا عبید آ چکا تھا۔ وہ اپنا اسکارف اور پرس ایک طرف ڈال کر کمرے کی طرف بڑھی۔ کمرے کا دروازہ بند تھا اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا مگر اندر سے آتی آوازوں پر اس کا ہاتھ **ٹھٹھک گیا**

اندر عبید کا دوست فیصل موجود تھا' جس کی آواز آہستہ تھی اس کا کہا ہوا جملہ تو ٹھیک سے اس کے کانوں میں نہیں پڑا تھا مگر عبید کی آواز تو جیسے اس کی سماعت کے ساتھ اس کی روح کو بھی چھلنی کر گئی۔

وہ متاسفانہ سانس بھر کر کہہ رہا تھا۔

"تم دیکھ رہے ہونا اس گھر کو؟ ایسے گھر کے خواب دیکھے تھے میں نے؟ جب ایسی ہی دو ٹکے کی زندگی گزارنی ہوتی تو گاؤں چھوڑ کر شہر کیوں آتا' بچپن کی منگ کو کیوں چھوڑتا۔ یہ سب کیا دھرا علینہ کا ہے' اس کی جلد بازی کا ہی نتیجہ ہے' پتا نہیں کس افسانوی دنیا میں رہتی ہے یہ عورت۔ کروڑپتی بھائیوں کی اکلوتی بہن' پوری کی پوری کنگال ہو کر میرے پاس آئی' فیصل ! ایسی خالی ہاتھ حسین چہرہ والی کنگلی لڑکیوں کی تو میرے پاس ویسے ہی کمی نہ تھی۔ ایک سے ایک ستارہ لڑکیوں کو برتا ہے میں نے' میرے نزدیک حسن کوئی معنی نہیں رکھتا۔ علینہ سے قریب ہونے کا مقصد صرف اور صرف اس کی دولت تھی' اس کا پیسہ' مگر' مگر ہاتھ کیا آیا۔" وہ زہر خندگی سے ہنسا۔ ساتھ ہی ایک چھناکا ہوا اس نے ایش ٹرے دیوار پر دے ماری تھی۔

"تمہیں اس سے نکاح ہی نہیں کرنا چاہئے تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ گھر سے بھاگی ہے اور ظاہر ہے بھاگی ہوئی لڑکی اپنے ساتھ جائیداد تو لکھوا کر نہیں لا سکتی۔ خود تو معتوب و رسوا ہوتی ہے' ساتھ میں شوہر کو بھی کر ڈالتی ہیں۔" فیصل کی آواز ابھری اور ساتھ میں عبید کی گہری سانس سنائی دی۔

"بس عقل پر پتھر پڑ گئے تھے۔ میرا تو ارادہ تھا اسے اچھی طرح اپنا ہمنوا بنا کر رشتہ بھیجوں گا اور اس کے گھر والوں پر اسی کے ذریعے دباؤ ڈلواؤں گا' ایک امیر گھرانے کا داماد بننا چاہا

مگر اس نے تو مجھے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا۔ خود سوچو فیصل اس کے ورثے میں کتنا پیسہ ہوگا' سب کا سب ہاتھ سے گیا نا۔ اوف' مجھے تو بعد میں پتا چلا کہ واپسی کے تو وہ تمام راستے ہی بند کر آئی ہے۔" وہ اضطرابی انداز میں کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کے لہجے میں بے بسی' مایوسی چیخ رہی تھی۔

"میرا دل چاہتا ہے میں اس ڈھول کو اب گلے سے اتار پھینکوں اور کہیں اور قسمت آزمائی کروں۔"

"ہاں میرا خیال ہے تم کراچی چلے جاؤ۔ ایک تو اس طرح کے مواقع بھی مل جائیں گے دوسرا جاب کا بھی سلسلہ ہو سکے گا۔ اور تیسری بات کہ تمہیں اس کے بھائیوں سے بھی نجات مل جائے گی۔ کب تک ان سے ڈر ڈر کر باہر نکلو گے۔"

وہ دونوں اس بات سے بے نیاز تھے کہ باہر ایک معصوم پیکر ان کے جملوں کے تیروں سے کس طرح زخمی ہو کر تڑپ رہا ہے۔

اس کی سماعت پر دھماکے ہو رہے تھے ایسے جس سے ذہن اعصاب سب شل ہوا جا رہا ہو۔ وہ بے یقینی سے دروازے کی طرف دیکھتے دیکھتے پیچھے ہٹتی گئی پھر صحن کی دیوار سے لگ کر اس کے سہارے فرش پر بیٹھتی چلی گئی اور خالی خالی نظروں سے بند دروازے کو تکنے لگی۔

بس اندر ایک چھناکا ہوا تھا۔ شاید دل ٹوٹا تھا' اس بلوریں گلدان کی طرح جو بے احتیاطی سے ہاتھوں سے پھسل کر پتھریلی زمین پر گر کر چکنا چور ہو جائے اور کبھی نہ جڑ پائے۔

کتنی بے وقوف تھی وہ بھی کہ ایک زر پرست آدمی کے لئے نازک پاک جذبے سنبھال سنبھال کر جوڑے بیٹھی رہی۔ یہ انمول لعل و گہر اسی کے دامن میں ڈالتی رہی جو جذبوں کی پہچان تک نہیں رکھتا تھا۔ جو زر پرستی میں مبتلا ہو' اس کے نزدیک بھلا پھول اور خوشبو کیا معنی رکھتے ہوں۔

جو سکوں کی کھنک سے مسرور ہونا چاہ رہا ہو۔ وہ محبت کی پائل سے کیا خوش ہوگا۔

جو دھن دولت کے وسیع صحرا میں بھٹکنا چاہتا ہو' وہ بھلا چاہت کے جذبوں سے مہکتے ہوئے باغیچے میں کہاں قیام کر سکتا ہے۔

سمے جیسے گزرتا جا رہا ہے
کوئی دل سے اترتا جا رہا ہے
بنا تھا ریتلی مٹی سے جیون
بکھرتا ہی بکھرتا جا رہا ہے

پتا نہیں اس کی آنکھوں کے اشک سوکھ گئے تھے یا اسے بھی ضبط کرنا آ گیا تھا۔

وہ اس دیئے کی طرح بجھ گئی تھی جو تیز ہوا کی راہ میں رکھ دیا گیا ہو۔ جو جلے بھی تو کیا اور

بجھے بھی تو کسی کو خبر نہ ہو۔

وہ بھی چپکے سے اس کی بے وفائی کی تیز ہوا سے بجھ گئی تھی۔ مگر عبید انصاری لاعلم تھا یا بے نیاز تھا۔

"تم نے چیک اپ کرا لیا؟" دو روز بعد اسے اس کا خیال آیا تھا۔ وہ سنک سے چائے کے جھوٹے برتن دھو رہی تھی۔ ایک کرب رگ رگ کو چھو گیا۔ اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"کیوں؟"

"وقت نہیں ملا؟" اس کا لہجہ خشک پتوں کی طرح سوکھا بنجر تھا۔

"ٹھیک ہے آج چلی جانا۔" اس کا دھیان اس کے لہجے کی طرف گیا ہی نہیں بلکہ وہ تو اس کے روز بروز زرد پڑتے چہرے اور ویران ہوتے سراپا سے بھی بے پروا بنا ہوا تھا۔

"اچھا سنو۔" وہ چھوٹے سے کچن کے دروازے کے پاس کھڑا تھا۔ وہ رخ موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ تب وہ نگاہوں کو کترا کر بولا۔

"میں کل کراچی جا رہا ہوں ہفتہ بھر کے لئے۔"

اس نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

کتنا قریب تھا مگر کتنے فاصلے پر جا کر کھڑا ہوا تھا۔

"وہاں کوئی اچھی جاب مل جائے دعا کرنا۔" اس کا لہجہ قدرے نرم ہو گیا۔ وہ چلتا ہوا اس کے نزدیک آیا اور نرمی سے اسے چھوا تو علینہ کو لگا کسی زہریلے جانور نے کھٹ سے ڈنک مار لیا ہو۔

اس کا رواں رواں جلن سے تڑپنے لگا۔ اس نے آہستگی سے پیچھے ہو کر رخ موڑ لیا۔

"خدا کرے آپ کو جاب مل جائے بلکہ جو آپ چاہیں وہ سب مل جائے۔ آپ کی ساری خواہشات' خواب پورے ہوں۔"

اس کا لہجہ دھیما اور درد انگیز تھا۔ مگر اس کی درد انگیزی کو صرف اس کا اپنا دل ہی محسوس کر رہا تھا۔

"کیوں نہیں ضرور' ہم دونوں کے خواب یقیناً پورے ہوں گے" وہ جانے کیوں نظریں چرا گیا پھر کھسیا کر ہنس پڑا۔

☆☆☆☆

رفاقت اتنی جاں فزا نہیں ہوتی' جتنی جدائی جاں سوز ہوتی ہے۔ لوگ جدا ہو جاتے ہیں تو پھر عذاب نازل ہوتا ہے۔ لوگوں کا بدلنا بھی تو جدائی ہی ہے نا۔"

ایک تھکی تھکی سانس اس کے لبوں سے نکل گئی۔

گزرے لمحوں کی فلم جس اذیت ناکی سے اس کے ذہن و نگاہوں کے راستوں سے رینگ رہی تھی۔ اس کے کرب کا اندازہ صرف اسی کے دل و دماغ کو تھا۔

شیزا صرف اسکی درد و غم میں ڈوبی سسکیاں سن رہی تھی۔ وہ کچھ دیر چپ رہی مگر اب بھی ماضی میں ہی جھانک رہی تھی۔

تلخ' اذیت ناک ماضی میں۔ پھر ایک سسکاری بھر کر دیوار سے سر ٹکا کر بولی۔

"مجھے خبر تھی وہ کراچی جا کر واپس نہیں آئے گا پھر بھی میں نے اسے جانے دیا۔ جانے والوں کو بھلا کون روک سکتا ہے۔ ہے نا۔ مسز خان کو پتا چلا تو وہ مجھ پر برہم ہونے لگیں۔

"تم پوری کی پوری میڈ ہو علینہ جب تمہیں پتا تھا وہ چیٹر ہے' تم نے اس کی ساری باتیں سن لی تھیں پھر' پھر اسے کیوں جانے دیا۔ نان سینس۔ شیزا! میں اسے کیسے روک لیتی۔ جو رکنا ہی نہ چاہے اسے کون روک سکتا ہے۔ جو دریا سوکھنے پر ہو' اسے سوکھنے سے کون روک سکتا ہے۔ روکا تو انہیں جاتا ہے نا جن سے محبت ہو' ہمیں مان ہو' اعتبار ہو کر وہ ہمارا مان رکھ لے گا' اعتبار نہیں توڑے گا۔ ادھر میرے اعتبار کی چادر کا تو' ٹانکا ٹانکا ادھیڑ گیا تھا اسے کس برتے پر روکتی۔ میں جذبوں اور محبتوں پر ایمان رکھنے والی لڑکی' تنکا تنکا جمع کر کے آشیانہ بنانے کے جتن کر رہی تھی مگر وہ ہوا پر محل تعمیر کر رہا تھا۔ میں چھوٹی چھوٹی خاردار جھاڑیاں کاٹ کر اپنا گلستان سجا رہی تھی۔ مگر وہ روح کا قاتل میرے سارے پودے اکھاڑ کر لے گیا۔ اسے گلستان کی نہیں محل کی چاہ تھی۔ آہ چاہ' چاہ تو جس کی بھی ہو بڑا برا نشہ ہے اترنے سے نہیں اترتا۔

کیوں اٹا ہوا ہے غبار میں' غم زندگی کے فشار میں
وہ جو درج تھا تیرے بخت میں' سو وہ ہو گیا اسے بھول جا
جو بساط جاں ہی الٹ گیا' وہ جو راستے سے پلٹ گیا
اسے روکنے سے حصول کیا' اسے مت بلا اسے بھول جا
تجھے چاند بن کر ملا تھا جو' تیرے ساحلوں پر کھلا تھا جو
وہ تھا ایک دریا وصال کا' سو اتر گیا اسے بھول جا

مسز خان اپنی بہن کی طرف کراچی جا رہی تھیں اور مجھے بھی اپنے ساتھ زبردستی لے جانا چاہتی تھیں۔

"تمہیں نہیں' اس بچے کو باپ کی ضرورت پڑے گی علینہ۔ تم کتنی احمق عورت ہو' سمجھتی نہیں ہو۔"

"کچھ بچے پیدائشی یتیم بھی تو ہوتے ہیں' وہ بھی یہی سمجھ لے گا اس کا باپ مر چکا ہے۔"

"کیوں' ایسی بات کرتی ہو۔ تم بالکل فکر مت کرو میں اسے پاتال سے بھی نکال کر تمہارے سامنے لے آؤں گی۔ وہ ذلیل چیز تم سے معافی مانگنے پر مجبور ہو جائے گا ایسی ناک رگڑواؤں گی اس کی تم مجھے نہیں جانتیں۔" میں مسز خان کی باتوں پر دل ہی دل میں ہنس پڑی۔ مسز خان کے عزائم پر ارادوں پر ہنسی تو کیا اونچے' اونچے قہقہے لگانے کو دل چاہ رہا تھا۔ کراچی روشنیوں کا شہر جہاں ایک ہجوم بے کراں تھا۔ ٹریفک کا سیلاب سڑکوں پر بہتا نظر آتا' لوگوں کا ہجوم چھوٹے بڑے گھروں کا جم غفیر۔ ایسے میں مسز خان اسے کہاں اور کیسے ڈھونڈ پائیں گی اور انہیں تو یوں بھی کوئی ڈھونڈ نہیں سکتا جو خود کھو جانا چاہتے ہوں۔ مگر پتا نہیں مسز خان کی محنت رنگ لائی یا تقدیر میں اس کا ملنا لکھا تھا۔ ایک دن مسز خان اسے اپنے ہمراہ لئے چلی آئیں۔

چھپا چھپایا' سر جھکایا ہوا مجرمانہ انداز میں میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ جوں ہی' مسز خان اسے صلواتیں اور کوسنے سنا کر کمرے سے نکل گئیں وہ میرے قدموں میں بیٹھ کر رو پڑا۔

"مجھے معاف کر دو علینہ' میں واقعی تمہیں بھول گیا۔ غم روزگار نے مجھے اندھا کر دیا۔"

میں پتھرائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

پتا نہیں اس کے ہونے کا یقین کر رہی تھی یا اس کے مل جانے کا افسوس منا رہی تھی۔ سچ آنسوؤں سے نہیں دلیلوں سے ثابت ہوتا ہے مگر عبید انصاری کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی۔ اپنی صفائی میں دینے کو۔ خود کو سچا' باوفا' ثابت کرنے کو۔ حتیٰ کہ جھوٹی کھوکھلی دلیل بھی نہیں مگر باوجود سب جاننے کے میں اچانک برف کی طرح پگھل گئی۔ میرے اندر کی علینہ محبت کی ماری علینہ' ہمیشہ جھوٹ پر یقین لے آنے والی علینہ' باہر نکل آئی اور اس کے آنسوؤں پر ایمان لے آئی۔

"علینہ اب تمہارے ساتھ ہی جائے گی۔ جہاں تم رہتے ہو وہ بھی وہیں رہے گی۔" مسز خان تراتی گھسیٹتی اندر آتے ہوئے' عبید پر ایک نظر ڈال کر حکمیہ لہجے میں بولیں۔

"مم' مگر اس' اس حالت میں اسے میں اپنے ساتھ کیسے لے جا سکتا ہوں۔" وہ سٹپٹا گیا۔ مگر دوسرے پل مسز خان کے چہرے کے بگڑتے زاویوں کو دیکھ کر جلدی سے بولا۔

"دراصل میں جہاں رہتا ہوں۔ وہ گھر علینہ کے شایان شان نہیں ہے۔"

"عبید!" علینہ نے تڑپ کر اسے دیکھا۔ "میں نے تمہیں پہلے بھی تو کہا تھا مجھے محل' بنگلے' کوٹھی نہیں چاہئے' مجھے صرف تمہاری ضرورت ہے' میرے بچے کو بھی تمہاری ضرورت ہے۔ تم دولت کی چاہ سے نکل کیوں نہیں جاتے۔ کیا میری چاہت میں کوئی کمی رہ گئی ہے۔"

عبید پیشانی پر ہاتھ پھیرتا ہوا ادھر ادھر ٹہلنے لگا پھر پلٹ کر اس کے نزدیک بیٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان دباتے ہوئے بولا۔

"میں صرف اور صرف تمہاری وجہ سے کہہ رہا ہوں۔ اس وقت تمہیں مسز خان کی ضرورت پڑتی رہے گی۔ اچھا' اچھا چلو۔" اس پر نگاہ ڈال کر مسکرا دیا۔ "چند ایک دن تم یہاں رہ لو میں گھر ذرا ٹھیک ٹھاک کرا لوں' گندا پڑا ہوا ہے کم از کم تمہارا استقبال تو میں ہیرے موتی سے نہ سہی پھولوں سے تو کروں۔ پھول جو محبت کا اظہار ہوتے ہیں نا۔"

سارے گلے شکوے پل بھر میں جھاگ کی طرح بیٹھ گئے' معصوم دل پھر عبید کی محبت سے بھر گیا۔ وہ چلا گیا پھر آنے کا کہہ کر اور اس کے جاتے ہی اس کے آنے کی گھڑیاں گننے لگی۔ دل چاہتا کہ اڑ کر اس کے پاس پہنچ جاؤں' میرا معصوم' میرا سادہ بے ریا دل عبید کے دو محبت بھرے بولوں پر سارے گلے شکوے بھلا کر ایک بار پھر تمناؤں کے سیل شوق میں بہنے لگا۔ میں نے سوچا شاید جو غم اس نے اٹھائے وہ مقدر میں لکھے تھے اور اب اس کے آگے کے راستوں پر خوشیاں مسرت پھیلی ہوئی ہیں جسے میں بڑھ کر تھام لوں گی اور عمر بھر کے لئے آسودہ ہو جاؤں گی۔ میں پھر سے جی اٹھی تھی۔

مجھے پہلی بار پتا چلا کہ محبت کتنا گداز کر دیتی ہے خاص کر عورت کا دل۔ اس میں وسعت آ جاتی ہے کہ محبوب کی تمام تر کوتاہیاں ہیچ نظر آنے لگتی ہیں۔ میں نے آج خود کو اہتمام سے سجایا تھا مجھے یقین تھا آج اتوار ہے اور آج ہی عبید مجھے لینے آئے گا۔

مسز خان دروازہ کھول کر اندر آئیں تو میں آئینے کے سامنے کھڑی اپنے سنہری بالوں پر برش پھیر رہی تھی۔

"تم نے اپنے بے غرض' بے لوث محبت کے لعل و جواہر بہت غلط آدمی کی جھولی میں ڈال دیئے علینہ۔"

مسز خان اس پر ایک ملول سی نظر ڈال کر رہ گئیں پھر یک دم وہ سسک پڑیں۔ اور ہاتھ میں پکڑی رجسٹری آگے کر دی۔

"وہ نہیں آئے گا' علینہ اس نے بس یہ بھیج دیا ہے۔"

"یہ..... یہ کیا ہے۔" میرے ہاتھ سے برش چھوٹ کر گر گیا۔ میں نے بے حد خوفزدہ نظروں سے مسز خان کو دیکھا پھر ان کے ہاتھ کی طرف۔ مسز خان کا رونا' مجھے وحشت میں دھکیل رہا تھا۔ میں بمشکل دو قدم چل کر آئی اور لرزتے ہاتھ سے براؤن لفافہ تھاما۔

بے پناہ قیامتیں تھیں جو میرے اوپر گزر گئیں۔ مجھے لگا دل بند ہو جائے گا' سانس کی

ڈور کھٹ سے ٹوٹ جائے گی اور میں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جاؤں گی مگر..... آہ مگر تین گھنٹے کی بے ہوشی کے بعد میری آنکھ کھلی تو میں زندہ تھی۔

دل دھڑک رہا تھا۔

سانسیں چل رہی تھیں۔

بلکہ میرے اندر دھڑکنے والا وجود بھی زندہ تھا اور شاید اسی وجود نے مجھے بھی زندہ رکھا ہوا تھا۔ ہاں شیزا! ہاں میں اگر زندہ ہوں تو صرف عفان کے لئے ورنہ میں مر چکی ہوں اندر سے۔" وہ گھٹنوں میں سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اس کے آنسو شیزا کو اپنی روح پر گرم سیال کی طرح گرتے محسوس ہو رہے تھے۔

اسے لگا جیسے علینہ کے ساتھ وہ بھی لحہ لحہ اذیت کا سفر کاٹتی رہی ہو۔ اس نے بے اختیار اسے خود سے لپٹا لیا۔ اسی ادم اس کی نظریں دروازے پر پڑیں جہاں عفرا اور عائشہ کھڑی تھیں۔ ان کے چہرے پر پھیلے کرب انگیز سایوں کو دیکھ کر لگ رہا تھا وہ بہت دیر سے کھڑی تھیں۔

عفرا بھابھی کے ہاتھ میں علینہ کا بیٹا بھی تھا' جس پر شیزا کی نظریں ٹھہری ہوئی تھیں۔ پھر وہ علینہ کو جھٹکے سے خود سے الگ کر کے اٹھی اور بے تابانہ عفرا کی طرف بڑھی۔

"یہ علینہ کا بیٹا ہے نا؟" اس کی آواز میں آنسوؤں کے ساتھ خوشگوار مسکراہٹ کی آمیزش بھی ہو گئی۔ عفرا کا سر ہل گیا۔ اس نے اس کے وا ہوتے بازوؤں میں بچے کو ڈال دیا۔

"علینہ! یہ تو' یہ تو بالکل تمہارے جیسا لگتا ہے' وہی چہرہ وہی۔" وہ محبت سے بچے کو چمٹا کر چومنے لگی۔ اس کا ایک ایک نقش تکنے لگی۔

بچہ اس وارفتا پر پیار پر بوکھلا گیا تھا۔ اس کی سنہری آنکھوں میں خوف اور حیرت سمٹی ہوئی تھی۔

"اگر تم زندہ ہو تو تمہارے پاس زندہ رہنے کا اتنا خوبصورت جواز بھی تو ہے۔" وہ ایک بار پھر بچے کے سرخ و سپید نرم چہرے پر انگلیاں پھیرنے لگی۔ علینہ آنسو پونچھتے ہوئے ہلکی ہنسی کے ساتھ بولی۔

یہ مجھ سے نہیں ولید بھائی سے زیادہ ملتا ہے۔ اس کی آنکھیں اور ہونٹ تو بالکل ہی ولی بھائی جیسے ہیں۔"

شیزا کا جھکا ہوا سر جھٹکے سے پیچھے ہو گیا۔ اسے اپنے اعصاب کھنچتے ہوئے محسوس ہوئے۔

★ ★ ★ ★

علینہ کے اس حسین بیٹے پر اس کی گرفت غیر محسوس طور پر ڈھیلی پڑ گئی۔

اس کے چہرے کے زاویوں میں ایک کھنچاؤ سا تھا اس نے پلٹ کر علینہ کی طرف دیکھا جو عفرا بھابھی کے کندھے سے لگی ان کی ہمدردی پا کر بقیہ آنسو بہا رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا' وہ اپنے ساتھ آنسوؤں کا ایک سمندر لے کر آئی ہو یا شاید یہ اپنے اندر کا سارا حبس نکال کر وہ پر سکون ہونا چاہ رہی تھی۔

اس نے آہستگی سے اس کے بیٹے کو ایک طرف بٹھا دیا اور کمرے کے ایک کونے میں جا کر الماری سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔

کمرے میں عجیب ملول سی اداسی پھیلی ہوئی تھی۔ جو ہر آنکھ سے نکلے آنسوؤں سے بھیگی بھیگی لگ رہی تھی۔

"بھول جاؤ سب کچھ علینہ۔ جو ہوا اسے خوفناک خواب سمجھ کر بھلا دو۔" عفرا بھابھی اسے تھپک رہی تھیں۔

کیسے بھول جاؤں؟ احساس جرم میری روح کو چھید رہا ہے' پچھتاوے مجھے ڈس رہے ہیں۔ مجھے لگتا ہے میں بیچ بازار میں ننگے سر کھڑی ہوں اور لوگ مجھے پتھر مار رہے ہیں۔ اپنا تماشا

اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔ اور اب اپنی لاش اپنے کندھوں پر اٹھائے اٹھائے پھرنے کے لئے خود کو تیار کر رہی ہوں۔''

''نہیں، نہیں علینہ، تم اب بھی، اب بھی ہمیں اتنی ہی عزیز ہو۔'' عفرا بھابی تڑپ کر رو دیں۔

علینہ نے عائشہ کی طرف ایک نظر دیکھ کر کرب سے لب دانتوں میں دبا کر مجرمانہ انداز میں چہرہ جھکا لیا۔ عائشہ جو اس کی عمر ادھی اب بھابی کے معتبر رشتے سے اس کے قریب بیٹھی تھی۔

سلمان بھائی کی منگنی کے بعد سے اس نے ان کی شادی کے لئے کتنی پلاننگ کر رکھی تھی۔ اور سلمان نے بھی کہا تھا عائشہ کی پوری بری وہ اس کی پسند کی بنائے، جو اس کا دل چاہے۔ اور اسے کتنا مان تھا اپنے بھائیوں پر۔ اور انہوں نے بھی کتنا بلند رکھا تھا اپنی اکلوتی بہن کو۔ اسے کبھی ماں باپ کی محرومی کا احساس نہ ہونے دیا تھا۔

حمزہ خان کو بری طرح مسترد کرنے کے باوجود اس کی بہن عائشہ آج اس کے قریب بیٹھی اس سے ہمدردی اور محبت کر رہی تھی۔

کتنی عاقبت نا اندیش، ناقدری اور احسان فراموش نکلی وہ۔ محض ایک شخص کے لئے اتنی محبتوں کو ٹھکرا دیا۔

''عفرا بھابی! میں میں بالکل تہی دست، تہی داماں ہو گئی ہوں۔ سب کی محبتوں اور چاہتوں کو کھو کر تہی داماں ہی ہو جاتا ہے نا آدمی۔ میں اب وہ زمانے کہاں سے لاؤں گی۔ انکے وہ دل کہاں سے لاؤں۔ وہ اچھوتی، اجلی محبت کیسے پاؤں گی؟'' وہ رنج و غم سے اپنے بال نوچنے لگی اس کی حالت یکدم دگرگوں ہو گئی۔

''وہ محبت کرنے والے بھائی، باپ جیسی گھنی چھاؤں دینے والے بھائی کہاں سے لاؤں گی، میں ہار گئی، میں لٹ گئی، تباہ ہو گئی، کچھ نہیں باقی بچا میرے پاس۔ میرے دامن میں اب سوائے نفرت انگیز نگاہوں کے، پچھتاوؤں اور کرب انگیز یادوں کے کچھ نہیں رہا۔ کچھ نہیں رہا۔''

''علینہ! ہوش کرو۔ تمہارے بھائی تم سے اب بھی محبت کرتے ہیں۔'' عفرا اسے سنبھالنے لگی۔ شیزا ایک طرف کھڑی اسے عالم دیوانگی میں دیکھتی رہی۔ پھر دراز سے سکون کی گولیاں نکال کر ایک گلاس میں گھول کر عائشہ کی طرف بڑھا دیں۔

''یہ اسے پلا دیجئے۔ سکون تو اب وقت ہی دے گا، ہماری تسلیاں تشفیاں نہیں۔'' اس کے لہجے میں یاسیت بکھری ہوئی تھی۔ عائشہ اس کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے جانے کیوں اس کی نگاہوں سے نظریں کترا گئی۔ پانی وہ علینہ کو زبردستی پلانے لگی۔

''مجھے زہر لا دو عائشہ، میں ..... میں زندہ رہنا نہیں چاہتی۔ شیزا اسے کہو مجھے میرے بھائیوں سے معافی نہ دلائے، مجھے مرجانے دے ان کے ہاتھوں میں مرجانا چاہتی ہوں۔'' اس کی آہ و بکا جاری رہی.... شیزا اس پر ایک ملول سی نظر ڈال کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆☆

مشکل کہاں تھے ترک محبت کے مرحلے
اے دل! مگر سوال تیری دوستی کا تھا
وہ جس کی دوستی ہی متاع خلوص تھا
محسن وہ شخص بھی میرا دشمن کبھی کا تھا

ناشتے کی میز پر اتنے افراد کی موجودگی کے باوجود سرما کی شاموں جیسی خاموشی بکھری ہوئی تھی۔ صرف برتنوں کی ہلکی ہلکی آواز ابھرتی اور دم توڑ دیتی۔ وہ کرسی گھسیٹ کر عفرا کے برابر میں بیٹھی تو دبیز خاموشی میں ہلکا سا ارتعاش پیدا ہوا مگر ولید کے اندر کی خاموشی ایک چھناکے سے ٹوٹی جب وہ ہاشم خان کو مخاطب کر کے کہہ رہی تھی۔

''میں کراچی جانا چاہتی ہوں، میرا خیال ہے آپ کو اب کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے چونکہ علینہ ہی آپ کو مطلوب تھی اور وہ آچکی ہے۔''

ہاشم خان نے چائے کا کپ ہونٹوں سے ہٹا کر ٹیبل پر رکھ دیا۔ اس کے چہرے کے زاویوں میں بڑی تیزی سے تبدیلی آئی تھی۔

''ہم تم سے شرمندہ ہیں شیزا۔'' بہت دیر بعد اس کی آواز ابھری، جس میں حقیقی شرمندگی ہلکورے لے رہی تھی۔

اس کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ لہرا کر منجمد ہو گئی۔ وہ سر جھکا کر پیالی سے اٹھتی بھاپ دیکھنے لگی۔

اچانک اسے لگا یہ ساری بھاپ اس کی آنکھوں میں گھسی جا رہی ہو اور روح میں اترتی جا رہی ہو۔

''اب ان بے معنی جملوں کی ضرورت نہیں رہی مجھے' میں صرف کراچی جانے کی اجازت مانگ رہی ہوں آپ سے۔'' پلکیں جھپک کر وہ دھند کو پلکوں کے پار دھکیلتی ہوئی بولی۔

''تمہارے کراچی جانے یا نہ جانے کی اجازت تو ولید ہی دے سکتا ہے۔'' ہاشم خان نے ولید کی طرف دیکھا پھر ایک گہری سانس بھر کر کرسی دھکیل کر اٹھتے ہوئے بولا۔ ''یہ تم دونوں کا پرسنل معاملہ ہے میں مداخلت نہیں کروں گا۔''

اس نے سر اٹھا کر مجروح نظروں سے ہاشم خان کو دیکھا پھر ولید کو جو اب بھی اخبار پہ نظریں جمائے ہوئے تھا بظاہر مگر درحقیقت اس طرف سے بیگانہ نہیں تھا۔

''آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرا اس شخص کے ساتھ کوئی پرسنل معاملہ نہیں ہے' نہ یہ کبھی میرے لئے پرسنل تھے نہ میں ان کے لئے پھر۔''

''رشتے کی ڈور جو ہمارے مابین ہے وہ تمہارے قبول کرنے یا نہ کرنے سے ٹوٹ تو نہیں جائے گی شیزاء۔'' ولید نے اخبار لپیٹ کر ایک طرف رکھ کر پہلی بار براہ راست اس کے چہرے کو تکا۔

''کون سا رشتہ؟ کیسا رشتہ؟'' وہ بھڑک کر کھڑی ہوگئی۔ اس کی خوش نما آنکھیں شعلوں میں گھر گئیں۔

''وہی رشتہ جو ہمارے ہے جو تمہاری ماں نے جوڑا تھا۔'' اس کا انداز اطمینان بھرا تھا۔

''وہ رشتہ نہیں ایک دھوکا تھا جو تم نے میری معصوم سادہ لوح ماں کو دیا تھا اور مجھے دیا اور جس کی بنیاد ہی دھوکا دہی پر رکھی گئی ہو اسے رشتے کی صداقت پر کیسے اور کس طرح یقین آ سکتا ہے۔'' وہ زہر خندی سے بولی۔

''شٹ اپ۔'' اسے اپنی کنپٹیاں سلگتی ہوئی محسوس ہوئیں مگر ہاشم نے اس کے کندھے پر ہلکے سے ہاتھ کا دباؤ ڈالا۔ وہ اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گیا۔

ماحول میں یکدم تناؤ اور کشیدگی در آئی۔ شیزا کے چہرے پر ناگواری کے جذبات واضح طور پر عیاں تھے۔ جو ولید کی روح پر کوڑے کی طرح لگ رہے تھے مگر دوسرے پل وہ جیسے تاسف کی زد میں آ گیا۔

''آئی ایم ساری۔'' وہ کرسی دھکیل کر خود بھی کھڑا ہو گیا اور پھر ٹھہرا نہیں بلکہ لاؤنج سے باہر نکل گیا۔

''جو ہوا اسے بھول جاؤ شیزا۔ ہماری جذباتیت نے صرف تمہیں ہی نہیں ہمیں بھی بہت نقصان پہنچایا ہے۔'' ہاشم خان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ''ولید کو معاف کر دو۔ اس نے تو آج تک کبھی کسی معمولی کیڑے کو بھی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ دھوکا دہی ہماری ذات کا خاصہ نہیں ہے نہ ہماری فطرت' جذبات میں بس کچھ ایسے قدم اٹھ گئے جن پر ہمیں تاعمر افسوس رہے گا۔''

''ہاں شیزا' تم ہماری چھوٹی بہن کی طرح ہو۔ آج سے تمہیں اس گھر میں وہ سب ملے گا جو تمہارا حق ہے۔'' سلمان نے بھی کہا تو اس نے رخ پھیر لیا۔

''مجھے کچھ نہیں چاہئے اس گھر سے' میں اس قفس میں مزید رہنا نہیں چاہتی' اگر آپ لوگ مجھے خوش دیکھنا چاہتے ہیں' مجھے میرا حق دینا ہی چاہتے ہیں تو مجھے کراچی جانے دیجئے بس۔'' وہ تلخی سے کہہ کر پھر رکی نہیں اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆☆

علینہ کو اسپتال میں ایمرجنسی داخل کروانا پڑا تھا۔ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔ اسے فوری ٹریٹ منٹ کی ضرورت پڑی تھی۔ وہ سب بے حد پریشان تھے۔ عفرا نے ہاشم خان کو علینہ کی ڈائیورس کا بتا دیا تھا۔ جس نے تینوں بھائیوں کو حقیقی صدمہ پہنچایا تھا۔

باوجود چاہنے کے وہ سب علینہ سے اس نفرت کا اور بے رخی کا اظہار نہ کر سکے جو اس کی غیر موجودگی میں' اس کے لئے محسوس کرتے رہتے تھے۔ یوں بھی اس شخص کے لئے سزا بھی کیا ہو سکتی ہے جس کا پچھتاوا اور ندامت اس کے جرم سے زیادہ بڑھ گیا ہو۔ وہ جس اجاڑ' ویران روپ [illegible]ں اس کے سامنے آئی تھی' وہ آگ کے دریا کو عبور کر کے یہاں پہنچی تھی ایک راکھ کا ڈھیر ہوئی۔ [illegible]ب وہ اسے کیسی سزا دے سکتے تھے بلکہ اسے اس حالت' میں دیکھ کر ان کے دل پر چھائی کدورت' [illegible]رت اور غصے کی گرد جھڑ گئی تھی اور وہی محبت یوں ابھر آئی تھی جیسے مہتاب سیاہ رات کا سینہ چیر کر ابھر

آئے۔

اسپتال میں علینہ کے پاس عفرا تھی۔ اس کے بیٹے کو عائشہ سنبھالے ہوئے تھی جبکہ شیزا کو لگتا وہ سارا سارا دن بے وقوفوں کی طرح ادھر سے ادھر کمرے میں اور کمرے سے پچھلے باغ میں چکر لگاتی رہتی ہے۔ اس کا خیال تھا اسے اس گھر کے کسی فرد سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور کیوں ہونے لگی۔ آخر اس کا رشتہ ہی کیا تھا ان سب سے مگر باوجود اس سوچ اور خیال کے' وہ عفرا سے علینہ کی خیر خیریت پوچھنا نہ بھولتی۔ اس کے بیٹے کو کہیں بلکتا' روتا دیکھتی تو اٹھا کر بہلانے لگتی مگر ولید خان پر آتے جاتے نظر پڑ جاتی تو اسے لگتا اس کے اندر آگ لگ جاتی ہے۔ ایک سوکھا جنگل ہے جو تڑ تڑ جلنے لگتا ہے اور ایسے میں اسے اس گھر اور ہر شے سے نفرت ہونے لگتی۔

☆☆☆☆

شامِ غم کی سحر نہیں ہوتی !
یا ہمیں کو خبر نہیں ہوتی
ہم نے سب دکھ جہاں کے دیکھے ہیں
بے کلی اس قدر نہیں ہوتی
نالہ یوں نارسا نہیں رہتا
آہ یوں بے اثر نہیں ہوتی
چاند ہے کہکشاں ہے' تارے ہیں
کوئی شے نامہ بر نہیں ہوتی
ایک جاں سوز نا مراد خلش
اس طرف ہے ادھر نہیں ہوتی

وہ آنکھوں پر بازو دھرے صوفے پر لیٹا ہوا تھا۔ دروازے پر ہلکی سی آہٹ پر چونکا۔ ایک مانوس خوشبو اس کے اطراف پھیل گئی تھی۔ اس نے بازو کی جھری سے اسے دیکھ لیا تھا اور ا لگا اس کی سوچوں میں ٹھہرا ہوا تصور باہر نکل کر سامنے آ گیا ہو وہ اسے سوتا سمجھ کر اضطرابی انداز ؛ انگلیاں مسل رہی تھی۔

دوستو ! عشق ہے خطا' لیکن
کیا خطا درگزر نہیں ہوتی
رات آ کر گزر بھی جاتی ہے
اک ہماری سحر نہیں ہوتی
بے قراری سہی نہیں جاتی
زندگی مختصر نہیں ہوتی !

اس نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ نظروں کا تصادم ہوا تھا' اس نے پلکوں کی باڑھ جھکا لی مگر وہ ایک ٹک اسے تکتا رہ گیا۔

ماضی کے حوالے سے بہت کچھ یاد آ گیا۔

سیاہ چادر کے نقاب میں آدھ چھپا چہرہ اور جھانکتی وحشی ہرنی کی آنکھیں جس سے بے اعتباری جھانکتی نظر آتی۔ کتنی دور تھی وہ اور کتنے قریب لے آیا تھا اسے۔ اب یکدم پھر سے دور ہو گئی تھی۔ اتنی دور کہ چاہنے کے باوجود وہ فاصلے پاٹ نہیں پا رہا تھا۔

شاید ٹھیک کہتی ہے وہ۔ جس رشتے کی بنیاد ہی دھوکے فریب اور خود غرضی پر رکھی گئی ہو' وہ بھلا کیسے مضبوط اور پائیدار رہ سکتا ہے۔ وہ تو بھربھری مٹی کی طرح ڈھے جاتی ہے۔ آج اس رشتے کی ریت کا ملبہ بھی اس کے قدموں تلے پڑا تھا۔

وہی بے اعتباری'

وہی خوف اس کی آنکھوں میں آج بھی جھانک رہا تھا۔

آج بھی وہ اتنے ہی فاصلے پر نظر آ رہی تھی۔

ایک اذیت اس کی رگ رگ کو کاٹنے لگی۔

وہ کیوں آئی تھی؟ اس کا مدعا وہ جانتا تھا' سو خوش فہمی کو دل میں جگہ کیونکر ملتی۔

اس سے نظریں ہٹا کر وہ سیدھا ہوا اور پیروں میں سلیپر ڈالنے لگا۔

''میں کراچی جانا چاہتی ہوں۔

آپ اس سلسلے میں انتظام کر دیجئے۔ بڑی مہربانی ہو گی آپ کی۔'' وہ اسے اٹھتے دیکھ

ر جلدی سے بولی۔ اس نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔ ایک گہری سانس اس کے لبوں سے نکل کر فضا کو بوجھل کر گئی۔

دل پیالہ نہیں گدائی کا
عاشقی دربدر نہیں ہوتی

یہ فلسفہ اس کی سمجھ میں اب آیا تھا اور گویا دل پہلو سے نکلا جا رہا تھا۔

اس دھوکا دہی اور فریب کے سفر میں اس کا دل خود اسے دھوکا دے گیا تھا۔ وہ محبت کے پر فریب جال میں پھنس چکا تھا۔ اس وقت اس کے دل کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ بیک وقت اس کے شعور سے وہ متضاد سوچیں ٹکرا رہی تھیں۔ ایک یہ کہ اسے سختی سے یہاں روکنے اور رہنے پر مجبور کر دے اور دوسری یہ کہ اس کے سامنے اعتراف محبت کر لے اسے اپنی محبت کا واسطہ دے کر روکنے کی سعی کر لے۔

اسے تو اب پتا چلا کہ نفرت سے بھی زیادہ ایک طاقتور جذبہ ہوا کرتا ہے، وہ ہے محبت' اور اس جذبے کے ہاتھوں وہ اس کے لئے اچانک ہی 'لازم و ملزوم' بن چکی تھی۔

''پلیز' میری بات کا جواب دیں۔'' وہ اس کی خاموشی سے سلگ رہی تھی۔

''تمہاری بات کا جواب میں پہلے بھی کئی بار دے چکا ہوں۔ بلکہ دو دن سے مسلسل دے رہا ہوں کہ۔'' وہ ایک پل رکا پھر چلتا ہوا اس سے بہت کم فاصلے پر آ کر رک گیا۔

''جو ہو گیا' اسے بھول جاؤ۔ ہمارے رویے محض جذباتیت کی پیداوار تھے۔ ہمارے مابین جو رشتہ ہے اس قبول کر لو۔ کہتے ہیں نا کہ محبت طویل قربتوں کا ردعمل نہیں بلکہ یہ تو وحی کی طرح ہمارے دلوں میں اتر جاتی ہے۔ ہاں شیزاء وہ لمحہ جس میں تمہاری محبت کا تخم' میرے دل میں تناور درخت بن چکا ہے اس لمحے کو میں نے خود سے بھی چھپائے رکھا آج تک۔'' اس کے چہرے پر لحظہ بھر سرخی بڑھ گئی' دوسرے پل وہ پیچھے ہٹتی ہوئی تمسخر سے ہنس پڑی۔

''مسٹر ولید خان! میں اس طرح کے لفظوں کا زہر پہلے بھی گھونٹ گھونٹ کر کے پی چکی ہوں' میرے اعتبار کو ایسے ہی لفظوں کی ضربوں نے کرچی کرچی کیا ہے۔ اب مجھے یہ سب محض مذاق سے زیادہ نہیں لگتے۔'' وہ بظاہر ہنس رہی تھی مگر اس کی ہنسی میں اس کے شکستہ دل کی نمی بھی گھلی ہوئی تھی۔

''شیزا'' ولید کا دل سلگتی بھٹی بن گیا۔ اس نے تاسف اور گہرے صدمے سے اس کی طرف دیکھا۔

''تم سمجھ رہی ہو میں تم سے دل لگی کر رہا ہوں' فضول بکواس کر رہا ہوں' ان میں کوئی صداقت نہیں ہے۔'' اس نے بامشکل غصے کے ابال کر جیسے دبایا تھا۔

''میرے اور آپ کے درمیان اعتبار' اعتماد کا رشتہ نہیں رہا۔ ظاہر ہے میں اس طرح کی باتوں کو محض فضول بکواس سے زیادہ۔''

''شٹ اپ۔'' وہ اہانت کے احساس سے پارہ پارہ ہو کر چلا اٹھا۔ اسے اپنی کنپٹیاں سلگتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

وہ اس پر ایک نظر ڈال کر اپنے دل کی زیر زبر ہوتی دنیا کو سنبھالتی رخ پلٹنے لگی کہ وہ اس کا بازو پکڑ کر بولا۔

''یاد رکھو شیزا' میری محبت میں تندی ضرور ہے مگر ملاوٹ اور منافقت نہیں۔''

''میں آپ کی محبت برت چکی ہوں۔ وہ تو سراسر ملاوٹ اور منافقت سے بھری ہوئی تھی۔'' وہ اس کی گرفت سے خود کو چھڑاتے ہوئے دوبدو بولی۔

''وہ محبت نہیں نفرت تھی' میں اعتراف کرتا ہوں۔'' وہ یکدم حسیات کی زد میں آ گیا۔ ایک افسردگی دل و جاں پر محیط ہونے لگی۔

''اعتبار کرو شیزا۔ صرف ایک بار اعتبار کر کے دیکھو۔'' وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ وہ پلکیں بے ساختہ جھکا گئی۔ کیا کچھ نہیں تھا ان آنکھوں میں۔

محبت چھلکاتی نگاہیں۔
اعتبار کی بھیک مانگتی نظریں
اور قرب کی آنچ۔

وہ پگھل جاتی مگر کسی احساس نے اسے پھر سے بکھیر دیا۔

''کیسے اعتبار کر لوں۔ کہیں یہ بھی کوئی خوش نما دھوکا ہی نہ ہو۔ میرے لئے محبت اب

بے معنی اور لغو سی شے ہو کر رہ گئی ہے۔" ایک طنزآمیز ہنسی اس کے ہونٹوں پر لہرا کر منجمد ہو گئی۔

"اوہ یو۔" وہ جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑ کر اسے دل گرفتگی سے دیکھنے لگا۔ جھٹکا اس قدر زوردار تھا کہ وہ توازن نہ رکھ سکی اور دیوار گیر الماری سے جا لگی۔

آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں اس کا چہرہ لال انگارہ ہو رہا تھا۔

"مجھ جیسے اڑیل اور ضدی لوگ زندگی میں ایک بار اور ایک ہی سے محبت کرتے ہیں اور اس پر زندگی وار دیتے ہیں۔" وہ مضبوط اور ٹھوس لہجے میں بولا۔ مگر وہ ٹھہری نہیں دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

طویل راہداری میں سناٹا بکھرا ہوا تھا۔ وہ وہیں ایک کونے میں بڑے سے گملے پر بیٹھ کر اپنا ضبط توڑ بیٹھی۔ اسے لگ رہا تھا اس کا وجود ہوا کی زد میں آئے تنکے کی طرح بے حال ہو کر بکھر رہا ہو۔

وہ کیسے، کس طرح اس لہجے پر اعتبار کر لیتی جس نے پہلے بھی اسے خوبصورت لب و لہجے اور دل آویز جملوں کی مٹھاس سے ڈسا تھا۔

وہ تو اتنی خوفزدہ ہو کر رہ گئی تھی کہ رسی بھی اب سانپ لگتی تھی اور پھول دہکتا ہوا انگارہ۔

ان کالی کالی آنکھوں میں
کبھی رہتے تھے ہم بستے تھے
ان کالی کالی آنکھوں میں
کبھی اپنا ٹھور ٹھکانہ تھا
کبھی ہم نے آشا پائی تھی
ان کالی کالی آنکھوں میں
کبھی ہم نے جوت جگائی تھی

ولید نے ایک نظر سسکیاں بھرتی ثیزا پر ڈالی اور مضطرب سا باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆

لابی میں قدم رکھتے ہی حمزہ کی پہلی نظر قالین پر کھیلتے بچے پر پڑی۔ سیاہ اور نیلے رنگ کی کنٹراس جرسی سوٹ میں واکر میں بیٹھا بچہ سسکیاں بھر رہا تھا۔ مگر اس وقت لابی میں کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کی بھوری آنکھوں سے نکلنے والے آنسو کرسٹل کے موتی کی طرح اس کے رخساروں پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ خاصا حیران ہوا کہ یہ کس کا بچہ تھا؟ ہاشم بھائی کے دو بچے تھے جو اچھے خاصے بڑے تھے اور سلمان عائشہ ابھی اس ذمے داری سے فارغ تھے۔ تاہم حیرت اپنی جگہ' اس نے بچے کو واکر سے نکال کر اٹھا لیا اور تھپکنے لگا۔

"ارے حمزہ آپ۔" عائشہ فیڈر لئے آئی تو حمزہ کو دیکھ کر خوشگوار حیرت سے ذرا دیر ٹھٹکی۔

"یہ بچہ کس کا ہے عاشی؟ بہت کیوٹ ہے بھئی۔" "گھر میں سب کیسے ہیں' امی کی طبیعت ٹھیک ہے؟" وہ اس کی بات سنی ان سنی کرتی اس کے نزدیک چلی آئی۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ تم آئیں نہیں اتنے دنوں سے امی نے کہا جا کر معلوم کر آؤں۔ ایسا کبھی ہوا تو نہیں ہے۔ یہ بچہ کس کا ہے بتایا نہیں؟" وہ بچے کو لئے صوفے پر بیٹھ گیا اور چٹکی بجا کر اسے ہنسانے لگا۔

عائشہ نے اس پر ایک نظر ڈالی۔ اس کی تمام تر دلچسپی اور توجہ علینہ کے بیٹے کی طرف تھی۔ ایک ہوک سی اٹھی اس کے دل سے اور جیسے رگ رگ کو کوئی چیز کاٹنے لگی ہو۔

"یہ علینہ کا بیٹا ہے۔" ایک دو لمحے توقف کے بعد آہستگی سے بولی تو حمزہ کا چٹکی بجاتا ہاتھ فضا میں ہی معلق رہ گیا۔ اس کی نظریں بچے پر جم گئیں پھر جھٹکے سے اس نے عائشہ کی طرف دیکھا اور بچے کو یوں گود سے اتار کر قالین پر ڈالا جیسے غلطی سے کوئی بارود گود میں بھر لیا ہو۔ عائشہ ایک متاسفانہ سی سانس بھر کر رہ گئی پھر قالین سے عفان کو اٹھا لیا۔ اسے صوفے کے ایک کونے میں لٹا کر تھپکتے ہوئے اس کے منہ میں فیڈر لگا دی۔

"عائشہ.....یہ.....یہ" حمزہ نے کچھ کہنا چاہا مگر اسے لگا آواز اس کے حلق میں پھنس رہی ہو۔

"علینہ اسپتال میں ایڈمٹ ہے اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ میں اسی وجہ سے مما کی طرف آ نہیں سکی۔ بے حد ٹینشن میں ہیں آج کل یہاں سب۔" وہ عفان کے قریب ہی جگہ بنا کر بیٹھ گئی۔

"تعجب ہے' وہ اتنے معرکے سر کر آئی ہے اور اس کی تیمار داریاں ہو رہی ہیں۔ اس کے میاں کو سر آنکھوں پر بٹھایا جا رہا ہے' اس کی اولاد کی خدمتیں تم کر رہی ہو' پھر کس بات کا ٹینشن' ٹینشن تو اس کی گمشدگی پر تھا اب تو۔" وہ استہزائیہ ہنسا مگر اس کی ہنسی میں طنز سے زیادہ عائشہ کو کراہ سی محسوس

ہوئی جیسے اندر دل بہت زور سے ٹوٹا ہوا اور کانچ کی طرح بکھر کر رگ رگ کو زخمی کر رہا ہو۔

اس کی خوبصورت آنکھوں میں سرخیاں سی نظر آنے لگی تھیں۔

بلیک ٹراؤزر کی جیب میں ہاتھ پھنسا کر وہ ایک گہری سانس کھینچ کر مسکرایا۔

"کہاں تو قتل کر دینے کے درپے تھے تمہارے جیٹھ اور تمہارے شوہر اور اب کہاں۔"

"اسے اب کون سی سزا دیتے' وہ تو پہلے ہی کانٹوں کا سفر کر کے زخمی یہاں پہنچی تھی۔ جس کی رگ رگ سے لہو رس رہا ہو' اسے قتل کس طرح کرے کوئی۔" عائشہ کی آنکھوں کی سطح پر آنسو ابھر آئے۔ اس نے ڈبڈبائی نظروں سے اپنے بھائی کو دیکھا' پھر اس کے چہرے پر تحیر کے رنگ ابھرتے دیکھ کر بولی۔

"اسے ڈائیورس ہو چکی ہے۔"

"وہاٹ۔" حمزہ ایڑیوں کے بل پورا اس کی سمت گھوم گیا۔

"اور اب اس کی ذہنی حالت اس قدر ابتر ہے کہ اس کے ساتھ سوائے ہمدردی کے اور کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر آپ کے پاس ہمدردی کے دو بول ہوں تو اس کے پاس ضرور جایئے گا وگرنہ نہیں۔" وہ سسک پڑی۔

حمزہ گم صم سا کھڑا اسے روتا ہوا دیکھنے لگا۔ بے ارادہ بچے پر نگاہ گئی پھر لب دانتوں میں دبا کر وہ یکدم پلٹا اور لابی کا پردہ اٹھا کر باہر نکل گیا۔ عائشہ ملول نظروں سے ہلتے پردے کو دیکھنے لگی۔ تب عفرا اندر داخل ہوئیں۔

"حمزہ آیا تھا عاشی؟" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں' میں امی کی طرف گئی نہیں ہوں نا کئی دنوں سے اسی سلسلے میں آیا تھا خیر خیریت پوچھنے۔" وہ آنکھیں پونچھتی ہوئی صوفے سے کھڑی ہو گئی۔

"بہت تیزی سے باہر نکلا تھا۔ کیا تم نے علینہ کے بارے میں بتا دیا اسے؟" عفرا اس کی بھیگی پلکوں کو دیکھنے لگی وہ سر جھکا کر لب کاٹنے لگی۔

"کیا بتایا تم نے؟" وہ اس کے نزدیک چلی آئیں۔

"عفان کو دیکھ کر حیران ہوئے تھے کہ کون ہے یہ میں نے بتا دیا کہ علینہ کا بیٹا ہے۔

بتانا تو تھا کیا مجھے نہیں بتانا چاہئے تھا۔" اس نے عفرا کی طرف دیکھا تو وہ ایک سانس بھر کر عفان کی طرف آئیں پھر جھک کر اس کی پیشانی چومی اور صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئیں۔

"یہ بات چھپنے سے تو رہی' معلوم تو ہونا تھی۔"

"آپ اسپتال سے آ رہی ہیں؟"

"ہاں' ولید آیا تو میں ذرا بچوں کو دیکھنے چلی آئی۔"

"کیسی طبیعت ہے اب علینہ کی؟" وہ صوفے پر ہی آ کر ٹک گئی۔

عفرا نے ایک نظر اس پر ڈالی اور صوفے پر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

"ویسی ہی ہے۔ شیزا کہاں ہے؟" خیال آنے پر وہ عائشہ کو تکنے لگی۔

"اپنے کمرے میں ہی ہے۔ سب سے باتیں کرنا بھی چھوڑ رکھا ہے اس نے۔ خود کو بھی تو سزا دے رہی ہے۔" عائشہ کے لہجے میں دکھ مترشح تھا' پھر وہ اس دکھ کے احساس کے ساتھ بولی۔

"عفرا آپا! کیا وہ کراچی چلی جائے گی؟"

"یہ تو ولی پر منحصر ہے کہ وہ اسے روک سکتا ہے یا نہیں۔"

"مگر وہ تو ولی بھائی سے بات تک کرنے کی روادار نہیں ہے بلکہ انہیں دیکھ کر راستہ بدل لیتی ہے۔ کترا کر گزر جاتی ہے۔ وہ جب تک گھر میں ہوتے ہیں' وہ اپنے کمرے سے نہیں نکلتی پھر کیسے ممکن ہے کہ۔"

عائشہ کے لہجے سے مایوسی ٹپک رہی تھی۔ عفرا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆☆☆

عائشہ' عفان کو شیزا کو سونپ کر عفرا کے ہمراہ اسپتال آ گئی تھیں۔ وہاں سے اسے اپنے میکے جانا تھا۔ شیزا عفان کو لئے لان میں آ کر بیٹھ گئی۔

گھر میں عجیب اداسی اتر آئی تھی۔ علینہ کی روز بروز گرتی صحت نے اسے بھی پریشان کر دیا تھا۔ وہ چاہنے کے باوجود اس کے بارے میں کسی سے کچھ نہیں پوچھتی تھی۔

کبھی اس کا دل چاہتا وہ اڑ کر کراچی چلی جائے‘ اور کبھی دل چاہتا علینہ کے پاس جائے‘ اسے ایک نظر دیکھ آئے۔

عفان واکر میں بیٹھا ادھر ادھر بھاگتا پھر رہا تھا۔ رنگ برنگے پھول لہراتے پودے اس کے لئے تمام تر دلچسپی کا باعث بنے ہوئے تھے۔ اس کی توجہ عفان کی طرف ہوگئی۔ اسے مسکراتا ہوا دیکھ کر خود بخود مسکراہٹ اس کے لبوں پر بھی اتر آئی۔ عفان اس کی طرف دیکھتا تو وہ سر ہلا کر چٹکی بجا کر مسکرانے لگتی اور وہ کھل کھلا کر زور زور سے واکر ادھر ادھر بھگانے لگتا۔

منظر دلکش تھا یا اس کے حزیں چہرے پر مسکراہٹ کا اجالا‘ ولید اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

علینہ نے کہا تھا‘ ولی بھائی! شیزاء کو کراچی نہیں جانے دیجئے‘ اسے روک لیں‘ وہ تو ہمیشہ سے میری چوائس تھی آپ کے لئے۔ میں نے اسے ہمیشہ آپ کے نام پر ٹنگ کیا ہے اور جبکہ وہ آپکے نام ہو چکی ہے تو اسے کھونہ دیجئے گا۔''

اسپتال کے بیڈ پر لیٹی علینہ کی کمزور نحیف آواز جیسے اس کی سماعت میں گونجنے لگی۔

وہ تمام تر شدتوں سے شیزا کو دیکھنے لگا۔ اسے دیکھ کر اسے کھو دینے کا خوف جانے دل کے کس کونے سے نکل کر روح تک میں اتر گیا۔

''وہ مجھ سے متنفر ہے علینہ۔ وہ جدائی مانگ رہی ہے۔ میں اسے کیسے روک سکتا ہوں۔'' اس نے اپنی بے بسی بیان کردی۔ علینہ جواباً ہلکے سے ہنسی۔

''ہاں‘ میں جانتی ہوں وہ ذرا مختلف مزاج کی لڑکی ہے۔ اور پھر اس کے ساتھ جو ہوا اس سے اس کا اعتبار مجروح ہوا ہے مگر لگن سچی ہو تو منزل پانا ناممکن نہیں رہتا۔ وہ بھی آپ کو چاہتی ہے آپ سے ضرور محبت کرتی ہے۔'' یہ علینہ کی خوش فہمی تھی یا تسلی جو وہ اسے دے رہی تھی۔ وہ تعجب سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''ایک دھوکے باز شخص سے وہ کیونکر محبت کرنے لگی۔''

''نہیں‘ میں اسے جانتی ہوں نا۔ وہ بس ذرا غصیلی ہے اور جذباتی ہے مگر ہر جذبے میں فیئر ہے۔ اس کے دل میں داخل ہونے والے پہلے شخص آپ ہی تھے ولید بھائی اور آب تک آپ ہی ہوں گے‘ وہ بے شک آپ سے خفا ہے مگر آپ کی جگہ کسی کو بھی نہیں دے سکے گی۔''

علینہ کی تسلیوں پر اس کے دل پر جمی مایوسی کی گرد جھڑنے لگی تھی۔ ایک نئی ترنگ اور توانائی اس نے اپنی رگوں میں اترتی محسوس کی۔

اس کے قدم خود بخود دلان کی جانب اٹھنے لگے۔

اس کی توجہ اب بھی عفان کی طرف تھی۔

''محبت طویل قربتوں کا ردعمل نہیں بلکہ یہ تو وحی کی طرح ہمارے دلوں میں اتر جاتی ہے۔'' وہ پشت پر آ کر اس کی کرسی پر اپنے دونوں ہاتھ جماتے ہوئے بولا۔ وہ چونکی‘ مانوس خوشبو کو اپنے اردگرد محسوس کر کے جیسے اس کا دل بوجھل ہو گیا۔

''اس فلسفے کو تو ماننی ہونا۔'' وہ خفیف سا جھکا پوچھ رہا تھا۔

''میرا اب کسی بھی فلسفے پر اعتبار نہیں رہا ہے۔'' وہ اٹھنے لگی مگر اس کے ہاتھوں کا مضبوط دباؤ اس کی اس کوشش کو ناکام بنا گیا۔ اس کے لمس کی کرنیں اس کے وجود میں ہلچل مچا گئیں۔

''مگر‘ میرا کسی بھی فلسفے سے یقین نہیں اٹھا‘ خصوصاً محبت پر۔'' وہ چلتا ہوا اس کے سامنے آ گیا۔ وہ عفان کی واکر پر نظریں جمائے جمائے یکدم اس کے لیدر کی چپل میں مقید پیروں کو گھورتی رہ گئی۔

محبت آگ کی صورت۔
بجھے سینوں میں جلتی ہے تو دل بیدار ہوتے ہیں۔
محبت کی تپش میں کچھ عجیب اسرار ہوتے ہیں۔
کہ جتنا یہ بھڑکتی ہے‘ عروس جاں مہکتی ہے۔

اس نے نزدیک بیٹھ کر اس کی گود میں رکھے ہاتھ تھام لئے۔ وہ تڑپ کر اس کی گرفت سے ہاتھ کھینچنے لگی مگر وہ مسکراتا ہوا گرفت اور مضبوط کرتا ہوا بولا۔

''تھاما ہے تو محسوس کرو تمہیں ان ہاتھوں میں خوشبو وفا آئے گی۔'' وہ شاید اسے پسپا کرنے کا عزم لے کر آیا تھا۔

''مت کیجئے مجھ سے اس طرح لفاظی‘ میں علینہ نہیں ہوں ایسے کھوکھلے لفظوں کے کھنکتے

سکوں سے متاثر ہو جانے والی' مت بہلانے کی کوشش کریں ان جھوٹے لفظوں سے۔"

اس کا لہجہ زہر میں بجھا تھا۔شاید زیادہ غصہ گرفت مضبوط تر ہو جانے پر آ رہا تھا۔

ولید کی مسکراہٹ یکدم دھوئیں کے غبارے کی طرح گم ہو گئی۔اس نے ہونٹ باہم تندی سے بھینچ کر کھولے۔

"میں کوئی غیر نہیں شوہر ہوں تمہارا کہ تمہیں لفظوں کی شعبدہ بازی سے متاثر کرنے کی کوشش کروں۔" وہ غصے سے اس کا ہاتھ جھٹک کر کھڑا ہو گیا پھر قدرے تاسف آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

"محرم اور نامحرم کے لفظوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔" پھر ہلکے سے ہنسا۔ اور ہاں مجھے تمہیں متاثر کرنے کے لئے بے معنی لفظوں کی ضرورت ہی کیا ہے۔آخر تم میری جائز ملکیت ہو۔تمہیں بہلانے کے لئے الفاظ کیوں ضائع کروں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے کچھ ایسی نظروں سے اس کی طرف دیکھا کہ شیزاء کو اپنی رگ رگ میں سنسناہٹ دوڑتی محسوس ہونے لگی اس کی استحقاق بھری نگاہیں اس کے وجود میں تیر کی طرح پیوست ہونے لگیں۔وہ جھٹکے سے کرسی سے اٹھ کر دور جا کھڑی ہوئی۔

"میں آپ کی ملکیت ہوں نہ بیوی۔مجھ پر کوئی حق نہیں رکھتے آپ۔میں محض آپ کے ڈرامے کا ایک حصہ تھی۔علینہ کے حصول کے لئے سیڑھی اس سے زیادہ نہیں۔"

"فضول بکواس مت کرو۔" وہ بری طرح برہم ہو گیا۔"اس طرح کی احمقانہ باتیں مجھے غصہ دلا سکتی ہیں' میرے قدم پیچھے نہیں ہٹا سکتیں۔تم میری قانونی' شرعی' بیوی ہو۔" اس کی طرف ایک قدم اٹھایا ہی تھا کہ وہ حواس باختہ پیچھے ہٹی کہ واکر میں پیر الجھ کر رپٹ گیا وہ لڑکھڑا کر گرتی کہ اس نے جلدی سے اسے تھام لیا۔اسے تھامنے میں لمحہ کی تاخیر ہوتی تو وہ اوندھے منہ ضرور گرتی۔

"شیزا' شیزا گاڈ سیک' مجھے سمجھنے کی کوشش کرو میں بالکل فیئر ہوں تمہارے لئے' میری محبت تمہارے تمام دکھوں کو سمیٹ لے گی۔ایک بار اعتبار تو کرو۔" اس پر جھکا وہ آنچ دیتے لہجے میں بولا۔

وہ مچل کر اس کی گرفت سے نکل گئی۔

آنسو یکدم آنکھوں سے رواں ہو گئے۔وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹی اور جھک کر واکر میں کھیلتے عفان کو اٹھا کر بولی۔

"آپ کو اس کا واسطہ' خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دیجئے۔"

ولید رنج و تاسف سے لب بھینچے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

اتنی سخت دل' بے رحم تو وہ کبھی نہ تھی اتنی نازک سی لڑکی کے اندر یہ آہنی دل کیسے آ کرفٹ ہو گیا تھا۔

یا پھر اس کی محبت میں ابھی کمی تھی۔

دکھ اس کے دل کی رگ رگ کو جیسے کاٹنے لگا۔

علینہ جھوٹ کہتی ہے ورنہ میں اپنی منزل گم کر چکا ہوں۔میرے تمام راستوں پر اندھیرا پھیلا ہوا ہے۔موہوم سی امید کا اجالا بھی آج ختم ہوا۔ایک افسردہ سی سانس بھر کر وہ پلٹ کر اندر چلا گیا۔

وہ اسے خوف سے دھڑکتے دل کے ساتھ جاتا دیکھتی رہی۔یک دم گہری تھکن اور رنج دل کے کسی کونے سے ابھرنے لگا۔وہ نڈھال سی عفان کو لئے کرسی پر بیٹھ گئی اور اس کے سنہری سلکی بالوں پر اپنا کرب آلود چہرہ جھکا لیا۔

☆☆☆☆

وہ عفرا کے ساتھ علینہ سے ملنے اسپتال آئی تھی۔وہ کراچی جانے سے پہلے وہ اس سے ایک بار ضرور مل لینا چاہتی تھی۔

علینہ کو دیکھ کر اسے ذہنی دھچکا لگا۔وہ پہلے سے کہیں زیادہ کمزور ہو گئی تھی۔اسے ایسی حالت میں دیکھنے کا اسے تصور بھی نہ تھا۔اس کا ہاتھ تھام کر وہ رنج سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

وہ نیم غنودگی میں تھی' اس کے لمس پر پلکیں کھول کر اسے دیکھنے لگی' اس کے پپڑی زدہ ہونٹوں پر مسکراہٹ لہرا کر ٹوٹ گئی۔

"بیٹھو شیزا' میرا خیال تھا تم مجھ سے اتنی خفا ہو گی کہ میری میت کو بھی دیکھ کر منہ پھیر لو

گی۔"

"علینہ! ایسے مت کہو۔" اس نے تڑپ کر اسے جھڑکا اور آنسو پیتی ہوئی اس کے سرہانے بیٹھ گئی۔ اس کا کمزور سفید برف جیسا ہاتھ اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا جسے وہ غیر محسوس طور پر تھپکے جارہی تھی۔

"کیوں روگ لگا لیا ہے تم نے؟ کیوں برباد کر رہی ہو خود کو؟ سنبھل کیوں نہیں جاتیں۔؟"

"تم بھی تو برباد کر رہی ہو خود کو۔" وہ جواباً ہلکے سے بولی۔

پھر ایک گہری سانس بھرتے ہوئے بولی۔

"تمہارے سامنے تو روشن راستے ہیں مضبوط سائبان ہے تم کیوں اپنی انا کے ہاتھوں دھوپ میں جھلسنا چاہ رہی ہو۔ میرے تو راستوں پر اندھیرا پھیلا ہوا ہے' چاہنے کے باوجود منزل نہ پاسکی' میری بدبختی میرے ساتھ ساتھ رہی۔"

"علینہ! بھول جاؤ اسے ایک خوفناک خواب سمجھ کر۔" بھابھی نے اس کی پیشانی چوم لی۔ "تم بدنصیب نہیں ہو' تمہارے بھائی اب بھی تم سے محبت کرتے ہیں۔ شیزا کو بھی تم سے اتنا ہی پیار ہے جتنا پہلے تھا اور حمزہ۔ حمزہ اب بھی تمہاری منزل بن سکتا ہے اگر تم۔"

"بھابی۔" وہ اذیت کے احساس سے دوچار ہو کر چلائی۔ اس کے چہرے کی زردی میں اضافہ ہو گیا۔ عفرا نے سر جھکا لیا۔ شیزا نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔ پھر اچانک اس کے ذہن کے پردے پر وہ خوبصورت سا نوجوان لہرا گیا جسے اس نے عائشہ کے ساتھ کئی بار لان میں بیٹھے علینہ کی باتیں کرتے دیکھا تھا۔ اور آج بھی اس نے اسپتال میں اسے دیکھا تھا وہ علینہ کے کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا راہداری میں ہی نظر آیا تھا۔ پھر عفرا بھابی کو سلام کر کے تیزی سے وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

تو یہ تھا حمزہ جس سے علینہ کی منگنی ہوئی تھی اور نکاح ہو رہا تھا۔ جسے اس نے محض ایک گھٹیا' بے اعتبار شخص کے لئے رد کیا تھا۔

کاش' کاش وہ اسے اپنے گھر میں ایک رات پناہ دے کر اسے سمجھا لیتی' ایک غلط

قدم اٹھانے سے روک لیتی' یا پھر اس کے گھر والوں کو باخبر کر دیتی' علینہ کے ساتھ ایک چھوٹی سی بیوفائی کر لیتی' تو آج علینہ یوں برباد نہ ہوئی ہوتی۔

مگر شاید قسمت میں عبید انصاری کی ذات کا وہ خوش نما چولا اترنا لکھا تھا۔ اس کا و بھیانک چہرہ سامنے آنا لکھا تھا۔

اس کا دل افسردگی میں گیا۔

"میں حمزہ کے قابل نہ پہلے تھی نہ اب ہوں بھابھی۔ وہ اجلا شخص ہے' مجھ جیسی بے توقیر اور جھوٹے لفظوں اور کچے رنگوں کے پیچھے بھاگنے والی لڑکیوں کے لئے نہیں بنا' وہ ایک ان چھوئی' مضبوط کردار اور باوفا لڑکی کے قابل ہے۔" وہ مجروح لہجے میں بولی پھر شیزا کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ "ہے نا شیزا! جس طرح تم ہو' چاند کی طرح اجلی' ستاروں کی طرح روشن' میرے ولی بھائی کی قسمت کا ستارہ' اس کی خوش بختی کی منزل' ولی بھائی کو معاف کر دو شیزا! تمہیں میری محبت کا واسطہ' وہ تمہارے علاوہ اپنے دل کا دروازہ اب کسی کے لئے نہیں کھول سکیں گے۔ میں واقف ہوں ان سے' ہاں بھلا میں انہیں نہیں جانوں گی تو کون جانے گا' ایک ہی تو خون ہیں ہم' اڑیل' ضدی' بے وقوف' مگر محبت ٹوٹ کر کرنے والے' محبت میں فنا ہو جانے والے۔" اس کی آواز میں بے پناہ درد سمٹ آیا تھا پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

شیزا نے دیکھا اس کی آنکھوں کے گوشوں سے دو آنسو لڑھک کر تکئے میں جذب ہو گئے۔

"عفرا بھابی کی بات مان جاؤ علینہ' حمزہ اب بھی تمہارا منتظر ہے۔ وہ بھی تو تمہارے خاندان کا خون ہے' اتنا ہی اڑیل۔"

عفرا کمرے سے باہر چلی گئی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر دل ہلکا کر لیں۔ اور ایک دوسرے کو سمجھا لیں۔

"میں نے اس کی آنکھوں میں تمہارے لئے بہت پاکیزہ پر خلوص اور بے غرض محبت مہکتی دیکھی ہے۔"

علینہ کی پلکیں لرزنے لگیں۔ اس کے ذہن کی سطح پر حمزہ کا سراپا اتر آیا۔

وہ کئی دنوں سے اپنے ہاسپٹل کے کمرے باہر اس کے قدموں کی دھمک سنتی رہتی تھی۔ اسے کھڑکی سے جھانکتے' اسے محبت سے دیکھتے دیکھا تھا۔

وہ تو ہمیشہ ہی اس سے بے لوث اور بے غرض تھا' اس کی محبت شفاف چشمے کی طرح ہمیشہ نرم روی سے اس کے اردگرد بہتی رہتی تھی۔ مگر وہی ناقدر شناس نکلی۔

آپ نقرہ کو چھوڑ کر ایک گندے جوہڑ میں اتر گئی۔ اس کی پلکوں کے پار ماضی کے کئی خوش رنگ منظر لہرا گئے۔ وہ جب بھی خان ولا میں آتا' اسے ستائے بغیر نہ جاتا وہ گڑیا کے ساتھ کھیلتی تو وہ اسے چھیڑتا اور اس کی سب سے سجی سنوری گڑیا اٹھا کر چھپا دیتا۔ وہ ہنگامہ کھڑا کر دیتی۔

''عین بارات کے دن دلہن غائب ہوگئی چہ چہ۔''

وہ افسوس کرتا۔

''جی نہیں' بارات کل آئی ہے۔ آپ میری گڑیا واپس کریں۔ ورنہ میں گل بی بی سے شکایت کردوں گی۔'' وہ دھمکی دیتے دیتے ساتھ رو پڑتی۔ اور پھر حمزہ کو منانا مشکل ہو جاتا۔ گڑیا تو واپس کردیتا ساتھ' دوسری ڈھیر ساری چیزیں دیدلا کر چپ کرانا پڑتا۔

وقت سرکا تو شرارتوں کے رنگوں میں تبدیلی آ گئی' گڑیا سے کھیلنا اس نے ترک کر دیا تھا۔ مگر وہ کبھی کبھی اسے چھیڑتا۔

''تمہاری کسی گڑیا کی شادی وادی نہیں ہو رہی کیا؟''

''لو بھلا اب یہ عمر اس کی گڑیاؤں سے کھیلنے کی ہے اب تو خیر سے اس کی شادی کریں گے۔'' گل بی بی آنکھوں میں جوت لئے اسے دیکھتیں۔ ایسے میں حمزہ کی خوبصورت آنکھوں میں بڑے خوبصورت رنگ بکھر آتے۔ وہ گل بی بی سے آنکھیں بچا کر اس کا روپہلا چہرہ دیکھنے لگتا۔

''میں کوئی ابھی شادی نہیں کروں گی۔ میں تو ڈاکٹر بنوں گی۔ حمزہ بھائی کی طرح۔'' وہ برا سا منہ بنا کر کہتی۔

''اوہ ہو۔ اس کا مطلب ہے مجھ سے خاصی متاثر ہو۔'' وہ زور سے ہنس پڑتا۔

''جی نہیں' آپ سے نہیں آپ کے پروفیشن سے ضرور متاثر ہوں۔'' اس کے انداز

میں بھی بلا کی شرارت ہوتی۔ ہنسی تو اس کے چہرے پر جیسے چشمے کی طرح پھوٹتی رہتی اور حمزہ کو لگتا وہ سیراب ہو جانے کے باوجود تشنہ ہے۔

''علینہ! میں تمہیں کیسا لگتا ہوں۔'' وہ اکثر بچہ بن جاتا جانے کیا وہم ستانے لگے تھے اسے۔ وہ اس سے اکثر و بیشتر یہ سوال کرتا۔ وہ حیران ہو جاتی۔ مگر دوسرے پل اس کی شرارت اس کا احاطہ کرلیتی۔

''بہت برے لگتے ہیں بس گلے میں سٹیتھو سکوپ ہوتا ہے تو قدرے معقول لگتے ہیں۔''

''بلی ہو تم پوری۔'' وہ اس کی دراز سنہری چوٹی کھینچ کر کھڑا ہو جاتا۔

گو شب و روز

تیری یاد تیرے خواب سے

آراستہ ہیں

پر میری جان!

فقط یاد سے

کب شہر بستے ہیں

کب بھلا دشت

کوئی خواب سے سیراب ہوا!

یہ پہلی اور آخری نظم اس کو حمزہ نے عید کارڈ پر بھیجی تھی منگنی کے بعد۔

مگر شاید تب بہت دیر ہوگئی تھی۔ اس کے دل کے ہر خانے میں عبید انصاری سج گیا تھا۔ لفظوں نے وہاں پہلے ہی تہلکہ مچا ڈالا تھا۔ اسے اسیر کرلیا تھا۔

بڑے بے معنی' بے کار سے الفاظ لگنے لگے تھے اسے حمزہ خان کے۔

''علینہ' میری بات سن رہی ہو نا؟'' شیزا اس کے رخسار پر نرمی سے انگلیاں پھیرنے لگی۔

اس نے ایک گہری ملول سی سانس فضا کے سپرد کی اور آنکھیں کھول دیں۔

''سن رہی ہوں مگر سمجھ نہیں رہی۔ بہت مشکل زبان لگ رہی ہے تمہاری۔''

''ہاں تمہیں ہمیشہ ہی میری زبان مشکل لگی ہے۔ میری باتیں سمجھ نہیں آتیں۔ پتا نہیں

یہ میری بدبختی ہے یا تمہاری بے وقوفی۔'' وہ خفگی دکھا کر اٹھنے لگی کہ علینہ نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''خفا ہو گئیں۔ ایک تو یہ تمہاری جلد خفا ہو جانے والی عادت بہت بری ہے۔ اس طرح تو ولی بھائی کو تم بہت تنگ کیا کرو گی۔ چلو اچھا بھی ہے انہوں نے بھی تو تمہیں بڑا تنگ کیا ہے۔'' اس کا انداز چھیڑنے والا تھا۔ ایک سرخی شیزا کے رخساروں پر بکھر آئی۔ دوسرے پل اس کا دل اضطراب کا شکار ہو گیا۔ اداسی دل کو کاٹنے لگی۔ وہ اس کا ہاتھ نرمی سے تھپکنے لگی۔ کچھ دیر پہلے لگے انجکشن کا اثر آہستہ آہستہ علینہ کی رگوں میں اتر رہا تھا۔ وہ شیزا سے بہت سی باتیں کرنا چاہ رہی تھی مگر اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں' پھر وہ نیند میں چلی گئی تو شیزا راہداری میں آ کر ریلنگ سے لگ کر نیچے دیکھنے لگی۔

''کیا ہوا؟ علینہ سو گئی کیا۔' عفرا کے نرم ہاتھ کا لمس محسوس کر کے اس کے بدن میں ہلکی سی جنبش ہوئی اور ایک گہری سانس بھر کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پلٹی۔

''پتا نہیں اب اس سے کب ملاقات ہو۔''

عفرا نے دانتوں میں لب دبا کر اسے دیکھا' کچھ کہنا چاہا مگر پھر نگاہوں کا رخ پھیر کر اس کے ہمراہ دھیرے دھیرے چلنے لگیں۔

''آپ جائیں علینہ کے پاس' میں یہیں سے رکشہ لے لوں گی۔'' وہ سیڑھیاں اترتے ہوئے عفرا کی طرف پلٹ کر بولی۔

''ولید آتا ہی ہو گا تم اس کے ساتھ چلی جانا۔ اکیلی کہاں جاؤ گی۔'' ان کے لہجے میں تشویش تھی۔ انہوں نے پارکنگ لاٹ کی طرف نظریں دوڑائیں۔

''میں ایسے عارضی سہاروں کی عادی نہیں ہونا چاہتی۔ آپ فکر مند نہ ہوں یہ شہر میرے لئے اجنبی ہے نہ میں اس کے لئے۔'' وہ تسلی دینے والے انداز میں مسکرائی اور چادر اچھی طرح لپیٹ کر بقیہ سیڑھیاں بھی پھلانگتی اتر گئی۔

* * * *

وقت کے سمندر میں
زندگی کی ناؤ کو کچھ اور ڈگمگانا ہے۔
پر ہم کو لوٹ آنا ہے
تم سے کیا کہیں جاناں
دھواں دھواں سا آسماں
کٹے کٹے سے بادباں
شوریدہ سر ہوائیں بھی
ڈھکی چھپی مسافتیں
مسافتوں کی دھند میں گم
ہزارہا جزیروں میں
ہزارہا جزیرے ہیں
ایک وہ جزیرہ ہے۔
جس کی وسعتوں میں گم

اک صدائے آشنا

ہمیں واپس بلاتی ہے

میرے چہار سو بہت دور تک

بڑی کہر ہے جمی ہوئی

اور راستے مسدود ہیں

پر ہم کو لوٹ آنا ہے۔

اس جزیرے کی طرف' جس پر تم کھڑے ہو

تم جو اک جزیرہ ہو' اور آخری جزیرہ ہو

محبت کے سمندر میں

وہ ''خان ولا'' جانے کی بجائے بے مقصد سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر چلتی رہی۔ اس کا ذہن علینہ کی باتوں کی طرف تھا۔

راستے میں ایک مقامی پارک دیکھ کر وہ وہیں ایک بینچ پر بیٹھ گئی۔

اس نے محسوس کیا اس کی آنکھیں ڈبڈبا رہی ہیں۔ ہر چیز دھندلی دھندلی نظر آ رہی ہے۔ بس ایک تصویر تھی جو صاف اور واضح تھی جو اس کے دل کے جزدان میں سجی تھی۔ لاکھ وہ اس سے متنفر تھی خفا تھی' برہم تھی مگر سے اکھاڑ کر پھینک نہیں سکی تھی' اس سے منہ نہیں موڑ سکی تھی۔

علینہ کی باتوں نے اس تصویر کو اور بھی واضح کر دیا تھا۔

''آہ محبت شاید دکھ ہی دکھ ہے' وصل کی چھاؤں ہو یا ہجر کی دھوپ۔ یہ ہم لڑکیوں کے لئے میٹھی میٹھی کسک ہی رہتی ہے۔ نہ بکھرنے دیتی ہے نہ جڑنے۔''

اس نے بینچ کی کھردری سطح سے سر ٹکا لیا۔

پارک میں اچھی خاصی رونق تھی مگر اس کے اندر تو سناٹا اترا ہوا تھا اور اپنے اندر کا یہ سناٹا اسے ہر شے پر محسوس ہو رہا تھا۔

درخت بھی اسے بے حد خاموش ملول اور اداس اداس سے دکھائی دے رہے تھے۔

سامنے پھیلے پہاڑ بھی افسردگی میں ڈھلے لگ رہے تھے۔ جیسے اس کے دل کے ہمراہ رو رہے ہوں۔

''تم کہتی ہو علینہ! تم اور تمہارے بھائی اڑیل ضدی ہیں مگر محبت میں فنا ہو جانے والے ہیں' ٹوٹ کر محبت کرنے والے ہیں' مگر کیا میرے دل سے زیادہ ضدی' پاگل' اڑیل ہو گے' اتنا کچھ سہنے کے باوجود تمہارے بھائی کی محبت میں دیوانہ ہے۔ آہ' میری طرح ٹوٹ کر چاہے گا کوئی' میری طرح فنا ہو جانے والا بھی ہو گا کوئی' سارے ہتھیار اس کے قدموں میں ڈال دیئے۔ اپنے بچاؤ کے لئے تو کچھ بھی نہیں رکھا۔

اچانک اسے احساس ہوا وہ سسکیاں بھر کر رو رہی ہے اور قریب کھیلتے بچے اسے بڑی عجیب نظروں سے دیکھ دیکھ کر آپس میں گھسر پھسر کر رہے تھے۔ ان کے خیال میں بڑے بھی اس طرح روتے ہیں۔

وہ رخساروں پر لڑھکتے آنسوؤں کو جلدی جلدی پونچھنے لگی۔ بچے دوبارہ اپنے کھیل میں مگن ہو گئے تھے۔ وہ بینچ سے کھڑی ہو کر درختوں کی لمبی سی قطار کے نیچے کنارے کنارے چلنے لگی۔ جا بجا سوکھے پتے بکھرے ہوئے تھے جو قدموں تلے آ کر چرمرا رہے تھے۔ اسے لگا ''ولید خان کے بغیر اس کی زندگی بھی شاخ سے ٹوٹا ہوا پتا بن کر رہ جائے گی۔

بے حیثیت

بے نوا

بے کس

وقت کی ہوا جہاں چاہے گی اڑاتی لیجائے گی۔

خان ولا میں قدم رکھتے ہی اس کے دل کی حالت عجیب سی تھی۔ اسے آج یہ کوٹھی بالکل نئی اور اجنبی اجنبی سی لگ رہی تھی۔ باغیچے میں کھڑے ہو کر اس نے موسم کی نغمگی کو محسوس کیا اور ایک گہری سانس بھر کر ساری طراوت جیسے پھیپھڑوں میں اتار لی۔ اسے لگا اندر روشنی سی اتر گئی ہو۔

''لابی میں آئی تو علینہ کا بیٹا کھیل رہا تھا' اسے دیکھ کر چہکنے لگا۔ اس نے بے حد پیار سے اسے گود میں بھر لیا۔ پھر اسے اٹھائے کچن میں چلی آئی۔

عائشہ چکن میں مصالحہ چڑھاتے ہوئے اسے دیکھ کر دوستانہ انداز میں مسکرائی۔ جواباً وہ بھی بھرپور انداز میں مسکرا دی۔

''علینہ کیسی ہے اب؟ انہوں نے پوچھا تو اس کے دل میں ہوک سی اٹھی۔ ہلکی سی سانس بھر کر سر ہلا دیا۔

''قدرے بہتر ہے۔''

''تمہیں دیکھ کر تو بہت خوش ہوئی ہوگی؟'' وہ بیسن پر ہاتھ دھوتے ہوئے بولیں۔

''ہاں۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ کیا بنا رہی ہیں آپ۔ خوشبو تو بڑی زبردست آ رہی ہے۔'' وہ یکدم کسی خیال سے نکل کر موضوع بدل کر مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی۔ ساتھ ہی عفان کو سلیپ پر بٹھا دیا اور کٹی ہوئی سلاد اٹھا کر کھانے لگی۔

عائشہ نے غایت درجے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا یہ انداز' یہ لہجہ بالکل نیا سا تھا۔ بے حد اپنائیت آمیز' بے حد بھلا سا۔

''ولید بھائی کو بھی سلاد بہت پسند ہے' انہی کے لئے کاٹی ہے۔'' عائشہ اسے رغبت سے سلاد کھاتے دیکھ کر ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تو لحظہ بھر کھیرے کا ٹکڑا منہ میں لے جاتے ہوئے اس کا ہاتھ ٹھٹکا' مگر دوسرے پل وہ بے پروائی سے کھانے لگی۔

''سلاد کسے ناپسند ہوتا ہے عائشہ بھابھی۔'' اس نے ایک ٹکڑا عفان کے ہاتھ میں تھمایا اور پھر اسے اٹھا کر باہر نکل گئی۔ عائشہ پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ولید کے ذکر پر اس کے چہرے پر کھنچاؤ آیا تھا نہ کسی طرح کی برہمی۔ بلکہ ایک خوبصورت رنگ پھیلتے اور سمٹتے انہیں دیکھنا بڑا دلچسپ اور حیرت آمیز لگا تھا۔ وہ بالکل بگڑی نہ تھی بلکہ مسکرائی تھی۔

ایک خوشگوار حیرت آمیز مسرت نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔

☆☆☆☆

عائشہ سوپ کا پیالہ زبردستی علینہ کو پکڑا رہی تھیں کہ حمزہ اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں بوکے تھا۔ عائشہ نے علینہ کی طرف دیکھ کر حمزہ پر ایک نظر ڈالی پھر مسکراہٹ چھپانے کے لئے جلدی سے پیالہ رخ موڑ کر رکھنے لگی۔

''بہت دن عیش کر لئے اب یہاں سے جانا نہیں ہے کیا۔'' اس نے اس کے چہرے پر نگاہیں جمائیں اور بوکے اس کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ اس خوشی میں کہ تم اب زندگی کی طرف دوبارہ لوٹ آئی ہو۔'' وہ اس کی اٹھتی استفہامیہ نظروں کے جواب میں بولا تو اس نے پلکیں جھپک کر جھکا لیں۔ ایک کرب اس کے چہرے پر پھیل گیا۔

''یہ تو آپ کا خیال ہے نا۔'' اداس سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل کر منجمد ہو گئی۔ بوکے کے ساتھ چسپاں چھوٹے سے خوبصورت ہینڈ رائٹنگ میں لکھا تھا۔

It's for

Those

We love

We think about

میری زمیں پر جو چاندنی ہے' وہ سب تیری ہے

میرے فلک پر جو دل کشی ہے وہ سب تیری ہے

جو تیرے منظر میں اور منظر ہیں سب میرے ہیں

جو میرے سینے میں شاعری ہے وہ سب تیری ہے

جو تیری مٹھی میں خوشبوئیں ہیں وہ سب میری ہے

جو میری آنکھوں میں روشنی ہے وہ سب تیری ہے

اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں' بہت سے منظر بہت سی باتیں یاد آ کر دل کا لہو کرنے لگیں۔

"روشنیاں تمہاری مٹھی میں ہیں علینہ۔ اسے کھول کر خود کو اور مجھے' ور کر دو' مسکراہٹوں کو باہر آنے کا راستہ دو' خود بخود دھند چھٹ جائے گی۔"

اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ حمزہ کے ہاتھوں میں اس کا ہاتھ جانے کیسے آ گیا تھا۔ اس نے چہرہ اوپر اٹھایا۔ عائشہ باہر جا چکی تھی۔ اور وہ اسے بڑی امید بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ان میں اپنائیت آمیز نرمی تھی۔

اس کا دل نامانوس سی افسردگی سے ڈھل گیا۔ اس نے اس کی گرفت سے ہاتھ کھینچ لیا اور اپنی ہتھیلی کو دیکھتے ہوئے اداسی سے بولی۔

"میری مٹھی میں روشنی نہیں اندھیرا ہے حمزہ۔ اتنا اندھیرا جو آپ کو بھی نگل جائے گا۔ آپ ناحق خود کو ایک اندھیرے جنگل میں گم کرنا چاہ رہے ہیں۔" ایک ملول سی سانس بھر کر اس نے سر تکیے سے لگا لیا۔

اس کی آنکھیں خشک تھیں مگر آنسو دل پر گر رہے تھے۔

"میرا دل ایک خالی' بے آباد مکان ہے جس کی دیواروں پر وحشت منڈلا رہی ہے۔ یہ آپ کے لئے کسی خوشی کا کیا باعث بنے گا' آپ انمول ہیں حمزہ۔ میرے پاس آپ کو دینے کو کچھ نہیں ہے' میں بہت خالی ہوں۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

حمزہ نے اٹھ کر اس کے کمرے کے پردے کھول دیئے اور اس کے قریب رکھی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

وہ نظریں جھکائے اپنے ہاتھوں کو گھور رہی تھی مگر اس نے محسوس کیا وہ درحقیقت اپنے منتشر اعصاب کو سنبھال رہی تھی۔

"میں تم سے مشروط محبت تو نہیں کر رہا۔ بدلے میں تم سے کچھ مانگ تو نہیں رہا۔" اس کے حوصلے شاید اب بھی توانا تھے وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ پھر ہلکے سے ہنسی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے' ہم انسانوں کی محبت غیر مشروط ہو رہی نہیں سکتی۔ ہم بدلے میں محبت کم یا زیادہ چاہتے ضرور ہیں۔ غیر مشروط محبت تو صرف خدا کرتا ہے۔ اپنے بندوں سے' گناہ

کئے جاؤ وہ پھر بھی بخشتا رہتا ہے۔ بنا مانگے ابرِ رحمت برساتا جاتا ہے۔ آپ خدا ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔"

وہ شاید اس کی ہمتیں توڑنا چاہتی تھی۔

اس کے قدموں کو روک رہی تھی۔

"نعوذ باللہ۔ میں ایسا دعویٰ کیسے کر سکتا ہوں۔ بلکہ اس کائنات کی کوئی مخلوق کر ہی نہیں سکتی۔" اس نے خاصی شکایتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ پلکیں جھکا گئی۔

"تو پھر؟"

"کیا تم عبید کو اب بھی چاہتی ہو' اسے بھولنا نہیں چاہتیں؟" اس نے ایک اندیشے کے ساتھ سوال پوچھا۔

"حمزہ۔" وہ بری طرح مجروح ہوگئی۔ اس کے چہرے پہ پھیلے کرب میں اضافہ ہوگیا۔

"میں ایک بے اعتبار' بدکردار اور لالچی شخص کو یاد کر کے اپنے دل اور ذہن کو آلودہ کرنا نہیں چاہتی۔ جو شخص محبت جیسے پاکیزہ جذبے کے نام پر فراڈ کرتا ہو۔ اس سے محبت کر کے محبت کی توہین ہوتی ہے۔ ہمارے درمیان علیحدگی کی کوئی اور وجہ ہوتی تو شاید وہ آج بھی میرے دل کی مسند پر بیٹھا ہوتا مگر اب ایسا نہیں ہے' جو شخص ایسے انمول جذبوں کے قابل نہ ہو اس پر ایسا قیمتی جذبہ عیاں کر کے ہی میں ابھی تک پچھتا رہی ہوں۔" وہ دوپٹے کے کنارے سے آنسو پونچھنے لگی۔

حمزہ کے اندر جیسے گونا گوں سکون اتر گیا۔ اسے لگا اس کی ڈولتی' ڈگمگاتی ناؤ کو اب کنارے پر آنے سے کوئی تند لہر نہیں روک پائے گی۔ یہ وقتی شوریدہ لہریں تھیں۔

"دراصل علینہ' تم اندیشوں اور وہموں کے جنگل میں گم ہو' میں تمہیں اس جنگل سے نکالنا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے تم ابھی نہ سہی ایک وقت گزرنے کے بعد اپنے قیمتی جذبے میرے نام کرنے پر مجبور ہو جاؤ گی۔" اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر ہلکے سے دبایا اور چھوڑ دیا۔ وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی اسے بس دیکھتی رہ گئی۔ وہ اٹھ کر کمرے سے چلا گیا مگر وہ یونہی بیٹھی رہی۔

☆☆☆☆

اس نے سوئے ہوئے عفان پر ایک نظر ڈالی' پھر لحاف اچھی طرح اس پر ڈال کر بیڈ سے اتر کر بالکنی میں آکر کھڑی ہوگئی۔

باہر ملگجا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ شام ڈھل چکی تھی۔

آج اسے موسم میں بھی بے پناہ دلکشی محسوس ہو رہی تھی۔ خنک ہوائیں جسم سے ٹکرا کر عجیب سرشاری اور خوشگوار ریت بھر رہی تھیں۔

ایک عرصے بعد اس کے لبوں پر گنگناہٹ آئی تھی۔

تو بہاروں کی خوشبو گھنی چھاؤں ہے

میں ستارہ تیرا

زندگی کی ضمانت تیرا نام ہے

تو سہارا میرا

میں نے ساری خدائی میں تجھ کو چنا

تو سمندر ہے میں ساحلوں کی ہوا

یکدم وہ چپ ہوگئی۔ دروازہ کسی نے ہلکے سے بجایا تھا۔ اس نے بالکنی کے گلاس ڈور سے دیکھا تو اسے اپنا دل پسلیوں میں دبتا محسوس ہونے لگا۔ رگوں میں خون کی گردش تیز ہوگئی۔

ولید اندر داخل ہوا تھا۔ سیاہ شلوار سوٹ میں سادی سی چپل میں قدرے سنجیدگی کے ساتھ۔ اس نے جلدی سے چہرہ موڑ لیا۔ بڑے عرصے بعد اس کا دل اسی انداز میں دھڑکا جو پہلے پہل ولید خان کو دیکھ کر دھڑکتا تھا۔ اور جب نکاح کے بعد پہلی بار وہ اس کے نزدیک آیا تھا۔ وہ اپنی اس کیفیت پر خود بھی حیران رہ گئی' بلکہ علینہ سے ملنے کے بعد سے اب تک وہ اپنی قلبی کیفیت پر حیران سی ہوتی آرہی تھی۔

''بہت تھوڑے وقت میں عفان تم سے بہت زیادہ مانوس ہوگیا ہے۔'' وہ سوئے ہوئے عفان پر نظر ڈال کر اس کی طرف چلا آیا۔

''بچے تو توجہ اور محبت کے طلب گار ہوتے ہیں۔ جہاں ملتی ہے وہیں کے ہوجاتے ہیں۔'' وہ ہلکے سے بولی۔ پہلی بار اس کے لہجے میں تنفر' بے زاری نہیں تھی۔

''بچے ہی نہیں ہر شخص توجہ اور محبت کا طلبگار ہوتا ہے۔ میری طلب پر تو تم نے کبھی توجہ ہی نہیں دی۔'' ایک ملول سی سانس ولید کے لبوں سے خارج ہوگئی۔

''اسے خود سے اتنا مانوس مت کرو کہ جدائی پھر وہ سہہ نہ سکے۔'' اس نے چلتے ہوئے بالکنی کے جنگلے پر ہاتھ رکھ کر اس پر ایک نظر ڈالی۔ ''قربت اتنی جاں فزا نہیں ہوتی جتنی جدائی جاں سوز ہوتی ہے۔''

شیزا کا دل پہلو سے جیسے کسی نے نکال کر مٹھی میں لے کر دبایا تھا۔ اس نے لرزتی پلکیں بامشکل اوپر اٹھائیں۔ کچھ کہنا چاہا مگر الفاظ گرفت میں نہ آسکے۔ پلکوں کی باڑھ اس نے جھکالی۔

''ہم کیا سوچتے ہیں اور تقدیر ہمیں کیا دکھاتی ہے۔'' ایک گہری سانس بھر کر وہ ہلکے سے ہنسا تھا۔ اس کی یہ ہنسی استہزائیہ تھی۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھنے لگا۔ اس کی اٹھتی گرتی پلکوں کا کھیل اس کے دائیں رخسار کو کندن کی طرح دمکا رہا تھا۔ ناک میں چمکتی لونگ پر بالکنی کی چھت سے آنے والی روشنی' براہ راست پڑ رہی تھی۔ اسے یکلخت ایک گہری دل گرفتگی نے جکڑ لیا۔ وہ اس کی تمام باتوں پر کس طرح کا ردعمل ظاہر نہ کر رہی تھی بلکہ بالکل ساکت تھی۔ زندہ مجسمے کی طرح سامنے درخت پر نظریں جمائے ہوئے۔

اس نے لب بھینچے اور نظروں کا رخ موڑ کر جیب ٹٹولنے لگا۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ وہ بے حد خاموشی سے اس کے قرب کی آنچ کو اپنے دل پر محسوس کر رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ دونوں یونہی ساتھ ساتھ کھڑے رہیں۔ اور رات ڈھل جائے۔

وہ بولتا رہے' وہ سنتی رہے' پھر دونوں ہی ایک دوسرے کی تھکن سمیٹ لیں کہ وہ بھی بڑی تھک گئی تھی۔ تھکن جیسے رگ رگ سے اڈی جا رہی تھی۔ اسے اب ولید خان کے ہمدرد غمگسار کندھے کی طلب ہو رہی تھی۔ جس پر سر رکھ کر وہ سارے آنسو بہا دے' ساری تھکن اتار کر آسودہ ہوجائے۔

مگر وہ اس کے دل کی حالت سے بے خبر کہہ رہا تھا۔

''شیزاء کیا ہی اچھا ہو کہ اس بے یقین' بے اعتبار لمحات کو طول دینے کی بجائے' بے

زاری کے اس سفر پر چل کر اپنے آپ کو زخمی کرنے کی بجائے اسے ختم کر دیا جائے' یوں بھی دکھ ہے تو' جدائی کا ہی سہی۔ کم از کم تمہیں تو آزادی سے جینا میسر آ سکے گا۔ تم نے پہلی بار ہی کچھ طلب کیا ہے مجھ سے' یہ تمہاری خواہش کے مطابق کراچی کا ٹکٹ ہے۔ میری طرف سے شاید پہلا اور آخری خلوص بھرا تحفہ۔'' وہ ایک پل رکا' شاید خود کو سنبھالنا چاہ رہا تھا پھر آہستگی سے بولا۔ ''حقیقتاً یہ صرف تمہارے لبوں پر مسکراہٹیں لانے کے لئے ایسا کر رہا ہوں۔ وگرنہ۔'' اس کے ہاتھ کی گرفت جنگلے پر مضبوط ہو گئی۔

شیزا کو اپنی ہستی ہوا کی زد میں آئے تنکے کی طرح اڑتی محسوس ہوئی۔ ایک تڑپ کے ساتھ اس نے ولید خان کو دیکھا۔ یہ اسے خوشی کا مژدہ سنا رہا تھا یا اسے غم کے سمندر میں پھینک رہا تھا۔

''کچھ دنوں کے بعد تمہاری باقی خواہش بھی پوری کر دوں گا۔ میں جانتا ہوں ہمارے راستے الگ ہیں یہ کبھی ایک نہیں ہو سکیں گے' مگر یونہی کچھ دن میں تم سے مہلت مانگ رہا ہوں شاید ابھی چند دن اور بھرپور طریقے سے سوچنا چاہتا ہوں' اس کے بعد تو تم میرے لئے شجر ممنوعہ ہو جاؤ گی۔'' وہ بولتے بولتے یکدم چپ ہو کر اذیت کے عالم میں لان میں پھیلنے والی تاریکی کو گھورنے لگا بلکہ شدت سے محسوس کرنے لگا۔ ایسی ہی تاریکی اس کے اندر بھی ڈیرا ڈالے ہوئے تھی۔

شیزا کو اپنے اعصاب ماؤف ہوتے محسوس ہونے لگے۔ وہ سناٹے میں رہ گئی۔

ایسی خواہش کب کی تھی اس نے؟

پہلے ہی کون سی خوشی تھی جو اسے موت کا پیغام دینے چلا آیا۔

اس نے کب موت کی خواہش کی ہے اس سے' کب اپنی موت کا مطالبہ کیا تھا۔

احتجاج کی پرزور لہریں اس کے اندر سے اٹھ اٹھ کر اندر ہی دم توڑنے لگیں۔ آنسوؤں نے حلق میں پھندہ ڈال دیا تھا مگر پلکوں کی مضبوط باڑھ اسے باہر آنے سے روکے ہوئے تھی۔ پتا نہیں انا نے یہاں بھی قدم گاڑے تھے یا ایک حجاب نے۔ ٹوٹنے کے باوجود بکھرنے نہیں دیا۔ تاہم اندر سے وہ بکھری بھری ریت کی طرح ڈھے رہی تھی' اسے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا مشکل لگنے لگا۔ اسے لگا کہ وہ مزید کھڑی رہنے کی کوشش بھی کرے گی تو گر جائے گی۔ وہ خود کو گھسیٹتی ہوئی

پلٹی اور جا کر بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔

ولید نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ چہرہ موڑے اسے بالکل گم صم دکھائی دی۔ اس کی یہ خاموشی اس کا دل چیرنے لگی۔ ایک موہوم سی امید لے کر وہ آیا تھا کہ وہ یہ ٹکٹ اس کے ہاتھ سے لے کر پھاڑ دے گی۔ اس سے لگ کر کدورت کے سارے آنسو بہا ڈالے گی۔ اس کی تھکن سمیٹ لے گی مگر وہ تو اس کی تھکن بڑھا ہی گئی۔ اسکی خاموشی نے اس کی خوش فہمی کو ادھیڑ کر رکھ دیا۔ اس کا دل چاہا وہ اپنی ایسی خوش فہمیوں پر جی کھول کر ہنسے۔

آگہی کے لمحے انسان پر اچانک وارد ہوتے ہیں' تب وہ حیران ہوتا ہے خود پر اور کبھی متاسف کہ وقت کی ڈور کبھی ہاتھ آ جاتی ہے کبھی اتنا وقت گزر چکا ہوتا ہے کہ مداوے کا تلافی کا کوئی امکان نہیں رہتا' مجھے معاف کر دینا شیزا۔ میں کسی طور تلافی نہیں کر سکا۔ یہ اذیت مجھے عمر بھر کاٹتی رہے گی شاید۔ بس یہ حقیر سی کوشش کی ہے مداوے کی۔'' اور ایک گہرا سانس بھر کر بالوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا اس کے جھکے ہوئے سر کی طرف دیکھا پھر اس نے اس کے چہرے کو جھٹکے سے اوپر اٹھتے دیکھا۔ مگر بولی کچھ نہیں۔ نظریں ملیں تو پلکیں جھپک کر جھکا لیں۔ ولید کا دل چاہا اس کے نزدیک بیٹھ کر ایک بار پھر اسے منانے کی سعی کرے مگر چاہنے کے باوجود وہ ایسا نہ کر پایا۔ شاید اس کی طرف سے مسلسل خاموشی نے اس کے اندر امڈتی ہمتوں اور حوصلوں کو پسپا کر دیا تھا۔

اس نے جذبات کی لو نیچے کر لی اور جھک کر عفان کو اس کے بیڈ سے احتیاط سے اٹھایا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ تب بھی وہ اسی طرح ساکت بیٹھی رہی۔ ٹکٹ اس نے بیڈ پر رکھ دیا تھا جو پنکھے کی ہوا سے ادھر ادھر اڑتا پھر رہا تھا۔

اس نے ایک شکستہ نظر کاغذ کے اس چھوٹے سے ٹکڑے پر ڈالی۔ بظاہر بے ضرر اور حقیر نظر آنے والا کتنی جاں سوز اذیت آمیز جدائی کا سندیسہ بن گیا تھا۔ اس نے یہ کاغذ مٹھی میں جکڑ لیا ایک تکلیف دہ رنگ نے اس کے چہرے کا احاطہ کر لیا' روح میں اتر گیا۔ جانے کہاں سے بہت سے آنسو اچانک ہی پلکوں کی وہ مضبوط باڑھ توڑ کر بہہ نکلے اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگی۔

☆☆☆☆

اسے چاہا بھی تو اظہار نہ کرنا آیا
کٹ گئی عمر ہمیں پیار نہ کرنا آیا
اس نے مانگا بھی اگر تو جدائی مانگی
اور ہم کو مگر انکار نہ کرنا آیا

دروازہ کھول کر عفرا بھابی نے اندر جھانکا تو ولید جوتوں سمیت صوفے پر دراز نظر آیا۔ وہ دروازہ کھلنے کی آواز پر ذرا سا چونکا تھا پھر اٹھی نظروں کو بے پروائی سے جھکا گیا تھا۔

"ولید! پاگل ہو گئے ہو کیا؟ شیزا کو تم کراچی بھیج رہے ہو۔" انہوں نے حیرت، غصے اور بے بسی سے اسے دیکھا۔ اس کے لبوں پر خفیف سی رنجیدہ مسکراہٹ بکھر آئی۔

"ہاں، اس لئے کہ وہ جانا چاہتی ہے۔" اس نے ابرو اچکا کر ان کی طرف دیکھا۔

"یوں بھی وہ یہ کام خود کر سکتی تھی۔ کراچی کا ٹکٹ لینا کون سا مشکل تھا مگر اس نے مجھ پر کسی معاملے میں ٹرسٹ کیا ہے۔ میں کیسے اسے مایوس کر دیتا۔"

"وہ احمق ہے تو تم اس سے زیادہ احمق ثابت ہو رہے ہو۔" عفرا نے اسے ملامت بھری نظروں سے گھرکا۔

"اس نے پہلی بار ہی تو مجھ سے کچھ مانگا ہے۔ طلب کیا ہے، میں اسے خوش دیکھنا چاہتا ہوں چاہے کس طرح بھی۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔ عفرا بھابی کی نظروں میں جانے کیا تھا اس نے نگاہیں کترالیں۔

"کیا تم خوش رہ سکو گے؟" ان کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔ وہ چپ رہا۔

"ولید! شیزا بھی کراچی جا کر خوش نہیں رہ سکے گی۔ وہ، وہ محض ضد میں آئی ہوئی ہے۔" "سوری بھابی محبت کی بھیک نہیں مانگی جاتی، کشکول پھیلا کر اس میں توجہ کے چند سکے بھی جائیں تو یہ مسرت کی بات نہیں ہوتی، نہیں رفاقت میں آدمی پوری جان سے شامل نہ ہو تو سراب ہے، دھوکا ہے۔" اس کے لہجے میں تیزی آ گئی پھر ایک گہری سانس لے کر بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"سلمان سے کہئے گا اسے شام ایئر پورٹ لے جائیں، میرا تو شاید یہ عارضی سہارا لینا بھی وہ پسند نہیں کرے گی۔" وہ تلخی سے ہنس دیا اور وارڈ روب کھول کر کپڑے ادھر ادھر کرنے لگا۔

عفرا کہنے کو تو بہت کچھ آئی تھی مگر اس کے چہرے پر پھیلے پتھریلے پن نے کچھ کہنے نہیں دیا وہ ملول دل کے ساتھ کمرے سے چلی گئیں اور شیزا کے کمرے میں آ گئیں، ان کے خیال میں اسی کو سمجھانے کی کوشش کر لیں، مگر کمرہ اندر سے خالی تھا۔ ایک خوف سے ان کا دل دھڑکا، انہوں نے باتھ روم میں جھانکا مگر وہ بھی خالی تھا۔

الٹے پیروں باہر نکلیں عائشہ سے استفسار کیا مگر وہ بھی لاعلم تھیں۔ پورے گھر میں شیزا کا کچھ پتا نہیں تھا۔

ہاشم اور سلمان دونوں ہی گھر میں نہیں تھے۔ وہ حواس باختہ سی ولید کے کمرے میں آئیں۔ وہ کپڑے کندھے پر ڈالے باتھ روم کی طرف بڑھ رہا تھا جب انہوں نے شیزا کی گمشدگی اطلاع دی اسے۔

"وہاٹ۔ کہاں گئی؟ اس کی فلائٹ میں تو بھی بہت ٹائم ہے۔" وہ حیران رہ گیا۔

"پتا نہیں۔ ناشتے پر بھی مجھے اس کا دھیان نہیں گیا۔ اب کیا ہو گا۔ کہاں چلی گئی ہو گی؟" وہ یکدم رونے لگیں۔

"اوہو۔ آپ چلیں میرے ساتھ۔ دیکھتے ہیں کہاں گئی وہ۔" انکے رونے پر وہ اور زیادہ پریشان ہو گیا اور کپڑے کندھے سے اتار پھینکے۔ کی بوڈ سی گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر کی طرف بھاگا۔ وہ بھی روتی دھوتیں اس کے پیچھے لپکیں۔

"کیا خیال ایئر پورٹ جایا جائے؟" سڑکوں پر خاصی دیر بے مقصد گاڑی دوڑاتے ہوئے وہ اپنے اعصاب کو کنٹرول کرتا ہوا بولا۔

"مگر تم تو کہتے ہو فلائٹ شام کی ہے ابھی سے جا کر وہ کیا کرے گی وہاں۔"

"ہاں مگر اسکی منی سی عقل سے آپ واقف ہو ہی گئی ہیں۔ کچھ بھی بعید نہیں ہے اس سے، وہ بیٹھی وہیں شام کی فلائٹ کا انتظار کر رہی ہو۔ شاید اسے بہت جلدی ہے ہم سے دور جانے کی۔"

ایک گہری سانس آہ کی طرح اس کے لبوں سے بکھر گئی۔ اسی خیال نے روح میں خنجر اتار دیا۔

اور کہہ رہی تھیں آپ اسے روک لوں۔ دیکھ لیں اسے رکنا ہوتا تو وہ۔''

''اچھا بس کرو' ایسی دل جلانے والی باتیں مت کرو۔ بس دعا کرو وہ وہیں مل جائے۔'' عفرا نے اسے جھڑک دیا۔ انہیں کسی پل قرار نہیں تھا' دوڑتی گاڑی میں ان کی نظریں سڑک کے دونوں اطراف کا جائزہ بھی لے رہی تھیں۔ شاید کہیں شیزا نظر آ جائے۔

وہ کوئٹہ ائیر پورٹ چھان کر آئے مگر اس کا وہاں بھی نام ونشان نہیں تھا۔

اچانک ولید کے ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح کوندا۔ اس نے گاڑی کا رخ اسپتال کی طرف کر دیا جہاں علینہ ایڈمٹ تھی۔

پارکنگ لاٹ میں گاڑی رکی تو عفرا نے رومال سے آنکھیں پونچھتے ہوئے حیرت سے پہلے اسپتال کی عمارت کو' پھر ولید کی طرف دیکھا۔

''دیکھ لینے میں کیا حرج ہے' ہوسکتا ہے وہ علینہ سے آخری ملاقات کو آئی ہو۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے نظروں کا رخ موڑا اور لب بھینچ کر اگنیشن سے چابی کھینچی۔ پھر اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔

لفٹ سے وہ سیکنڈ فلور پر آئے تو راہداری میں انہیں حمزہ نظر آ گیا۔ وہ پشت پر ہاتھ باندھے ٹہل رہا تھا۔

عفرا اس کے پاس رک گئی۔ جبکہ وہ علینہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ نیم وا تھا پردہ بھی قدرے سرکا ہوا تھا۔ وہ ٹھٹک گیا۔ اندر شیزا اس کے پاس بیٹھی اشک باری میں مصروف تھی۔ جبکہ علینہ تکیے کے سہارے نیم وا لیٹی ہنس رہی تھی۔

''بھئی تمہیں چاہئے تھا نا کہ تم وہ ٹکٹ اسی وقت پھاڑ دیتیں۔ اس طرح میرے پیارے معصوم سادہ لوح بھائی کو خبر ہو جاتی تم انہیں چھوڑ کر بالکل کراچی نہیں جاسکتیں۔'' علینہ ہنسی روکتے ہوئے بول رہی تھی۔

''مجھے کیا ضرورت پڑی تمہارے سادہ لوح بھائی کو یہ باور کرانے کی۔'' وہ جھلس کر جوا بولی۔ ''اونہہ سمجھتا کیا ہے تمہارا بھائی' مری جا رہی ہوں میں اس کے عشق میں۔''

''تو پھر' ایک گھنٹہ سے رونا کس بات کا ہے' یہ ٹکٹ دیکھ دیکھ کر دل کیوں ٹکڑے ہوا جا رہا تھا اور میرے پاس بھاگی بھاگی آئیں۔''

''وہ تو میں یونہی۔'' وہ نظریں جھکا کر بیڈ کی چادر پر انگلیاں پھیرنے لگی پھر ایک ہلکی سی سانس بھر کر بولی۔

''دل کا معاملہ نہ ہوتا تو تم دیکھتیں کیسا بدلہ لیتی تمہارے سادہ لوح بھائی سے۔ میں سچ کہہ رہی ہوں علینہ۔'' وہ اس کے قہقہے پر جھلس کر چلائی پھر یکدم آزردگی کی لپیٹ میں آ کر بولی۔

''ولی کو شاید مجھ سے محبت نہیں ہے اتنی جتنی مجھے ہے۔ ورنہ' ورنہ وہ ایسا ظالم فیصلہ کرنے کا کیونکر سوچتے۔ کس طرح انہوں نے آ کر مجھے کراچی جانے کا مژدہ سنا دیا۔ میرے دل کی رتی بھر پروا بھی نہ کی۔

رات بھر روئی ہوں میں اور اب تم بھی ہنس رہی ہو۔

بالکل اپنے بھائی جیسی ظالم' سنگدل' ہو۔'' وہ اس کے مسلسل ہنسنے پر برا مان کر اٹھنے لگی مگر علینہ نے اسے اٹھنے نہیں دیا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھا لیا۔

''سارا قصور تمہاری انا کا ہے' یاد رکھو شیزا محبت میں انا آ جائے تو ہنستے بستے گھر منہدم ہو جاتے ہیں۔ سچی بے غرض محبت کو یوں انا کی بھینٹ مت چڑھنے دو۔ خوشیاں بہت کم ہیں اور بے غرض محبت تو بہت ہی کم۔ اسے سمیٹ لو۔ اس سے اپنا دامن بھر لو۔ خدا جانے پھر ملے نہ ملے۔'' علینہ کے لہجے میں دل گرفتگی سمٹ آئی۔ اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھپکا اور آنسو اپنے اندر اتار لئے۔

''یہی بات تو میں بھی تمہیں سمجھاتی رہی ہوں' حمزہ واقعی بہت اچھا ہے علینہ' آج میں اس کے ساتھ تو آئی ہوں۔ بے چارے ہکا بکا رہ گئے۔ میں انہیں باہر ہی سے پکڑ کر لے آئی'' وہ علینہ کا ہاتھ پکڑ کر اس کے اوپر جھکتے ہوئے پیار سے بولی تو وہ اس کی طرف دیکھنے لگی پھر گھبرا کر پلکوں کی نم نم باڑ جھکا لی۔

"بیچ میں حمزہ کا ذکر کہاں سے آ گیا۔ ابھی تو ولید بھائی سے جدا ہونے کے غم میں آٹھ آٹھ آنسو بہا رہی تھیں۔" وہ اپنے دل کی منتشر حالت کو سنبھالتی اسے گھور کر دیکھنے لگی۔

جواباً وہ ملول سی سانس بھر کر اپنے بیگ کی زپ کھولنے اور بند کرنے لگی۔

"مجھے تو بہر حال واپس جانا ہی ہے مگر علینہ تم حمزہ کو مایوس مت کرنا۔ وہ تم سے فیئر ہے۔" وہ اس کا ہاتھ دباتے ہوئے بولی۔ علینہ نے اسے شکایتی نظروں سے دیکھا۔

"تو کیا ولید بھائی فیئر نہیں ہیں تم سے۔ تم انہیں مایوس کر دو گی۔"

"مایوس تو انہوں نے مجھے کیا ہے۔" وہ جواباً غم زدگی سے بولی۔ "کس طرح بکھر کر جڑی تھی میں، پھر بکھیر دیا اس نے مجھے۔ تنگ آ گئی ہوں میں روز ٹوٹنے اور بکھرنے کے عمل سے۔ جذبے کھیل نہیں ہوتے علینہ۔ یہ تم بھی جانتی ہو۔ یہ روح کو پگھلا ڈالتے ہیں، خون خشک کر دیتے ہیں۔ محبت میں ہم عورتوں کے حصے میں کیا آتا ہے۔ ایک کسک، ایک اذیت، تلخ یادوں کا صحرا، اس سے زیادہ کیا۔ بس ایک انا ہی تو ہوتی ہے جو اسے سنبھالے رکھتی ہے۔ تنکا تنکا ہو جانے سے، ارزاں ہو جانے سے۔ تم چاہتی ہو میں اپنی انا کو ولید خان کے قدموں میں رکھ دوں۔ بھلے سے وہ اس پیر رکھ کر اسے کچلتا ہوا گزر جائے۔"

"شیزا ٹیک اٹ ایزی۔ پلیز میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا تو نہیں تھا۔" اسکی آزردگی نے علینہ کو تڑپا دیا۔

"بہر حال غلطی میری ہے کہ میں نے تمہارے بھائی سے محبت کی ہے۔ اسے دل سے نکال نہیں پائی اور نہ نکال سکوں گی۔" وہ پلکیں جھکا کر کرب سے بولی۔

باہر کھڑا ولید اندر آنے کی بجائے دروازے سے ہی ہٹ گیا۔ اس کے دل کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔ دونوں سہیلیوں کی باتوں نے کئی راز عیاں کر دیئے تھے۔ وہ انکشاف کئے تھے جو دل میں پھول بن کر مہک اٹھے تھے۔ وہ چونکا، عفرا بھابھی پر نظریں گئیں وہ بھی پر مسرت حیرت کے ساتھ کھڑی تھیں۔ نظریں ملنے پر مسکرانے لگیں جبکہ وہ جھینپ کر وہاں سے ہٹ گیا اور راہداری کی ریلنگ پر جھک کر اپنی خوشگوار دھڑکنوں کو قابو کرنے لگا۔ اسے لگا جیسے اس کی تھکی روح

کو طمانیت میسر آ گئی ہو۔ یکدم اپنے پھیپھڑوں میں اترنے والی یہ ہوا بھی بے حد شفاف اور تازہ محسوس ہوئی۔ سینے میں جیسے روشنی سی اتر گئی تھی۔ اچانک اس کی نظریں راہداری کے کنارے کھڑے ڈاکٹر سے باتیں کرتے حمزہ پر اٹھیں تو لبوں پر بے ساختہ ایک مسکراہٹ بکھر آئی۔

اس دم علینہ کے کمرے کا دروازہ کھلا اور شیزا سیاہ چادر میں ملبوس کندھے پر بیگ لٹکائے باہر نکلی۔

"پورے شہر میں جناب کو ڈھونڈ لیا اور یہاں برآمد ہوئیں ہیں۔ آپ۔" وہ سرعت سے اسکی راہ میں آ گیا۔ اسے دیکھ کر لحظہ بھر کر سٹپٹا گئی۔ رویا رویا متورم چہرہ جلدی سے چادر کے اندر کر لیا۔

"آپ لوگ ناحق پریشان ہوئے۔" وہ سپاٹ لہجے میں کہتی سیڑھیوں کی طرف قدم اٹھانے لگی۔ "یوں بھی آپ کو میرے لئے پریشان ہونے کی کیا ضرورت تھی۔" اس کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

"مجھے تو صرف اس لئے پریشانی تھی کہ تمہاری فلائٹ مس نہ ہو جائے۔" وہ اس کے ہمراہ ہی سیڑھیاں پھلانگنے لگا۔ لبوں کے گوشوں میں امڈنے والی مسکراہٹ کو اس نے جلدی سے چھپا لیا تھا۔

وہ ذرا دیر رکی، ایک شکوہ کناں سی نظر اس پر ڈال کر لب دانتوں میں دبا لئے اور بقیہ سیڑھیاں اترنے لگی۔

"بڑی مہربانی اس فکر کرنے کی۔ ٹکٹ میرے پاس ہے مجھے فلائٹ کا ٹائم یاد ہے۔" ولید نے محسوس کیا اس کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا شاید آواز بھی بھرا گئی تھی۔

پارکنگ لاٹ میں آ کر اس نے اپنی گاڑی کھولتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"شکریہ میں جس طرح آئی تھی اس طرح واپس بھی جا سکتی ہوں۔" وہ رکھائی سے بولی۔

"آئیں تو تم حمزہ کے ساتھ تھیں۔ مگر واپسی میرے ساتھ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ میں تو یوں بھی محرم ہوں تمہارا۔" اس کا انداز سادہ سا تھا مگر وہ سلگ گئی تاہم بحث کرنے کی بجائے سیٹ پر ڈھے گئی۔

ایک تھکن تھی جو رگ رگ کو کاٹ رہی تھی۔ سیٹ کی آرام دہ پشت سے سر ٹکا لیا جیسے درد

سے پھٹتے سر کو ذرا دیر آرام دینا چاہ رہی ہو۔

اچانک اسے احساس ہوا گاڑی گھر کی بجائے مختلف سمت جا رہی ہے۔ اس نے کھڑکی سے باہر ایک نظر دیکھ کر اس کی طرف دیکھا۔

"یہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟" اس کے لہجے میں دبا دبا خوف تھا۔

وہ ہلکے سے مسکرایا۔

"ائر پورٹ لے کر جا رہا ہوں۔ آخر تمہیں بخیریت پہنچانا بھی میری ذمے داری ہے۔" وہ خاصی بے پروائی سے بولا۔

وہ اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ پہلو میں دل بری طرح مجروح ہوا تھا۔

"مگر گھر پر میرا کچھ ضروری سامان بھی ہے جو مجھے لینا ہے۔" اس کی آواز اتنی دھیمی تھی جیسے بامشکل بول پا رہی ہو۔

"اوہ' خیر میں پہنچا دوں گا سامان بھی۔" ایک ابرو اچکا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ لال ہو گیا۔

پتا نہیں یہ اہانت کے احساس سے ہوا تھا یا آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں۔

"براہ مہربانی آپ گاڑی روک دیں۔ میں رکشہ لے لوں گی۔ اور خود چلی جاؤں گی۔" وہ آنسوؤں کو پلکوں کے پار دھکیلتی ہوئی لہجے میں مضبوطی بھرتے ہوئے بولی۔

"نہیں' اب میں اتنا غیر ذمے دار اور بے مروت بھی نہیں ہوں۔ کم از کم اتنا تو میں کر سکتا ہوں بلکہ اگر تم چاہو تو تمہارے ساتھ کراچی تک بھی جا سکتا ہوں اور......"

"کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے آپ کی ہمدردیوں کی۔" وہ پھٹ پڑی۔ "بس روک دیں گاڑی یہیں۔ میں کہہ رہی ہوں گاڑی روکیں۔"

"گاڑی تو اب وہیں رکے گی جہاں میں چاہوں گا۔" وہ ہلکے سے ہنسا جیسے اس کی حالت پر حظ اٹھا رہا ہو۔ اسے تو کم از کم ایسا ہی لگا۔ احساس توہین کے مارے اس نے اسٹرنگ کو گھما ڈالا۔

"کیا' کیا کر رہی ہو شیزا۔" وہ یکدم بوکھلا گیا اس کی مداخلت پر گاڑی غیر متوازی ہو

گئی۔ اس سے پہلے کہ سڑک سے اتر کر پول سے ٹکرا جاتی اس نے زور سے بریک دبا دیا۔ دوسرے پل گاڑی اچھل کر پول سے ایک انچ کے فاصلے پر رک گئی۔

ایک گہری سانس بے ساختہ اس کے لبوں سے خارج ہو گئی۔ جبکہ وہ اب دونوں ہاتھوں میں منہ ڈھانپے روئے جا رہی تھی۔

"جو باتیں علینہ سے کہہ سکتی تھیں' مجھ سے بھی کہی جا سکتی تھیں۔ غلط فہمی میں تو تم نے مجھے مار ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ بے وقوف لڑکی۔" وہ پہلو بدل کر اس کی طرف رخ کرتا ہوا بولا۔ اس کے بھل بھل بہتے ہوئے آنسو ٹھہر کر پلکوں پر اٹک گئے۔ اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا مگر دوسرے پل اس کی نگاہوں نے اسے پلکیں جھکانے پر مجبور کر دیا۔

"کک...... کیا مطلب؟ خفت سے اس کا چہرہ لال ہونے لگا۔ وہ جان گئی کہ وہ علینہ اور اس کی باتیں سن چکا ہے۔ تبھی عفرا بھابی کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"مطلب یہ کہ۔" وہ ذرا سا اس کی طرف جھکا پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

ہزاروں دکھ پڑے سہنا' محبت مر نہیں سکتی
ہے تم سے بس یہی کہنا' محبت مر نہیں سکتی

وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا' پھر اس کا دوسرا ہاتھ بھی پکڑ لیا۔

"اتنی خوبصورت باتیں' ایسے ایسے مسرت انکشافات تم مجھ سے کرتیں تو یہاں تک نوبت ہی نہ آتی۔ اچھا دینا ذرا وہ ٹکٹ۔"

اس کے اعصاب کو پے در پے جھٹکے لگے تھے۔ پھر سنبھل کر اسکی گرفت سے اپنے ہاتھ جھٹک کر پیچھے ہٹی۔

دل کی دھڑکن معمول سے ہٹ کر تیز ہو گئی۔ یوں لگنے لگا جیسے ابھی سینے کی دیواریں توڑ کر باہر آ گرے گا۔ لرزتے ہاتھوں سے اس نے بیگ کھول کر ٹکٹ نکالا جسے اس نے تیزی سے اچک لیا۔ مبادا وہ واپس نہ رکھ لے۔ پھر ایک نظر اس چھوٹے سے پرزے پر ڈال کر ہلکے سے مسکراتے ہوئے اس کو دو ٹکڑے کر دیا۔

وہ دھک سے رہ گئی۔

اس نے وہ ٹکڑے شیشے کے باہر اچھال دیئے تھے۔ جو تیز ہوا میں لمحہ بھر میں کہیں سے کہیں جا اڑے۔

اس کے لب کچھ کہنے کی کوشش میں صرف پھڑ پھڑا گئے۔

دوسرے پل نظروں کے ساتھ چہرہ بھی جھکا لیا وہ اس پر جھکا کہہ رہا تھا۔

پرانے رابطوں کو پھر نئے وعدے کی خواہش ہے
ذرا اک بار تو کہنا محبت مر نہیں سکتی

اس کے ارد گرد گویا پھول ہی پھول کھل اٹھے۔ درد کا صحرا گلستان بن گیا۔ اس کی آنکھوں میں محبت کی لہریں اس کے اندر اتر کر پیاسی زمین کو سیراب کرنے لگی تھیں۔

وہ گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔ تب اس نے آہستگی سے اسٹیرنگ پر رکھے اس کے مضبوط ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

جہاں میں جب تلک پنچھی چہکتے اڑتے پھرتے ہیں
ہے جب تک پھول کا کھلنا، محبت مر نہیں سکتی

ولید نے تشکر آمیز نظروں سے اسے دیکھا اور بھرپور جذبوں کے ساتھ تحفظ کا احساس فراہم کرتا ہوا اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''ہم اپنی کوتاہیوں کو اپنے جسم کی کھال بنانے کی بجائے انہیں گرد کی طرح جھاڑ دیں تو ہمارا حال، ہمارا مستقبل بہت خوبصورت اور آسودہ ہو شیزا۔ میں نہیں کہتا میں حق پر تھا۔ اور جو کچھ کیا وہ درست تھا ہرگز نہیں۔ مجھے اپنے گزشتہ تمام رویوں پر ندامت ہے۔ میں بندہ بشر ہوں میرے اندر بہت خامیاں ہیں شیزا، کیا تم مجھے خامیوں سمیت قبول کرو گی نا۔''

''نہیں ولید، خامیاں ہونا ہی بشر ہونے کی دلیل ہے۔ فرشتہ ہونے کا دعویٰ تو یہاں کوئی بھی نہیں کر سکتا اگر ہم محبت میں ایک دوسرے کی چھوٹی موٹی خامیوں اور کوتاہیوں کو درگزر نہ کریں تو یہ محبت نہیں خود غرضی ہو گی۔'' وہ اپنائیت آمیز لہجے میں کہتی اسے ایک نظر دیکھ کر پلکوں کی باڑھ حیا سے جھکا لی۔

ولید کے اندر ایک اتھاہ سکون اتر گیا۔

اب منزل تک جانے والا راستہ بے حد شفاف اور روشن تھا۔

اختتام